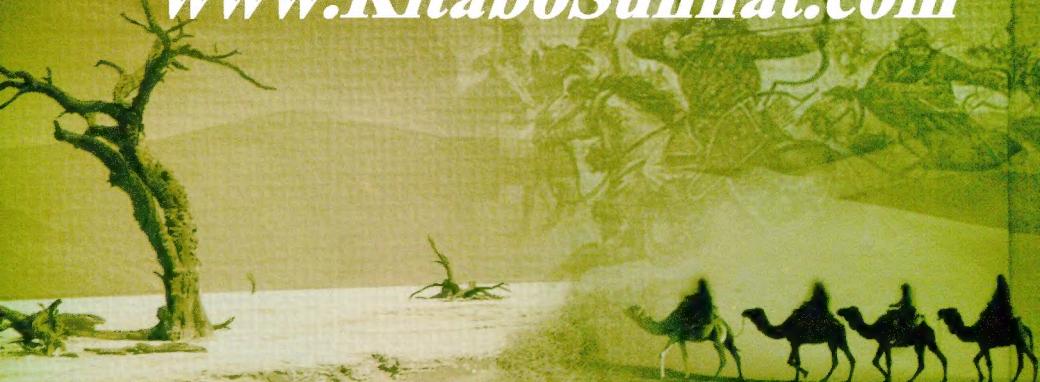


رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ  
حُوْنَ سُرْبَتَ بَنَ

مَعَ

سَلَخَةَ كَرَبَلَا

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



مولانا حکیم محمد ادريس فاروقی رحمۃ اللہ  
بانی و مسانی تجویف ایضاً طبیعت ما پہ نامہ ضمیمہ تیریث



## معز زقارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب و سنت ذات کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **بیانات** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

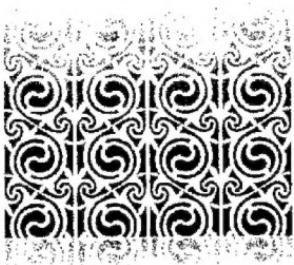
### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشر ہن سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے **PDF**  
درج ذیل ایمیل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)  
🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



# حُسْنٌ سِيرِتِ مَيْمَانِ

مع سَلَحْكَرْ بلا



پرنامہ، سلسلہ علوم اسلامیہ

موسس: مولانا حکیم محمد ادريس فاروقی (رحمۃ اللہ علیہ) (1944-2010)

# حُسْنِ عَذْنَةٍ سیرتِ میں

## مع سانحہ کر بلا

مؤلف

مولانا حکیم محمد ادريس فاروقی (رحمۃ اللہ علیہ)

اشاعت سوم 2012ء

ناشر

مسلم پبلیکیشنز

12 عثمان غنی روڈ، سنت نگر، لاہور

042-37249678

بچہ تحقیق اشاعت یافتے مسلم پبلیکیشنز محفوظ ہیں

# حُجُّ سَيْرَتِينَ

مع

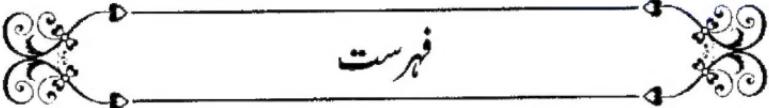
## سَلْخَانَ كَرَبَّلَا

مولانا محمد ادريس فاروقی

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)






 فہرست

15 .....	* تقارین
45 .....	* مولانا محمد ادريس فاروقی رحمۃ اللہ علیہ
49 .....	* عرض ناشر
59 .....	* حرف اول
67 .....	<b>باب 1</b> ◀ ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت
67 .....	□ ولادت با سعادت
68 .....	□ غلط روایات
70 .....	□ شفقتِ رسول ﷺ
72 .....	□ ایک غلطی کا ازالہ
73 .....	□ سیدنا حسن و حسین علیہما السلام سے نبی ﷺ کی محبت
74 .....	□ بچپن کے چند واقعات
76 .....	□ بچپن کے مشاغل
77 .....	□ تعلیم و تربیت
80 .....	□ نتائج تربیت
84 .....	□ حضرت جد محترم علیہ السلام کا فرقاں

## فہرست

6

□ پیاری اگی جان شیخنا کی مفارقت	85
□ ابا جان شیخنا کاظم ہمایوں	87
<b>باب ۲ سیدنا حسین بن علیؑ اور عہد صحابہ شیخنا</b>	89
□ سیدنا حسین بن علیؑ اور ابو بکر صدیقؑ شیخنا	91
□ سیدنا حسین اور فاروق اعظم شیخنا	92
□ سیدنا حسین بن علیؑ اور عثمان ذوالنورین شیخنا	96
□ حضرت حسین بن علیؑ اور بیعت خلفاء شیخنا	99
□ محاربات میں شرکت	100
<b>باب ۳ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب</b>	103
□ قرآن کریم سے محبت	105
□ سنت رسول ﷺ کی اطاعت	106
□ درس قرآن و حدیث	110
□ زہد و عبادت	113
□ سیدنا حسین بن علیؑ اور روایت حدیث	119
□ مآثر	122
□ تفہیم الدین	124
□ علم و عرفان	126
□ حلم و رفق	127
□ عفو و کرم	129
□ وجود و سخا	131
□ اسراف سے نفرت	134

۷	نہرست
136	□ خدمت و تواضع
138	□ صبر و قناعت
140	□ آداب و اخلاق
142	□ شجاعت و بسالت
143	□ جرأت و حوصلہ
144	□ تبلیغ حق و صداقت
145	□ تیکار داری
147	□ حیاداری
148	□ امانت داری
150	□ قربات داروں سے سلوک
151	□ جدات <small>شائطنا</small> کی فرمانبرداری
151	□ بہن بھائیوں سے محبت
153	﴿ حلیہ مبارک ﴾
153	□ شبیہ اقدس
154	□ آواز
154	□ خضاب
155	□ لباس
156	□ خوشبو
156	□ سواری
157	□ انگوٹھی
157	□ برتن

۶۰۸

**فہرست**

159	﴿ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ادبی محسن
167	﴿ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال
170	□ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذہانت و ذکاوت
172	﴿ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اور اد و و ظاہف اور دعائیں
178	﴿ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت
182	<b>باب 4 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت</b>
183	□ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت
184	□ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک
185	□ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات
186	□ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا دعواۓ خلافت سے انکار
187	□ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے تعلقات
188	□ منبر معاویہ رضی اللہ عنہ پر خطبہ حسین رضی اللہ عنہ
190	□ حسین رضی اللہ عنہ کے ایقائے عہد کا ایک واقعہ
192	﴿ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت
197	<b>باب 5 یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ</b>
206	﴿ یزید کی جانشی اور بیعت
213	□ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت
216	□ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال
226	□ یزید اور اس کی حکومت
244	﴿ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید
255	﴿ یزید کا طرز عمل

۱۰۸۔۹	فہرست
257 .....	* چند اہم باتیں
261 .....	باب 6 حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی اور سانحہ کربلا
261 .....	* حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی
263 .....	* حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عزائم
268 .....	* سفرائے یزید
269 .....	* اہل کوفہ کے خطوط
273 .....	* مسلم بن عقیل کی روانگی
274 .....	* حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا ورود کوفہ
276 .....	* عبید اللہ بن زیاد کا تقرر
279 .....	□ ابن زیاد کی پہلی فریب کاری
281 .....	□ ابن زیاد کی دوسری عیاری
282 .....	□ ابن زیاد کی تیسرا مکاری
284 .....	* حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی گرفتاری و شہادت
289 .....	* حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی
296 .....	* اہل کوفہ کی غداری
297 .....	* حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عزائم
299 .....	* راستے مسدود، پھرے ہیں کڑے
299 .....	□ کوفیوں کی پہلی فوج
301 .....	□ خُرکی مراجحت
302 .....	□ دشت کربلا
304 .....	□ ابن سعد کا لشکر

۱۰	فہرست
306 ...	□ بندش آب
307 ...	□ حضرت حسین علیہ السلام اور ابن سعد کی ملاقاتیں
309 ...	□ شر کی شیطنت
309 ...	□ شر کی کمان داری
312 ...	* چند اہم نکات
336 ...	* فریقین کی تقریریں
338 ...	* شہادت کا حادثہ فاجعہ
342 ...	* حضرت حسین علیہ السلام کی المذاک شہادت
346 ...	* شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی
349 ...	<b>باب 7</b> حادثہ کربلا کے بنیادی مجرم اور یزید کا تائٹر و تائسف
349 ...	* شہادت کے بعد
350 ...	* حادثہ کربلا کے بنیادی مجرم
356 ...	* ایک اہم سوال
364 ...	* یزید کا تائٹر و تائسف
371 ...	* ایک وضاحت
373 ...	* غلط روایات شہادت
376 ...	* درس عبرت و موعظت
380 ...	<b>باب 8</b> فلسفہ شہادت حسین علیہ السلام
382 ...	□ آغاز قربانی انجام قربانی
382 ...	□ آزادی رائے
383 ...	□ درس وفا

11	نہر و نہر
383	□ نفاق کی بناہ خیزیاں
384	□ نوافیٰ تقدیریں
385	□ علم غیب اللہ کا خاص ہے
386	□ قیادت کوئی پھولوں کی سیچ نہیں
387	□ تکلیف پر صبر کیجئے
388	□ عقیدہ تو حیدر کی اہمیت
391	□ جرأت و شجاعت کا لاقانی سبق
392	□ نیکی و شرافت کی عظمت
394	□ نماز کی اہمیت و ضرورت
394	□ مشورہ کی اہمیت
396	□ آزمودہ را آزمودن خطاست
397	□ ظالم اور شقی آخرسزا پاتا ہے
<b>باب ۹</b>	<b>قتلینِ حسین بن علیؑ کا عبرتاک انجام اور اصلاح طلب پہلو</b>
399	﴿ قاتلینِ حسین بن علیؑ کا عبرتاک انجام
405	﴿ حضرت حسین بن علیؑ اور ہم
408	﴿ سیدنا حسین بن علیؑ پر باطل تاویلات و روایات
412	﴿ محروم اور عاشوراء
417	﴿ نوحہ اور ماتم
421	﴿ ایک اور اہم سوال
423	﴿ تو ائمین کی جماعت
425	﴿ روافض کاظہور

۱۲	فہرست
426	* عبد اللہ بن سبأ
430	* پنجتن پاک کی الوہیت
432	باب 10 شیعہ سنی عقائد و نظریات میں فرق
432	□ پہلا فرق
434	□ دوسرا فرق
436	□ تیسرا فرق
439	□ چوتھا فرق
439	□ پانچواں فرق
440	□ چھٹا فرق
441	□ ساتواں فرق
442	□ آٹھواں فرق
444	□ نواں فرق
446	□ دسوائیں فرق
449	* مبالغہ آمیز مناقب اہل بیت ﷺ
453	باب 11 اہل تشیع، ان کی اقسام اور بارہ ائمہ کا تعارف
453	□ امامیہ
453	□ زیدیہ
454	□ اسماعیلیہ
454	□ تفضلی
454	□ محوی
455	* بارہ امام

13

فہرست

455	□ سیدنا علی بن ابی طالب <small>رضی اللہ عنہ</small>
456	□ سیدنا حسن <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
457	□ سیدنا حسین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
457	□ سیدنا زین العابدین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
459	□ سیدنا باقر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
460	□ سیدنا جعفر <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
461	□ سیدنا موسیٰ کاظم <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
462	□ سیدنا رضا <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
462	□ سیدنا تقی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
462	□ سیدنا نقی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
463	□ سیدنا حسن عسکری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
463	□ سیدنا مہدی
465	□ دعوت فکر
467	<b>باب 12</b> حضرت حسین <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی ازواج و اولاد
467	□ رباب کلبیہ بنت امراء اقیس
467	□ لیلی بنت ابی مرہ
467	□ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
467	□ شہر بانو یا شاہزادن
468	□ عائشہ بنت خلیفہ
468	□ حفصہ بنت عبد الرحمن
468	□ عاتکہ بنت زید بن عمرو

14

فہرست

قصاصیہ

غزالہ

باب حضرت حسین بن علیؑ غیروں کی نظر میں

پنڈت گوبند بھٹھ پتھو (سابق وزیر دا خالہ) بندوستان

دستو، تھیر و مہار کنور (پیشوائے اعظم پارسی)

سوامی کل جکانند مسافر

ڈاکٹر جواہر لال روہنگی، ایم ایل اے

پروفیسر آتمارام ایم اے (جو شیر پوری)

مسٹر ہیمس کار کرن مصنف "تاریخ چین"

مسٹر آر قمر، این و سمن، سی آئی اے

سردار کرتار سنگھ، ایم اے، ایل ایل، بی (ایم و کیت ہائی کورٹ) پنجاب

مہاراجہ جگجیت سنگھ بہادر، ای کپور تھلہ

سردار خزان ایم اے (پروفیسر لدھیانہ کالج)

سی ایس رنگار (سابق ایم ایل اے)

پروفیسر رکھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر دہلوی

گشتن صدق و صفا کالالہ رنگیں حسین بن علیؑ

مصادر و مراجع

## تقریط

**محمد صدیق شاہد صاحب ایم اے، لاہور**

بزرگان دین کے حالات و اتفاقات پڑھنے اور لکھنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کے عظیم کارناموں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پیروی کی جائے اور ان سے سبق حاصل کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان سے ہونے والی نادانست غلطیوں سے سبق لیا جائے۔ رسول پاک ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو ہدایت کی تھی کہ جب آپ ﷺ کے کفار سرداروں سے مخاطب ہوں تو وہاں آنے سے گریز کیا جائے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ شاید ان کو ہدایت مل جائے مگر حضرت عبد اللہ بن ام کلتوم بن جوزہ جو صحابی رسول تھے اور ناپینا تھے ان سرداروں کی مجلس میں آگئے۔ رسول پاک کو اچھا محسوس نہ ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سرزنش کی کہ آپ کو کیا علم کہ کفار میں سے کوئی ایمان لائے گا یا نہیں مگر جو ایمان کے نور سے منور ہو چکا اس کے بارے میں ایسا رویہ اللہ تعالیٰ کو درست نہ لگا۔ بہر حال صحابہ ﷺ سے دانستہ یا نادانست غلطیاں ہوئیں۔ اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بزرگان کے بارے میں ایسی باتیں کرنا ان کی توہین ہے وہ ایسا کہ ہی نہیں سکتے تو یہ نیک نظری ہی نہیں حقائق و شواہد کے بھی خلاف ہے۔ یہ ایک ایسا مرحلہ ہے جس میں قارئین کو فراخ دل اور وسیع النظر ہونا چاہیے۔ کتاب ”سیرت حسین بن علیؑ مع سانحہ کربلا“ میں مصنف نے بڑی فراخدلی سے حضرت حسین بن علیؑ کی تعلیمات و اقوال و

افعال کی وضاحت کی ہے تاکہ لوگ حقائق کو سمجھ سکیں اور بڑے لوگوں کے حالات پڑھ کر ان سے سبق حاصل کریں۔ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد، حضرت نوح، حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و ایعات پڑھ کر قارئین میں قوت ارادی کو تقویت ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فرعون، نمرود، قارون، شداد کے واقعات پڑھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ جہاں شر ہے وہاں خیر ہے، جہاں شیطان ہے وہاں رحمان ہے، جہاں نیکی ہے وہاں برائی ہے۔ مصنف نے دونوں کا ذکر بڑی خوبصورتی سے کیا ہے اور بڑے انصاف سے کام لیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو حقائق کا علم ہو سکے اور وہ جذبات کی رو میں بہہ کر سراسر موم یا سراسر سنگ نہ بن جائے۔ آج تک حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جتنی کتب لکھی گئی ہیں عموماً لکھنے والوں نے زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں اور زور صرف شہادت کے موضوع پر دیا ہے اور ایسی ایسی بے پر کی اڑائی ہے کہ پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ جیسے وہ کوئی مافق الفطرت ہستی کے بارے میں پڑھ رہا ہے ایسی ایسی کذب بیانی سے کام لیا گیا ہے کہ قاری پر بیثان ہو جاتا ہے اور ماتھا پکڑ لیتا ہے۔ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار کو نعوذ باللہ ایک ڈرامے کا رنگ دے دیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ محبت صرف وہ ہے جو حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر رونا شروع کر دے، بال نوچ، منہ پر تھپٹ مارے۔ درست ہے کہ ان پر ظلم ہوا اور بے حد ہوا اور خالم سخت عذاب کے حقدار ہوئے۔ عمومی طور پر سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور مراتب و درجات اور کردار کو بیان کرتے وقت بغل سے کام لیا گیا۔ مگر سیرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف جانب مولانا ادریس فاروقی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوبصورتی اور انصاف سے ان کے فضائل، کردار اور سیرت پر روشنی ڈالی ہے تاکہ ان پر عمل کرنے سے ایک مسلمان صحیح مسلمان بن سکے اور اپنی آخرت سنوار کر جنت کا حقدار بن سکے۔ مصنف نے مخالفت اور موافقت سے ہٹ کر دلائل پیش کرنے

تقریظ ۱

۱۷

کی کامیاب سعی کی ہے۔ مصنف کے لیے یہی وقت آزمائش کا ہوتا ہے۔ الحمد للہ موصوف نے آزمائش کی اس گھڑی میں انصاف کا دامن نہیں چھوڑا۔ بقول اقبال رضا:

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق  
نے الہم مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند  
اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش  
میں زہر ہلائل کو کبھی کہہ نہ سکا قدر

اس سے قبل مصنف مولانا محمد اوریں فاروقی رض، چند کتب مثلاً نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت خدیجہ الکبری رض، عفیفہ کائنات رض، مقام رسالت، انوار الحدیث، مسئلہ تقلید اور دیگر کتب کے پیش بھاگو ہر ہائے نایاب قارئین کی نذر کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب ذوالجلال ان کی کاوشوں کو درجہ قبولیت بخشنے جوان کے لیے اجر و ثواب کا موجب بنے۔

احقر

محمد صدیق شاہد ایم اے  
گلشن راوی، لاہور

تقریظ ②

## پروفیسر محمد ذوالفقار صاحب، ریسرچ فیلودارِ اسلام

صحابہؓ کے دور میں ہونے والے واقعات کے متعلق لکھنا تھے ہوئے رسم پر چلنے کے متراffد ہے۔ ذرا سا توازن (Balance) بگزنا سے انسان کسی گھری کھائی میں گر سکتا ہے۔ یہ موضوع جتنا حساس تھا اس میں اتنی ہی بے اختیاطی بر قی گئی۔ ایک طرف تو لوگ اس حد تک چلے گئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ، طلحہ، زبیر، معاویہ، عمر و بن عاصی اور مغیرہ بن شعبہؓ پر تقدیم کے نشر چلانے لگے اور دوسرا طرف اس حد تک پہنچے کہ حضرت حسینؑ کو با غی قرار دے دیا ان اللہ۔ ان کی دیدہ دلیری ملاحظہ ہو وہ یہ کہنے سے بھی نہیں پوچھتے کہ سیدنا حسینؑ کا مقصد محض دنیاوی اقتدار کا حصول تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ انہوں نے آپؑ کو اپنے اوپر قیاس کیا۔

اگر غور کیا جائے تو جنگ جمل، صفين اور واقعہ کربلا ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں اور یہ اسی فتنے کا تسلسل ہیں جو حضرت عمرؓ کی شہادت سے شروع ہوا اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں پروان چڑھا۔

حضرت عثمانؓ کا قتل کسی عام انسان کا قتل نہیں تھا۔ ایک خلیفہ راشد، چالیس لاکھ مردیں میل کے حکمران اور داماد رسول کا قتل تھا۔ اس لیے اگر لوگوں نے ان کے

قصاص کے مطالبے میں شدت اختیار کی توجہ اس میں حق بجانب تھے۔ بد نیتی دوسری طرف بھی نہیں تھی۔ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی بھی قصاص کے اتنے ہی خواہاں تھے جتنے طلحہ و زبیرؓ تھے۔ فرق صرف طریقہ کار کا تھا۔ حضرت علیؓ انتہائی محاط تھے جیسا کہ اور دلائل کے علاوہ ان کی شہادت کے واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے ملاحظہ کیا کہ ابن ملجم ان کی جاسوسی کر رہا ہے۔ ان کے آنے جانے کے راستے اور واقعات پر نظر رکھ رہا ہے۔ انہوں نے اپنی بصیرت سے اندازہ لگایا کہ یہ انھیں قتل کرنے کی نیت سے آیا ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے ذکر کیا۔ وہ کہنے لگے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا میں محض شبے کی بنا پر اسے گرفتار نہیں کر سکتا۔ یہی احتیاط حضرت عثمانؓ کے کیس میں بھی کی جا رہی تھی۔ حضرت علیؓ تمام قانونی تقاضے پورے کرنا چاہتے تھے۔ جب کہ دوسرے افراد کا خیال تھا کہ بلا تاثیر یہ کام ہونا چاہیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ پیچیدہ ہوتا جائے گا اور قصاص لینا مشکل سے مشکل تر ہوتا جائے گا۔ ان کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔

دونوں فریق ایک حل (Solution) کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے کہ سازشی عناصر نے رات کی تاریکی میں دونوں طرف حملہ کر کے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ بہر حال جنگ محل اور صفين ایک محدود قسم کی لڑائیاں تھیں جنہیں موضوع اور من گھر ر روایات کے ذریعے بڑی ہولناک جنگوں میں بدل دیا گیا اور زیب داستان کے لیے ان میں بہت سی بسو پابات میں بھردی گئی ہیں۔ دونوں طرف کے لشکروں کی تعداد اور متفقین کے اعداد و شمار ہی ان روایات کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ جہاں اسلام دشمن عناصر سرگرم تھے۔ امت کے خیر خواہ بھی اصلاح کی کوششیں جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ پھر ایک حل کے قریب پہنچ چکے تھے کہ حضرت علیؓ کی شہادت

کا واقعہ پیش آ گیا۔

ہمیں یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ حضرت معاویہ رض نے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنے کا فیصلہ جتنا بھی نیک نیتی اور امت کی خیر خواہی میں کیا ہواں سے ایک غلط روشن کے شروع ہونے کا اندیشہ تھا۔ جو بعد میں ایک تحقیقت بن کر سامنے آیا۔

حضرت حسین رض نے بھی اسی اندیشے کی بنا پر اس ولی عہد کو تسلیم نہیں کیا۔

حضرت حسین رض نے اس کے سد باب کے لیے نہ تو کوئی لشکر اکٹھا کیا۔ نہ لوگوں کو اس کے خلاف آمادہ (Motivate) کیا اور نہ ہی مسلح جدو جہدان کے پیش نظر تھی۔ اگر ان کا اس طرح کا کوئی منصوبہ ہوتا تو اس کے لیے سب سے مناسب جگہ مکہ مکرمہ تھی جہاں سارے عالم اسلام سے لوگ حج کے لیے جمع ہوتے تھے۔ اگر واقعی اسلام مث رہا ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری، سعد بن ابی وقار، عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رض حضرت حسین رض سے پیچھے نہ رہتے اور ان کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہوتے۔ یہ ایک دخراش حادثہ تھا جو اہل کوفہ کی غداری اور اسلام دشمنی کی وجہ سے پیش آیا۔ بہر حال ان واقعات میں اصل چیز توازن ہے جس کا عموماً بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں امام ابن العربي کی کتاب العواصم من القواسم کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

مولانا محمد اور لیں فاروقی اس توازن کو قائم رکھنے میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں اور انھوں نے بڑی عرق ریزی سے مواد جمع کر کے دونوں پہلو قارئین کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان کی یہ کاؤنٹ انتہائی قابل ستائش اور لائق مطالعہ ہے۔

اخوکم فی الدین

محمد ذوالفقار

تقریظ ۳

ادیب شہیر، جماعتی سوانح نگار ملک عبدالرشید عراقی (مؤلف کتب کثیرہ)

بسم اللہ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ  
وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ أَنفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا،  
مِنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلٌّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلُ فَلَا هَادِيَ لَهُ - وَأَشْهَدُ  
أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، أَمَّا بَعْدُ !

محترم جناب حکیم محمد ادریس فاروقی ﷺ نے جس موضوع پر قلم آٹھایا ہے موجودہ دور  
میں اس موضوع کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اور یہ حضرت حکیم صاحب کی خوش بختی  
ہے کہ اللہ نے ان کو اس سعادت سے نوازا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ ان کو اس راہ میں  
کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ آمین۔ موصوف نے پہلے بھی شاندار کتابیں لکھ کر اپنے  
آباء و اجداد کا نام روشن کیا۔ اور ”قدیل“ نے تو کمال ہی کر دیا۔ اور یہ کتاب لکھ کر  
شان رسالت کے بعد شان اہل بیت و صحابہ ﷺ کا جھنڈا ہمراہیا۔ اور خوشی ہے کہ یہ  
 توفیق اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اور جو لکھا بہت صحیح اور آسان زبان میں لکھا۔ ہم  
سوہنہ والے ان خدمات پر آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ  
موصوف کی ان خدمات پر آپ کو مبارکباد پیش کرنے ہیں۔ آمین

سیرت حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کا موضوع اس لیے بھی اہم ترین ہے کہ آج دنیا میں اس موضوع کو حقیقت سے ہٹ کر بہت مبالغہ آرائی کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یا تو ان کو اتنا بڑھا چڑھا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبوت بھی ان کے مقام کے سامنے یعنی نظر آنے لگتی ہے۔ اور جب ان کی شہادت کا تذکرہ آئے تو ان کو اتنا مظلوم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ایسی باتیں بھی ذکر کی جاتی ہیں کہ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور اگر انسان ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ اور غور کرے تو یہ سب عجیب سالگتا ہے، مثلاً میدان کر بلہ میں جناب حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کا پانی بند کر دیا جانا، جب کہ دوسرا طرف یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شہادت سے قبل انہوں نے غسل فرمایا۔ نورہ (چونا) استعمال کیا۔ اور شہادت کے لیے تیار ہوئے، اب کتنی عجیب بات ہے کہ ایک طرف پینے کے لیے ایک گھونٹ پانی میسر نہیں تو دوسرا طرف غسل کے لیے پانی کہاں سے آگیا؟ بیشک سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کا مقام بہت بلند اور عظیم ہے۔ لیکن اس کو اتنا بڑھا چڑھا کے پیش کرنا کہ بعض جگہ پر نبی سے بھی ان کو اونچا لے جانا میرے خیال میں یہ خود حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کی توهین کے مترادف ہے۔

امام کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ»

”لوگوں کو ان کے مقام پر رکھو۔“<sup>①</sup>

جس کا مطلب ظاہر ہے۔ نبی کا مقام نبی کو دو، صحابی کا مقام صحابی کو دو، اہل بیت کا مقام اہل بیت کو دو۔ نہ نبی کو اتنا بڑھا کہ خدا کے برابر کر دکھاؤ۔ نہ صحابہ و اہلیت صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کو اتنا بڑھا کہ ان کے مقام کے سامنے نبوت بھی یعنی دکھائی دے۔

<sup>①</sup> سنن أبي داود: 4842، استناد ضعیف.

یہ توحیدیث رسول ﷺ کی بھی مخالفت ہے۔

جناب محترم ادريس فاروقی حفظہ اللہ علیہ نے یہی شاندار کاوش کی ہے۔ یہ پہلے تقریباً اڑھائی سو صفحات کی کتاب تھی، اب محترم موصوف نے جو ضروری باتیں رہ گئی تھیں انھیں بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ اور یہ اضافہ یونہی نہیں ہے بلکہ مفید اور با مقصد ہے۔ اس سے کتاب کی علمی و تاریخی حیثیت بڑھ گئی ہے۔ موصوف کا یہ تخلیقی شاہکار ہے جو آپ نے رہا اعتدال اختیار کرتے ہوئے قوم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ اور یہ اعتدال قائم رکھنا ہی مشکل کام ہے۔ پیشک ایسی کتب کی فی زمانہ بہت ضرورت ہے جس سے عظمت صحابہ و شان اہل بیت ﷺ کے پرچم سرگوں نہ ہونے پائے۔ اور بتایا ہے کہ حدیث اور تاریخ سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا جو صحیح مقام بیان ہوا ہے، جس میں نہ اتنی مبالغہ آرائی کی جائے کہ ان کی محبت کی آڑ میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہا جائے اور نہ ان کو اتنا مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان کی طرف کچھ ایسی غیر حقیقی باتوں کو بھی منسوب کر دیا جائے جو ان کی شایان شان نہیں۔ مصنف کا خیال ہے اور بہت عمدہ خیال ہے کہ ہر قسم کی افراط و تفریط (کی بیشی) سے بچ کر مستند اور مدل بات عوام کے سامنے پیش کی جائے کہ جس سے حقیقت کا کچھ اندازہ ہو جھوٹ اور غلط بیانی کے بادل چھپت جائیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے صرف یہی کچھ نہیں ملے گا بلکہ اور بھی بہت کچھ ملے گا۔ یقیناً ”سیرت حسین رضی اللہ عنہ مع سانحہ کربلا“ اپنے موضوع پر منفرد اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ حضرت فاروقی صاحب حفظہ اللہ علیہ کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اور اسے ان کی دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ بنائے، آمین۔ اہل اسلام کا خواہ مخواہ آپس میں جھگڑنا اچھا نہیں۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کچی باتوں کو پڑھ کر حقائق سے آگاہ ہو کر سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

تقریظ ۴

**مورخ و سوانح نگار و ادیب شہیر احمد کامران صاحب، دارالسلام لاہور**

جناب امیر معاویہ رض نے شام کے ایک عیسائی قبیلے (Jacobite christian) کی ایک دو شیزہ میسون سے شادی کر لی۔ اس شادی سے جناب امیر رض کا مقصد یہ تھا کہ مقامی باشندوں کی حمایت میسر آئے تاکہ اس دور افتدادہ خطے میں مسلمانوں کی حکومت مضبوط بنیاد پر قائم ہو جائے۔ اس مقصد میں جناب امیر رض خاطر خواہ طور پر کامیاب رہے۔ لیکن اس کے پہلو بہ پہلو ایک خرابی بھی پیدا ہو گئی۔ وہ یہ کہ ہر چند یزیدی کی والدہ مسلمان ہو گئی تھی لیکن اس کی نسخیال کے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام نہ ہو سکے۔ اس طرح یزید بیک وقت دو تہذیبوں کی آغوش میں پروان چڑھا۔ وہ اپنے والد گرامی کی خدمت میں ہوتا تو اسلام کی عظیم روایات اور عربی تہذیب کا بالکلین دیکھتا تھا اور والدہ کے ساتھ مدشیق سے باہر شام کے سرحدی علاقے میں ناما، نانی کی جا گیر پر جاتا تھا تو وہاں اسے عیسائی تہذیب و ثقافت کے مظاہر نظر آتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یزید کی طبیعت نے بیک وقت دونوں تہذیبوں کے اثرات قبول کیے۔

رہے امام حسین رض تو ان کے مقام و منازل کے بارے میں اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

دُنیا میں اور کون ہے شبیر کے سوا؟ (بِسْتَوْ)

ایسا سوار جس کی سواری رسول ہے (سَلَّمَ)

حضرت امام حسین (ع) نے سردار دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر سواری کی تھی۔ ان کی مقدس آغوش میں ہوش سنجالا تھا۔ بانوئے محترم سیدہ فاطمہ (ع) جیسی بے مثل ماں اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جیسے باب العلم سے قرآن و سنت، ایمان و یقین، علم و نظر، تقویٰ و طہارت، جرأۃ و بسالت، ندرت و نفاست اور اعلیٰ شرافتوں کا سبق سیکھا تھا۔ وہ اہل بیت ﷺ کے چاند نہ تھے، صحابہ کرام ﷺ کی آنکھوں کی خنثک بھی تھے۔ خاص طور پر حضرت ابو بکر صدیق (رض) اور حضرت عمر (رض) تو اہل بیت ﷺ کے دونوں شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (ع) سے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر محبت کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر (رض) ان شہزادوں کو دیکھتے تھے تو فوراً گلے سے لگا لیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا مشاہدت رکھتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا جمال بے مثال نظروں میں پھر جاتا ہے۔ حضرت حسن (ع) اور حضرت حسین (ع) کے لیے حضرت عمر (رض) کی محبت اور وارثت کا عجیب عالم تھا۔ آپ ہی کا دور خلافت تھا۔ حاکم یمن نے بہت سی عمدہ پوشائیں بھیجیں۔ فاروق اعظم (رض) نے عام مسلمانوں میں تقسیم فرمادیں۔ پھر اچاک حسن (ع) اور حسین (ع) پر نظر پڑی۔ کاشانہ نبوت کے یہ دونوں شہزادے معمولی سالباس پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق (رض) بے قرار ہو گئے۔ فوراً حاکم یمن کو لکھا کہ نہایت شاندار دو جوڑے اور بھیجو۔ یہ جوڑے آئے اور جناب حسن و حسین (ع) پہنے۔ تب جا کر حضرت عمر (رض) کو چین نصیب ہوا۔ ان حوالوں سے شبیر و زید کی شخصیتوں طبیعتوں اور مرتبہ و منزلت میں جو فرق اور فاصلہ

نظر آتا ہے، وہ ایسی ظاہر و باہر حقیقت ہے جسے تاریخ کی گونج ہمیشہ نمایاں کرتی رہے گی۔

سانحہ کربلا سے پہلے ماضی کے خیابان میں کچھ دور پلٹ جائیے اور صورتحال کا نقشہ دیکھیے تو کئی حقائق بڑی وضاحت سے سامنے آتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام اپنے عہد کے بڑے سکالر، انہتائی ذہین و فطیم و انشور اور بے مثل خطیب تھے۔ ان کا دینی اور سیاسی اعتقاد یہ تھا کہ مملکت کا اصل مالک اللہ رب العزت ہے۔ اس لیے مملکت پر صرف اسی مردِ مجاهد کی حکومت ہوئی چاہیے جس پر امت مسلمہ اظہار اعتماد کرے، جو سرکاری خزانے کا امین ہو اور اس میں ذاتی تصرف نہ کرے۔ جناب امیر معاویہ علیہ السلام کے زمانے تک اسلام کے اساسی جو ہر محفوظ تھے۔ اس لیے اپنے برادرِ معظم امام حسن علیہ السلام کی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی جناب امیر معاویہ علیہ السلام کی خلافت تسلیم کر لی۔ انہوں نے ان کی فرمائزوائی کے خلاف کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ حتیٰ کہ جب امام حسن علیہ السلام وفات پا گئے تو کوئیوں نے سیدنا امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ امیر معاویہ علیہ السلام کا معاهدہ بیعت حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ تھا، آپ کے ساتھ نہیں تھا۔ اس لیے آپ امیر معاویہ علیہ السلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیجئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ مشورہ دینے والوں کو حقارت سے جھپڑک دیا اور جناب امیر معاویہ علیہ السلام کی حکومت کی بدستور اطاعت کرتے رہے۔ لیکن جب وقت کا دھارا بدلا اور خلفائے راشدین علیہم السلام کے شورائی طریق انتخاب کے بر عکس بیزید کی نامزدگی عمل میں آئی اور پھر اس کی بیعت کا مطالبہ سامنے آیا تو سیدنا امام حسین علیہ السلام اس سے متفق نہ ہو سکے۔ انہوں نے اس بیعت سے صاف انکار کر دیا۔ اس باب میں امام محترم علیہ السلام کے خطبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیزید کی نامزدگی کو اسلام کے سیاسی نظام میں بگاڑ کا موجب بھتھتے تھے۔ وہ یہ

محسوس فرماتے تھے کہ اس نامزدگی سے خلافت کی جگہ عجمی اور موروٹی شہنشاہیت میں نظام حکومت کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ ان کی رائے بے بنیاد نہیں تھی۔ اور انھیں اپنی رائے کے اظہار و اعلان کا حق بہر حال حاصل تھا۔

کفار کی جارحیت سے مقابلہ آپ پرے تو مسلمانوں کو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور دندان شکن جواب دینا چاہیے۔ لیکن جب خود مسلمانوں ہی کی حکومت میں کوئی بگاڑ رہا پانے لگے تو اس صورت میں ایک مردِ مومن کا کیا رول ہونا چاہیے؟ اس سوال کا جواب امام حسین علیہ السلام نے اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار، بکھری ہوئی زرہ، اپنے اور اہل بیت علیہما السلام کے بہتے ہوئے خون اور پر جلال چہروں سے دیا۔ یوں انہوں نے ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ انسان کا اصل فرض صرف اللہ رب العزت کی بندگی اور اقدار عظیمه کی حفاظت و اشاعت کرنا ہے۔ اگر کوئی مسلمان حکمران دینی نظام زندگی کے کسی بھی شعبے میں انحراف و اختلال کی ڈگر پر چل پڑے تو چپ چاپ نہیں بیٹھنا چاہیے، اصلاح احوال کے لیے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ چاہے اس کوشش میں جان چلی جائے۔ چنانچہ وہ آخر دم تک یزید کی بیعت سے انکار کرتے رہے۔ جب کربلا میں کوئی دشای جدال و قتال کے درپے ہوئے تو امام الشہداء نے آخر دم تک خوزیری سے بچنے کی پوری کوشش کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں واپس کلمہ عکرمه جانے کو تیار ہوں۔ مجھے جانے دو۔ کوئی نہ مانے تو آپ علیہ السلام نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ مجھے سرحد پر جانے دو تاکہ میں کفار سے جہاد کروں۔ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی تو آپ علیہ السلام نے تیسرا تجویز پیش فرمای کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ میں اس سے خود بات کروں گا۔ سید الشہداء کی یہ تینوں تجاویز کتنی مہذب، کس قدر مبنی اصول، کتنی معقول اور بے ضرر تھیں۔ ان تجاویز سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت الحسن علیہ السلام کوئی دشای سے لڑائی کے ہرگز خواہش مند

نہیں تھے۔ پھر وہ کوئی سفاک خواہش تھی جس کی تسلیم کے لیے کوئی سپاہ کی تواریخ اہل بیت کے سروں پر چکنے لگیں؟

۔ کمریں کے ہوئے تھا زمانہ جدال پر  
کیا وقت پڑ گیا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لال پر!

کیا یہ خون آشام فضایہ بتانے کے لیے کافی نہیں کہ جاہ و حشمت اور دولت و حکومت کے متوا لے کوئی باشیئی، شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار تھے۔ وہ یزید کی نظر میں اپنا قد بڑھانے کے لیے امام حسین (علیہ السلام) سے بیعت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ان باشیئوں کو اہل بیت کے سر بلند سردار کی سر بلندی گوارانہ تھی۔ پس ان یونوں کی تواریخ بے نیام ہوئیں اور دیکھتی آنکھوں سادات کے خون سے رنگیں ہو گئیں۔ اس مقدس خون کی ہر بوند نے عرب و عجم کے ان تمام جری انسانوں کو جو حق و باطل کی لامتناہی جگہ میں مصروف ہیں یہ دامی سبق سکھایا کہ اعلیٰ مقاصد اور اقدر جلیلہ کی علمبرداری کے لیے ہمیشہ اور ہر حال میں پوری ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا چاہیے، چاہے اس کے لیے کتنی ہی بڑی قیمت دینی پڑے۔

۔ اے خاک کربلا! اس احسان کو نہ بھول  
ترپی ہے تجھ پر لاش جگر گوشہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)  
سدات کے لہو سے تری پیاس بجھ گئی  
سیراب کر گیا تجھے خون رگ بتوں (یعنی)

یہ جگر پاش سانحہ 61 ہجری سے آج تک مسلسل آنسوؤں کی برسات میں پڑھا جا رہا ہے اور جب تک زمانہ گردش میں رہے گا خلیفہ مظلوم سیدنا عثمان (علیہ السلام) کے خون ناحق کی طرح سانحہ کر بلہ بھی ہماری آنکھوں سے آنسو چھینتا رہے گا۔ اس سانحے کے

جو امام انگلیز اور تباہ کن نتائج نکلے، وہ بہت سی کتابوں میں چھپ چکے ہیں۔ اس سانحہ کا ایک انتہائی روح فرسا نتیجہ یہ تکلا کہ امت مسلمہ کی وحدت میں دراثیں پڑ گئیں۔ دین حنفی کی رو سے سب مسلمان ایک دوسرے کے جان ثمار بھائی ہیں اور انھیں باہم اخوت و محبت ہی سے رہنا چاہیے، سانحہ کر بلانے اس وحدت و اخوت کو ماؤف کر کے انھیں فرقہ واریت کے ناپاک اور ہلاکت بار سانچوں میں ڈھال دیا۔ یوں امت مسلمہ تاریخ کے جر کا شکار ہو کر شیعہ، سنی کے خانوں میں بٹ گئی۔ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ تشقیق کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی جب حضرت علی کرم اللہ وحیہ کا تکرار اور حضرت عائشہؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور خارجیوں سے ہوا۔ اس زمانے میں اہل بیت ﷺ کے لیے کوئی مخصوص امتیازی لقب اختیار نہیں کیا گیا تھا۔ اس وقت تک امت مسلمہ کا یہ عظمت مآب طبقہ ”بنو ہاشم“ ہی کہلاتا تھا۔ اور اس کا سب سے بڑا شرف و مجد یہی تھا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا پاک بیان گھرانہ ہے۔ یہی حال بنی امیہ کا تھا۔ انھوں نے بھی اپنے لیے کوئی مخصوص تعظیمی لقب رائج نہیں کیا۔ عام مسلمان انھیں محض ”اموی“ کہتے تھے۔ اس وقت تک اہل سنت والجماعت کا بھی کوئی نام بطور نائبل سننے میں نہیں آیا تھا، سب اپنے آپ کو صرف مسلمان کہتے تھے۔ اللہ رب العزت کو وحدۃ لا شریک مانتے تھے۔ قرآن کو حرفی آخر گردانتے تھے۔ رحمت عالم ﷺ کی سنتوں پر عمل کے زیادہ سے زیادہ متنبی رہتے تھے اور خود کو خیر الامم کہلو کر خوشی سے پھولے نہ ساتے تھے۔ کربلا کے امام انگلیز سانحہ کے بعد یہ صورت حال بدلتی گئی۔ سانحہ کربلا کے نتائج کو عام علمی دنیا کس نقطہ نظر سے دیکھتی ہے؟ اس بارے میں مشہور مؤرخ پروفیسر قلب کے ہٹی کی تحریر پڑھیئے۔ اس نے سانحہ کربلا تفصیل سے لکھا ہے اور آخر میں یہ دیوار کس دیے ہیں:

The blood of Husayn, even more than that of his father, proved to be the seed of the shi, ite' church shi ism was born on the tenth of Muharram.....Hiatory of the Arabs p.191.

”یعنی حضرت امام حسین کی شہادت ان کے والد گرامی سیدنا علی کرام اللہ وجہہ کی شہادت سے کہیں زیادہ الٰم انگیز اور روا فض خیز ثابت ہوئی۔ اور خون رگ تبول پڑھنا سے اسلام میں شیعہ مکتب فکر کی بنیا پڑ گئی۔ تشیع کا آغاز فی الحقیقت ۱۰ محرم ہی سے ہوا۔“.....

رسول اللہ ﷺ نے مُثُلَّ کی ممانعت فرمائی تھی۔ اس مقدس تعلیم و تاکید کی سر عام خلاف ورزی کی گئی۔ سید السادات سمیت شہدائے کربلا کے سر قلم کر کے دمشق بھیج دیے گئے۔ افسوس! نیزوں میں پروئی ہوئی مقدس گردنوں سے خون کی پُکتی ہوئی بوندیں دیکھ کر بھی کسی نے صدائے احتجاج بلند نہیں کی۔ کوفہ کے ایوانوں اور دمشق کے محلات میں سننا چھا گیا۔ کوئی تنفس ایسا نہ تھا جو فرمانروائے وقت سے اتنا ہی پوچھ لیتا کہ کیا کربلا کے ریگزار میں حسین اور ان کے جلیل القدر خانوادے کا بہتا ہوا خون بھی تمہاری انانتیت کی پیاس بخانے کے لیے ناکافی تھا؟ تم نے یزید کے لیے بیعت طلب کی۔ حسین ؓ نے انکار کر دیا۔ تم نے انھیں مار ڈالا۔ قصہ ختم۔ تم حسین ؓ اور ان کے پیاروں کی تڑپتی ہوئی لاشوں سے ان کی زندگی کی آخری رمق چھیننے کے بعد بھی شاد کام نہیں ہوئے۔ آخر تم کیا چاہتے تھے؟ تھیں یہ حق کس نے دیا کہ تم مقدس مظلوموں کی لاشوں کے سرکاش ڈالو۔ اور زمانہ جاہلیت کی وہ مذموم رسم پھر جاری کر دو جس کا اللہ کے آخری رسول اور حسین کے بے مثل نانا ﷺ نے سد باب کر دیا تھا؟..... اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جسد ملت پر اس سفا کی اور شقی القی کی ضرب کس طور پر، کیسے کیسے پیرائے میں، کس وقت تک کہاں، کہاں پڑتی

۴۔ تقریظ

۳۱

رہے گی؟

راقم الحروف نے سیدنا امام حسین علیہ السلام کی سیرت اور سانحہ کربلا کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اس سے طبیعت مطمئن نہیں ہوئی۔ ہمیشہ یہی محسوس ہوا جیسے موئیخین کہیں نہ کہیں تاریخ کے بے لپک معیار و مقیاس سے دور ہٹ گئے ہیں اور افراط و تفریط سے کام لے رہے ہیں۔ اس باب میں راقم بھارت کے مرحوم صدر ڈاکٹر ڈاکٹر حسین علیہ السلام کے ایک بصیرت افروز مقالے سے مبتدا ہوا۔ مرحوم نے کسی کی مدح و ذم کا قصہ ہی نہیں چھیڑا۔ انہوں نے اپنے حرف شیریں ترجمان کے ذریعے سادہ، متوازن اور نہایت ول گداز اسلوب میں صرف سانحہ کربلا کا نتیجہ اور ضمناً لا الہ الا اللہ کی ایمان افروز حقیقت بیان کی اور علامہ اقبال علیہ السلام کے اس شعر کی بے مثل تشریع کر دی ہے۔

### نقش الا اللہ برحرا نوش سطر عنوان نجات ما نوش!

مولانا محمد ادريس فاروقی علیہ السلام ایک موقع پر سوہنہ سے اپنے عالم باعمل صاحزادے مولانا حافظ محمد نعمان فاروقی علیہ السلام سے ملنے لا ہو تشریف لائے تو ”سیرت حسین علیہ السلام“ سانحہ کربلا“ کے زیر عنوان اپنی تالیف کا مسودہ بھی ساتھ لائے۔ مجھے اس کتاب کا مسودہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پہلا باب، دوسرا باب، تیسرا باب، میں اسی طرح بتدریج پڑھتا اور آگے بڑھتا گیا۔ ہر باب گزشتہ باب سے بڑھ کر آگئی بخش نکلا۔ یوں محترم فاروقی صاحب علیہ السلام اپنے رشحات قلم کے ذریعے ماضی کے آئینے دکھاتے رہے..... انہوں نے کتنے قدیم حقائق کس خوبی سے جدید پیکر دیے رہے ہیں میں پیش کیے ہیں اور کتنی بڑی شخصیت اور کتنے نازک موضوع پر کیسی بے لگ علمی و ستاویز مرتب کر دی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں تاریخ کے

نشیب و فراز کے مطالعے کے بعد بڑی احتیاط سے سیرت حسین کے پھول چنے ہیں۔ اس سلسلے میں جناب امیر معاویہ رض اور یزید کا تذکرہ ناگزیر تھا، محترم فاروقی صاحب رض اس مرحلے سے جس اعتدال سے گزرے، وہ ان کی فکری سلامتی کی بڑی مستند پہچان ہے۔ انہوں نے تاریخی دلائل کی روشنی میں سانحہ کربلا اس طرح بیان کیا کہ ایک طرف اس سانحہ کی الہامگیزی ہلاکر رکھ دیتی ہے تو دوسری طرف ان کی تحریر کے کندھ پر غلوکا کوئی بوجھ نظر نہیں آتا۔ یوں لگتا ہے جیسے محترم مؤلف کی مقاطنگا ہیں کی طرح کام کرتی ہیں۔ انہوں نے آثار صحابہ رض اور تاریخ کے بے شمار اوراق کھنگائے ہیں، اس دوران وہ ہر اہم موڑ پر رکے ہیں۔ واقعات و حالات کا جائزہ لیا ہے، ہر معاملے کی جانش پر کھکھ کی ہے اور جو واقعہ جس شکل میں نظر آیا ہے اسے اسی صورت میں اس کتاب کے اور اق پر پھیلا دیا ہے۔ انہوں نے کسی کی مدحت یا ندمت سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ کسی قسم کی کوئی رنگ آمیزی نہیں کی۔ کہیں کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ وہ مَنْ قَالَ (کس نے کہا) سے زیادہ مَأْقِيلَ (کیا کہا گیا) کے قائل ہیں۔ انہوں نے حقائق کے چہرے پر جذبات کے چھیننے نہیں پڑنے دیے۔ انہوں نے ان صحابہ کرام رض کا موقف بڑی صراحة سے بیان کیا ہے جو نظام حکومت میں بڑھتے ہوئے عجمی اثر و رسوخ کی روک تھام، امت مسلمہ کے اتحاد اور یک جہتی کی خاطر یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے۔ ان کی حریت فکر، وسعت نظر، عالی ظرفی اور بے تعصی کا یہ عالم ہے کہ بریلوی مکتبہ فکر کے کسی بزرگ نے بھی کوئی حق بات کہہ وی ہے تو انہوں نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے اور ان کے موقف کا اندرج کر کے الترام سے اس کا حوالہ دیا ہے۔

جناب فاروقی صاحب نے محدثین کرام رض کے ارشادات اور شریف مؤرخین کی کتابوں کے حوالے بڑی کثرت سے دیے ہیں اور یزید کے بارے میں اس کے

۴۔ تقریظ

33

ناقدوں اور مدداؤں کے تاثرات بے کم و کاست بیان کر دیے ہیں۔ یوں انہوں نے قارئین کرام کو..... تو ”خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجلہ“..... کا موقع فراہم کیا ہے۔

جناب امیر معاویہ رض نے جن توقعات اور اسباب و مصالح کے پیش نظر یزید کو اپنا جائشیں بنا لیا تھا، محترم فاروقی صاحب نے ان کا تجزیہ بڑی محنت اور جرأت سے کیا ہے۔ اور جو حضرات جناب امیر معاویہ رض سے کدر کھتے ہیں انھیں دلیل اور درد مندی سے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ بالفرض جناب امیر رض سے کوئی اجتہادی بھول چوک ہو بھی گئی ہو تب بھی انھیں نقد و نظر کی سان پر رکھنا ہرگز مناسب نہیں۔ اس لیے کہ

ع..... خطائے بزرگاں گرفتن خطاست!

”بزرگوں کی غلطیاں پکڑنا بجائے خود ایک غلطی ہے۔“

ربب 60 بھرجی میں جناب امیر معاویہ رض یمار ہو کر پابند بستر ہو گئے۔ اس سے آپ نے یزید کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو اسے یہ وصیت فرمائی:

”اے یزید! ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا، خلافت کا معاملہ تمہارے پرداز ہوا، اب تم ان تمام معاملات پر با اختیار ہو جن پر میں تھا..... لوگوں سے نرم برداشت کرنا، ان کی طرف سے تمہارے لیے تکلیف دہ اور ہنک آمیز باقی سرزد ہوں گی۔ مگر تم چشم پوشی کرنا..... خبردار! بزرگوں اور نیک لوگوں کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کے ساتھ کبھی تو ہیں یا نکبر سے پیش نہ آنا..... جب کسی کام کا ارادہ کرو، تو نیک، پرہیز گار، عمر رسیدہ اور آزمودہ کار لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنا..... ہر وقت مستعد رہنا، اپنے لشکر کی حفاظت رکھنا، نیز اپنے آپ کی اصلاح کرتے رہنا..... اپنے بارے میں لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع نہ دینا، کیونکہ عام

لوگ عیب جوئی میں جلد باز ہوتے ہیں..... نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا..... یاد رکھو! اہل مکہ و مدینہ کے عزو شرف پر کبھی آنچ نہ آنے پائے..... مختلف علاقوں سے آنے والے وفود سے اچھا برتاؤ کرنا..... بدخواہوں اور چغل خوروں کو چندال اہمیت نہ دینا۔<sup>①</sup>

ظاہر یہ ایک بیٹے کو ایک جلیل القدر باپ کی وصیت ہے۔ مگر دیکھیے کہ ان سیدھے سادھے مسخر کر لینے والے دانش آموز جملوں میں ایک بڑے انسان کا پائیزہ باطن کس طرح جگہ گاربا ہے۔ یہ وصیت عمل میں آجائی تو انتشار و افتراق اور درد و درماندگی کے مجموعے کی بجائے آج ہماری تاریخ کتنی شاندار ہوتی۔

محترم فاروقی صاحب رض، جس معروف اور سکرム علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے وہ عرصہ دراز سے غیر منقطع طور پر اہم دینی اور علمی خدمات انجام دیتا آرہا ہے۔ محترم فاروقی صاحب نے اپنے علم اور اپنی اجلی سیرت سے اپنے بزرگوں کا نام روشن کیا ہے۔ اور اپنے علمی کارناموں سے اپنے آبائے کرام کے دینی اور علمی امثالوں میں بیش قیمت اضافہ فرمایا ہے۔ اس طرح انہوں نے نئی نسلوں کو ماضی کی اقدار اور روایات سونپ کر انھیں گزشتہ سے پیوستہ کرنے کی سعی جیل کی ہے۔ یہ بجائے خود ایک بڑا کارنامہ ہے جو اچھی سیرت سازی کے لیے نامعلوم مدت تک بڑے مبارک و ملیے کا کام دے گا۔

آج کل کے نوجوان سائنس کرنٹ نئے اکتشافات اور میکانیکالوجی کے کمالات کی زد میں آ کر ہکابکا ہو گئے ہیں۔ وہ دینی علوم سے بے گانہ ہیں۔ اپنی تاریخ سے نابدد ہیں۔ انھیں اس حقیقت کا احساس ہی نہیں کہ آبرو اور آسودگی کی زندگی اغراض سے نہیں اعلیٰ اقدار سے نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے عزیز نوجوانوں کو یہ کتاب ضرور پڑھنی

۴۔ تقریظ

۳۵

چاہیے۔ سیرت حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت و رفعت دیکھ کر انھیں معلوم ہو گا کہ اسلامی تعلیمات نے کیسے کیسے نادر اور بہادر انسان پیدا کیے ہیں۔ جنہوں نے صرف اللہ کے بھروسے پر اپنے بے سرو سامان ارادوں سے تاریخ کے دھارے بدلتے۔ ان شاء اللہ اس کتاب کے مطالعے سے انھیں فکری طہارت نصیب ہو گی، خیابانِ اسلام کی مہک میسر آئے گی۔ ان کا ایمان مضبوط ہو گا اور ان کے رویوں میں خوش آئند تبدیلی آئے گی..... فی الجملہ یہ کتاب تمام مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کو یہی دعوت دیتی ہے۔

سفالی پاک سے بینا و جام پیدا کر  
نئے زمانے، نئے صبح و شام پیدا کر  
احمد کامران

یکیے ازم خدام دار السلام، لا ہور


تقریظ
5


مورخ و سوانح نگار کامران اعظم سوہنروی ڈبل ایم اے۔ مؤلف کتب کثیرہ

علامہ محمد ادريس فاروقی جلیل اللہ عنہ جن کا تعلق عالم شہیر خطیب بے بد حضرت مولانا عبدالجید سوہنروی رحمۃ اللہ علیہ کے معزز علوی خانوادے سے ہے، علمی انتبار سے اپنے آباء کی میں روشن پر ہیں۔ موصوف کا تفصیلی تذکرہ میں نے اپنی تالیف ”تاریخ سوہنروہ“ میں کیا ہوا ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک طویل حصہ دینی تبلیغ اور قرآن و سنت کی نشر و اشاعت میں گزارا ہے۔ اس سلسلہ میں تحریر انجھوں نے اسلامی مجلاتی صحافت اور تصنیفی شعبہ اختیار کیا ہے۔ صحافتی میدان میں ”ضیائے حدیث“ ان کے تبلیغی نجح کا آرگن ہے۔ جبکہ میدان تصنیف و تالیف میں انجھوں نے اپنے ادارہ مسلم پبلی کیشنز کی بنیاد رکھی ہے۔ جو ان کے دادا کے ادارے ”مسلمان کمپنی“ کا ہی تسلسل ہے۔ مسلم پبلی کیشنز کے تحت محترم موصوف کی اپنی کتب کے علاوہ دیگر مصنفوں بالخصوص ان کے دادا جان حضرۃ العلام مولانا عبدالجید خادم سوہنروی کی تصانیف شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اب تک موصوف اسلامی و طبعی کوئی چالیس کتب شائع کر کے اپنے آبا اجداد کی گرفتار خدمات اور ان کے اسلامی و طبعی اداروں کا تحفظ کر رکھے ہیں۔ اور سارا کام آپ نے کسی دوسرے کے سہارے بغیر اللہ کے سہارے پر خود ہی انجام دیا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ دعا ہے اللہ کریم آپ کو اور ہمت عطا فرمائے۔ تاکہ آپ یہ کام

اور وسیع پیانے پر سرانجام دے کر دینی و قومی خدمت بجا لاسکیں۔

”سیرت حسینؑ“ مسلم چلی کیشنز سوہرہ نے فروری 1989ء میں پہلی بار طبع کی، اس میں مولانا موصوف نے عالی مقام حضرت امام حسینؑ کی حیات طیبہ کے روشن اور تابندہ پہلوؤں کو بہت خوبصورتی کے ساتھ طشت از بام کیا۔ ان کی زندگی کے ہر گوشے پر جہاں انہوں نے روشنی ڈالی، وہاں اس میں واقعہ کربلا کو بھی تاریخی حوالہ جات کے ساتھ شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ یہ باقی اس طرح کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتیں۔ اور موجودہ ناگزیر علمی اور تاریخی اضافے نے اس کتاب میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس کتاب کے بغیر کسی لاہوری اور عالم و ملٹن دین کے لیے بہت بڑا خلا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔

میرے استاد المکرم علامہ اور لیس فاروقی نے بہت سی ایسی روایات کو آشکار کیا ہے جو پردہ اخفا میں تھیں یا ان کا مفہوم اور ہے مگر اور لیا جاتا ہے۔ اور اس سے بڑے بڑے مسئلے حل اور عقدے وا ہو جاتے ہیں۔ قارئین کو وہ مقامات دوران مطالعہ خود معلوم ہو جائیں گے اور بڑا لطف آئے گا۔ عامۃ الناس کو کئی موضوع روایات کے شہر کی وجہ سے ان حلقائی سے اختلاف تو ضرور ہو سکتا ہے مگر تاریخی ثقہ روایات سے انکار بھی ممکن نہیں۔

1997ء میں بندہ چکوال بغرض ملازمت (OGDCL) تعینات تھا۔ وہاں ڈھڈیاں اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ وہاں ایک لاہوری سے کتب بغرض مطالعہ لے جا کر مطالعہ کرتا۔ وہاں سب سے پہلے حضرۃ العلام فاروقی صاحبؑ کی اس کتاب کو دیکھا اور پڑھا، نہایت پُرمغز، اور دچپ پیرائے میں لکھا پایا۔ بھی اس کتاب میں خاصہ اضافہ کیا گیا ہے جو یقیناً وقت کی اہم ضرورت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں علمائے الہادیت میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہو گی۔ جو اپنے مواد، اثر انگیزی، جدت، ندرت خیال اور فکری عمدگی اور ٹھوس مواد کے اعتبار سے، جامع اور

مکمل سوانح کا بہترین پہلا نمونہ ہے جو واقعات تاریخ کربلا کو اپنے اندر شیعہ سنی ٹھوس اور کثیر حوالہ جات کے ساتھ سموئے ہوئے ہے۔ ما شاء اللہ ولا قوۃ إلا باللہ۔ علامہ محمد ادريس فاروقی طلبہ نے امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ جس سے اس بات کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ اہل سنت کے فقہی گروہوں اور اہل تشیع کے علاوہ اہل حدیث بھی ان کی عقیدت کا اظہار بڑے والہانہ طریقے سے کرتے ہیں اور ایسے انداز میں کرتے ہیں کہ جو حقائق و صداقت پرمی ہے اور جو کتاب و سنت سے ثابت اور اس کے مطابق ہے۔ پھر واقعہ گربلا میں بھی جس انداز کو اپنایا ہے اس میں بھی امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو خوش اسلوبی اور اثر و تاثیر میں ڈوبے ہوئے قلم کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔

کتاب میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہونے والے ظلم کو حوالہ جات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو نہایت معتبر روایات کے سانچے میں اتارا ہے کہ اختلافات کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت یا واقعہ کربلا کے بارے میں عموماً ممالک اسلام میں دونظریات پائے جاتے ہیں، ایک یزیدیہ کے خالف ہیں اور دوسرا یزید کو اس واقعہ سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔

یزید سے متعلقہ یہ اختلاف فریقین کے اپنے اپنے دلائل سے آراستہ ہے۔ مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ وہ اعتدال کا راستہ ہے۔ حضرت علامہ محمد ادريس فاروقی صاحب نے اسی اعتدال کے راستے کو اختیار کیا ہے۔ اور جہاں یزید کو صحابی کے بیٹے اور مسلمان ہونے کی نسبت سے شہادت حسین علیہ السلام سے بری قرار دیا ہے وہاں اس کی بعض غلط روشنوں کا بھی بردا اظہار کر دیا ہے۔ اور شہادت حسین علیہ السلام کے واقعہ کو بعض غلط فہمیوں اور کوفیوں کی منافقانہ روشن کا حاصل قرار دیا ہے۔

یزید کے بارے میں حضرت مولانا محمد ادريس فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

”بیزید کے بارے میں یہ جو عوام کی زبان پر فاسق و فاجر کے لفاظ ہیں یہ الفاظ حضرت حسین بن علی نے بھی باوجود بیزید سے اختلاف رکھنے کے استعمال نہ کیے۔“<sup>①</sup> دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”بیزید حضرت حسین بن علی کا احترام بجالاتا تھا۔ ان کی عظمت کا معرف تھا اور ان کی اہمیت کو جانتا تھا۔“<sup>②</sup> کتاب میں واقعہ کربلا کا اصل مجرم ابن زیاد کو قرار دیا گیا ہے۔ جس نے فریب کاری کے ذریعہ جگہ جیسے حالات پیدا کر دیے۔ دوسری طرف اہل کوفہ کی غداری بھی اس سانحہ کا سبب بنتی۔<sup>③</sup>

علامہ محمد ادریس فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ ایسے حقوق عیاں کیے جائیں جو عوام کی نظر سے تو اوجھل ہیں مگر مبنی برحقیقت ہیں۔ جو اصل تاریخ ہیں۔ کتاب جاندار اور شاندار ہے۔ جو اللہ کے فضل و کرم سے حوالہ جات سے آ راستہ دیوارستہ ہے۔ کئی کتاب کا تیرا ایڈیشن ہے، جس کو حک و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ کئی موضوعات جو ایڈیشن اول میں نہ تھے ان کو مناسب سمجھتے ہوئے شامل کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب موضوع کے اعتبار سے باوزن و باحوالہ اور تکمیل برداشت بن جائے۔ صاحب ذوق افراد کے لیے یقیناً یہ کتاب سودمند ہو گی اور اس کا بنظر انصاف و اعتدال مطالعہ ان شاء اللہ انقلاب آفریں ثابت ہو گا۔ کتاب جب پڑھنا شروع کر دیں تو چھوڑنے کو جن نہیں چاہتا، خواہ کتنی جلدی ہو۔ باذوق انسان اس کے میسیوں صفحے پڑھ جاتا ہے۔

کامران اعظم سوہنروی

<sup>①</sup> سیرت حسین بن علی، ایڈیشن اول صفحہ: 132۔ <sup>②</sup> سیرت حسین بن علی: 140۔ <sup>③</sup> ملاحظہ ہو، سیرت حسین بن علی، صفحہ: 162۔

## تقریظ ۶

## خادم علم و ادب و نمونہ سلف ابو عمر سوہروی ایم۔ اے

اہل بیت ﷺ سے محبت میں ایمان ہے۔ تمام اہل بیت اطہار ﷺ کی زندگیاں مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اور جنہوں نے اہل بیت ﷺ میں سے صرف پائچ نفوس قدسیہ کو اہل بیت میں شامل کیا ہے وہ لوگ سراسر غلطی پر ہیں اور یہ نظریہ بھی صریحاً قرآن و سنت کے خلاف ہے اور اسی نظریے کی وجہ سے بعض مسلمان اضطراب و تذبذب کا شکار ہیں لیکن تاریخ نے اہل بیت کی اصطلاح کو بھی منسخ کر دیا جس سے مسلمانوں میں اہل بیت ﷺ کی محبت میں کئی فرقے بن گئے۔

اہل بیت اطہار ﷺ میں سیدنا حسین بن علیؑ ایسی شخصیت ہیں جن کے نام پر مسلمانوں میں تفضیلی اور غالی فرقے بن گئے جس سے مسلمان آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے اور افسوس بر صیر پاک و ہند میں یہ جھگڑے اب بھی کم و بیش جاری ہیں۔ تاریخ کی من گھڑت روایات نے سیدنا حسینؑ کی بے مثال سیرت اور واقعہ کربلا کو منسخ کر دیا ہے حالانکہ قرآن و سنت کے استشهادات اور مستند روایات کی روشنی میں واقعہ کربلا کا جائزہ لیں تو حقیقت یکساں نظر آتی ہے۔ اس لیے غیر مستند تاریخی روایات کوئی سند نہیں رکھتیں۔ تاریخ میں اسی ایک ہی واقعہ میں ڈھیروں تضادات دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ نے تو سیدنا حسینؑ کو بھی معاف نہیں کیا لیکن ایسی پاتیں

مردود و ناقابل قول ہیں کہ جن سے سیدنا حسن و حسین اور خاندان اہل بیت ﷺ اور اسی طرح صحابہ و صحابیات ﷺ کی عظمت و رفعت پر حرف آتا ہو۔

واقعہ کربلا کی آڑ میں ہرسال ماہ محرم الحرام میں جس طرح کی نتیجی شرکیہ و بدیعہ رسومات دیکھنے میں آتی ہیں ان سے تو سیرت حسین ؓ اور واقعہ کربلا میں شامل نقوص قدیسیہ کی عظمت و رفعت اور جانب پاری کسی حد تک پانچال دکھائی دیتی ہے، ہر مسلمان کے دل و دماغ کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ اور یوں لگتا ہے جیسے شہادت حسین ؓ کا مقصد محض رونا، واویلا کرنا مجالس برپا کرنا ہو۔ اردو کی کتابوں میں واقعہ کربلا جس طرح لکھا ہوا ہے یا جس انداز میں واعظین نباتے ہیں وہ سراسر غلو سے بھرا ہوتا ہے جس میں من گھڑت تاریخی روایات بکثرت شامل ہوتی ہیں۔ جس سے عقائد صالحہ کو دھچکا لگتا اور سیرت صحابہ ﷺ کو اچھا خاصاً نقصان پہنچتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جس بیچارے کو حقیقت کا صحیح علم ہی نہ ہو اور دوسرا طرف زور دار منفی پروپیگنڈہ ہوتا واقف لوگ اصل شاہراہ سے اتر کر گم را نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوں گے؟ بر صیر پاک و ہند میں یہی واقعہ بنا سنوار کر اٹیچ پر پیش کیا جاتا تھا اور اب بھی بھارت میں ہندوٹھا کروں کی سرپرستی میں ایسا ہو رہا ہے۔ برطانوی دور حکومت میں انگریز مؤمنین نے واقعہ کربلا کی آڑ میں ہونے والی رسومات کی تصاویر اور روپیں بنانے کر برطانیہ کے اخبارات میں شائع کروائیں تاکہ برطانوی لوگوں میں یہ تاثر پھیلے کہ مسلمان قوم کتنی مہذب اور شاستہ ہے جو اپنے آپ کو آپ ہی مار رہی ہے۔ ایسی باتوں کا کچھ ذکر مشہور شیعہ محقق جناب ڈاکٹر موسیٰ الموسوی صاحب نے اپنی کتاب ”اصلاح شیعہ“ میں بھی فرمایا ہے۔

تمیں سالہ خلافت راشدہ کے آخری دور کو محقق مؤمنین نے ”خلافت مفتونہ“ کا نام دیا ہے۔ فتنوں کے اس دور میں سبائیوں اور منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کو اتنا

نقسان پہنچایا جس کا خمیازہ آج پوری امت مسلمہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ واقعہ کربلا بھی اسی دور کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ فتوں کا یہ دور سیدنا عثمان غنیؑ کی خلافت کے ساتوں سال سے شروع ہوتا ہے اور سیدنا حسنؑ کی شہادت تک جاری رہتا ہے۔ شہادت عثمانؑ اور شہادت علیؑ کے واقعات کا بغور مطالعہ کریں تو بڑے حقائق سامنے آتے ہیں۔ واقعہ کربلا سے پہلے ہونے والی تین جنگیں، صفين، جمل اور نہروان انہی فتوں کے نتیجہ میں آپس میں لڑی گئیں۔

قرآن پاک میں کہیں منفصل اور کہیں مجمل قصص الانبیاء بیان کیے گئے جن میں مسلمانوں کے لیے بے شمار اسباق موجود ہیں اور ان اسباق میں ہمارے لیے عبرتیں، حکمتیں اور نصیحتیں شامل ہیں اسی طرح انبیاء ﷺ کے علاوہ صدّ یقین، شہداء اور صالحین کی پاکیزہ زندگیاں بھی گوناں گوں اسباق سے پڑھتی ہیں۔ انہی شہداء اور صالحین میں سیدنا حسینؑ کی حیات طیبہ مسلمانوں کے لیے بہت شاندار نمونہ ہے آپ کی ذات مقدسہ کے ساتھ جو سانحہ پیش آیا، اس میں تمام امت مسلمہ کے لیے ایک ایسا زبردست سبق ہے جو عبرت و حکمت اور لازواں نصیحت سے لبریز ہے، چاہیے تو یہ تھا ہمارے مسلمان بھائی اس دردناک والمناک واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کو سوارتے، اپنے دل کی کھیتیوں کو توحید و سنت کے پھولوں سے سجا تے اور اپنے ایمانوں کو نکھارتے لیکن دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ بے سروپا واقعات پر یقین کرتے ہوئے انہی محبت میں ڈوب کر شرک و بد عادات کی غلیظ دلدل میں پھنس گئے اور بے شمار جانی و ایمانی نقسانات کے باوجود مسلمان اسی دلدل میں پھنسنے ہوئے ہیں۔ انجام کا رمسلمان کئی بڑے اور ذیلی فرقوں میں بٹ گئے، اسے ہم الیہ ہی کہہ سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیرت حسینؑ کے خوبصورت اور صحیح نقوش اور واقعہ کربلا کی

اصل حقیقت کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا بہت ضروری تھا۔ لیکن اکثر قصہ گواعظین نے اس واقعہ کو مزید دھندا دیا اور اصل مقاصد کو او جھل کر دیا۔ سیدنا حسین رض کی سیرت متعدد عربی کتب میں ہے لیکن اردو میں کافی کتب شائع ہونے کے باوجود ابھی تک سیدنا حسین رض کی سیرت اور واقعہ کربلا کی حقیقت تشنہ ہی ہے۔ اس تشنہ کو بہت حد تک ہمارے محترم الشیخ الفاضل محمد ادریس فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے جادوئی قلم نے بھایا ہے۔ الشیخ فاروقی صاحب نے انتہائی محنت شاقہ اور عقریزی و شبانہ روز محنت سے سیدنا حسین رض کی سیرت کو نکھارا ہے اللہ کے فضل و کرم سے واقعہ کربلا کے اسباب و واقعات اور متنان کچھ روایات و دلائل کے آئینہ میں واضح ہو جاتے ہیں جس سے ہر قاری کا ذہن دلائل توحید و سنت اور فضائل اہل بیت و صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنا ہو جاتا ہے۔ ہم تو اس کتاب کو دیکھ کر ”ماشاء اللہ“ ہی کہتے ہیں.....

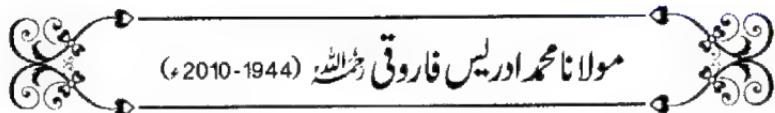
یہ کتاب سوانح نگاری کا حسین گلدستہ ہے حضرۃ الْمُحَترم فاروقی صاحب نے اپنی اس عظیم و دویع کتاب میں غیر مسلم موڑھین، مستشرقین اور ہندو شعرا کی خراج عقیدت کو بھی دلکش انداز میں زینت قرطاس بنایا ہے تاکہ دنیا جان لے کر سیدنا حضرت حسین رض کا کتنا بلند و بالا مقام ہے۔ امید ہے کہ اب کتاب کو پہلے سے زیادہ عوام و خواص میں قبول ہو گا۔ یہ کتاب مؤلف محترم نے حب حسین رض و حب اہل بیت و حب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت میں ڈوب کر لکھی ہے۔ مؤلف نے دوسروں کو بھی مطالعہ کی آزادانہ آراء دی ہیں تاکہ دوست اسے حقیقت کی آنکھ سے پڑھیں۔ اور کسی کو اس کتاب کی علمی و تاریخی حیثیت کو سمجھنے میں کوئی اعتراض یا اغذرنہ رہے۔ ان میں کئی ڈاکٹر، پروفیسر اور اسکالر ہیں۔ بہر حال اس کتاب میں جہاں اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ کیا اور ان کے پرچم کو لہرایا گیا ہے وہاں ساتھ ہی ساتھ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم کو بھی سر بلند رکھا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرة۔

۶۔ تقریظ

۴۴

بیشک کتاب کا تعلق مطالعہ سے ہے۔ ڈانواں ڈول اور گومگو میں گرفتار احباب کے لیے یہ شاہکار ایک انمول تھفہ سے کم نہیں۔ اور کتاب ہذا کو اسی طرح شائع کیا گیا ہے جس کی یہ شایان شان ہے۔ امید ہے اس کتاب کے مطالعہ سے لوگ صحابہ والیں بیت ﷺ دونوں کے بارے میں احترام کا رو یہ رکھیں گے۔ کیونکہ بیک وقت دونوں کا احترام لازمہ ایمان ہے۔





## مولانا محمد اوریس فاروقی رضاللہ (1944ء-2010ء)

مولانا محمد اوریس فاروقی بن حافظ محمد یوسف سوہنروی 1944ء میں بمقام سوہنرہ (گوجرانوالہ) پیدا ہوئے۔ آپ نے مدرسہ حمیدیہ سوہنرہ کے علاوہ دارالحدیث جہلم، جامعہ سلفیہ فضل آباد اور جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے علوم دینیہ میں یہ اسامیہ کرام یہ تھے:

حافظ محمد یوسف سوہنروی، حضرت مولانا عبدالجید سوہنروی، حافظ محمد محمد گوندوی، مولانا ابوالبرکات احمد، شیخ الحدیث حافظ عبداللہ بدھیمالوی، مولانا شریف خان (مولانا مودودی آپ کے شاگرد تھے)، مولانا محمد صادق خلیل، مولانا پیر محمد یعقوب، شیخ الحدیث مولانا عبداللہ احمد، مولانا علی محمد، شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز، شیخ الحدیث مولانا حافظ بنیامن، شیخ الحدیث مولانا محمد بھٹوی (مولانا عبدالسلام بھٹوی کے والد ہیں)، شیخ الحدیث مولانا فاروق احمد راشدی، مولانا عبدالجید برادر علامہ یوسف کلتوی، مولانا عبداللہ مظفر گڑھی، مولانا علم الدین سوہنروی، پروفیسر عبدالعزیز ایم۔ اے۔

ارباب علم و فضل میں آپ کے آئندیل مختلف مشاہیر تھے۔ اردو ادب میں ابوالکلام آزاد، مولانا مودودی، شورش کاشمیری، تفسیر میں مولانا محمد اسماعیل سلفی، حدیث میں مولانا عطاء اللہ حنفی، تقریر میں مولانا عبدالجید سوہنروی، مدرسہ میں حافظ محمد یوسف

۔ مولانا محمد ادريس فاروقی بنیاد

۴۶

سوہنروی اور حافظ محمد محدث گوندوی چوتھیں ہیں۔

آپ کے ہم عصر اور ہم جماعت دوستوں میں مولانا محمود احمد غفرن، مولانا عبدالرحمن لدھیانوی، مولانا حافظ عبداللہ شینخوپوری، علامہ احسان الہی ظہیر، قاری محمد صدیق الیاض، شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز، مولانا حفظ الرحمن لکھوی، مولانا محمد جہلمی مرحوم، مولانا محمد اکرم جبیل، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا محمود احمد میر پوری، مولانا محمد گرجاگھی، مولانا حبیب الرحمن یزدانی، مولانا عبدالسلام بھٹوی، مولانا عبدال الرحمن واصل، مولانا عبدال الرحمن راجح، مولانا حکیم سلیم اللہ اعوان، مولانا محمد بشیر آپ پارہ اسلام آباد تھے۔ آپ فاضل درس نظامی، فاضل عربی پنجاب یونیورسٹی، فاضل دورہ تدریسیہ سعودیہ، فاضل عربی بالرادیویہ قاهرہ، فاضل الطب بلوچستان کالج کونسل اور گرینججایت تھے۔ تحریر و تقریر میں طاق تھے۔ آپ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۹۱ء صوبہ بلوچستان کے عروس البلاد کونسل میں رہے۔ وہاں آپ تدریس و خطابت کے علاوہ ریڈیو پر و گریز میں قومی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ وہاں آپ کے ہزاروں شاگرد اور عقیدت مند ہیں۔ آپ نے وہاں درس قرآن کے ذریعے جگہ تو حید و سنت کا نور پھیلایا۔

آپ روئیت ہال کمیٹی اور عربی نصاب کمیٹی صوبہ بلوچستان کے رکن، مرکزوی جمیعت اہل حدیث صوبہ بلوچستان کے امیر اور مجلس تحفظ ختم نبوت صوبہ بلوچستان کے نائب امیر رہے۔ آپ میاں سیف اللہ پر اچھے صوابائی وزیر اور ملک خدا بخش مری چیف جسٹس کے گھرانوں کے انتالیق بھی رہے۔ کونسل شہر کی انجمن اسلامیہ کے تحت پلنے والے اداروں میں سب سے بڑا تعلیمی ادارہ اسلامیہ ہائی سکول تھا آپ اس کے شعبہ اردو، اسلامیات، شعبہ بزم ادب اور لائبریری کے انسپارچ تھے۔

سیرت و کردار کی پختگی، محنت و گلن، فرض شناسی، مستقل مزاجی، اخلاقی بلندی، مزاج کی نقاشت، جدت طرازی، جودت خیال، علم کے رسوخ اور خدمت ملک و ملت کے

بے تابانہ جذبے نے آپ کو ایک خاص مقام عطا کر دیا تھا۔ مذہبی، سیاسی علمی، ادبی اور حکومتی غرض ہر حلقوں میں آپ کو احترام کی رنگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ تصنیف و تالیف کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اور آپ نے کئی کتب تصنیف بھی کیں جن کا مختصر تعارف یہ ہے:

**۱ مسائل رمضان و عیدین:** اس میں رمضان اور دونوں عیدوں کے مسائل مذکور ہیں۔ کوئی میں طبع ہوئی۔

**۲ انوار حدیث:** حدیث کی اہمیت اور شان بیان کی گئی ہے۔ حدیث پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ اور آخر میں تقلید کی تردید کی گئی ہے۔ ٹھوس حقائق پر مبنی کتاب ہے۔

**۳ مقام رسالت:** کتاب ہذا میں دلائل کے ساتھ مقام رسالت آشکارا کیا ہے۔

**۴ نبی رحمت ﷺ:** یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آپ کو کائنات کے لیے نبی رحمت بنایا۔

**۵ سیرت خدیجہ الکبری ؑ:** موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب ہے۔ خواتین کے لیے تخفہ ہے۔

**۶ سیرت حسین ؑ مع سانحہ کربلا:** حضرت حسین ؑ کی سیرت کے علاوہ واقعات کربلا بھی بیان ہوئے ہیں۔ کتاب کی بروئی خوبی یہ ہے کہ مستند واقعات پر مبنی ہے۔ اور صحابہ و اہل بیت ؑ دونوں کی فضیلت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس وقت یہی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے۔

**۷ مسئلہ تقلید:** تقلید و جمود کی تردید پر قابل مطالعہ کتاب ہے۔

**۸ عفیفہ کائنات ؑ:** ام المؤمنین عائشہ صدیقہ ؓ کی سوانح عمری کا ایمان افروز مذکورہ۔ اور ان سے مردی چالیس احادیث کا ترجمہ اور تشریح۔

مولانا محمد اوریس فاروقی طلبانہ

48

اس کے علاوہ آپ کے بہت سے مسودے بھی موجود ہیں جو آہستہ آہستہ منظر پر آتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

علاوہ ازیں دعوت و تبلیغ کے لیے آپ نے 1991ء میں ضیائے حدیث کے نام سے ایک رسالے کا اجراء کیا۔ اس رسالے کو ایک منفرد مقام حاصل ہے اور اب یہ دارالسلام کے تحت شایان شان طریقے سے جاری و ساری ہے۔

مولانا محمد اوریس فاروقی طلبانہ نے مسلم پبلی کیشنز کے نام سے اشاعتی ادارے کا قیام بھی کیا اور متعدد کتب شائع بھی کیں۔

الغرض ہر لحاظ سے آپ نے دعوت و تبلیغ کا کام کیا اور بالآخر 5 جون 2010 کو دفتر ضیائے حدیث واقع دارالسلام میں اپنی کتاب ”مقام رسالت“ پر کام کرتے ہوئے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد اور آپ کے شاگردوں کو آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بنائے۔ اور آپ کی تحریر و تقریر کو زیادہ پھیلانے کی توفیق دے۔ آمین۔



## عرض ناشر

ذرا پاکستان سمیت پورے عالم اسلام کی حالت کا جائزہ مجھے؟ یہ حالت اتنی واضح اور نمایاں ہے کہ اسے ایک انداھا بھی آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔ سب سے پہلے حکمرانوں کو دیکھیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ الاماشاء اللہ یہ سب کے سب صرف طاغوتی طاقتوں کی کاسہ لیسی اور اپنے اقتدار کے قلعے مفبوط کر رہے ہیں۔ علمائے کرام کو دیکھیے تو ان کی بہت بڑی اکثریت فرقہ واریت میں الجھی ہوئی ہے۔ شریفانہ زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا احکام دیے؟ اور ہمارے رہبر اعظم حضرت محمد ﷺ نے ان احکام پر عمل کر کے صراطِ مستقیم کو کتنا روشن اور آسان بنادیا؟ یہ باقی بس خال خال علمائے کرام ہی بتاتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں پر نظر ڈالیے۔ ان کے لیڈروں اور ورکروں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ بردار ہیں۔ اور انھیں ایک دوسرے پر کچھ اچھانے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ سول سو سائیٹ کو دیکھیے تو ہمارے ڈاکٹروں، انجینئروں، مندِ عدل کے شہنشیروں و کیلوں، ماہرینِ تعلیم، صنعتکاروں، تاجروں سرمایہ داروں اور سرکاری افسروں کی بھاری اکثریت نے صرف دولت کو اپنا معبد بنارکھا ہے۔ رہے عوام تو ان بے چاروں کو اپنی روتی روزی کے لائلے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے دال دلیے اور ساگ سٹو کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور ہی نہیں کر پاتے۔ مطلب یہ کہ ہمارے معاشرے کے ہر طبقے اور ہر فرد کو اپنی پڑی ہوئی ہے۔ سب اپنی غرض کے پتلے،

اپنے مقاصد کے غلام اور اپنے مفادات کے دلال ہیں۔ دین حنفی سے کسی کوسرے سے کوئی لگاؤ ہی نہیں۔ بلاشبہ یہ نہایت قلچ انگیز سانحات ہیں..... لیکن ان سے کہیں زیادہ قیامت خیز المیہ ایک اور ہے وہ یہ کہ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان نوجوان مغربی تہذیب پر شدید دیوانگی کے ساتھ فدا ہو کر فکری ارتدا اور عملی فتن و فجور کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اسلام اس دنیائے ہست و بود میں انتہائی مظلومیت کی حالت میں گھرا ہوا ہے۔ اب تک کی معلومہ تاریخ میں کفر اور شرک کی قوتیں اتنی بیہت ناک اور ہلاکت بار طاقت کے ساتھ کبھی نمایاں نہیں ہوئیں جس طرح آج عیاں ہو گئی ہیں۔ آج ہر مسلمان خاص طور پر علمائے کرام کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ عالم اسلام کی نئی نسل کی دولت ایمان کو بچائیں اور کفر و شرک کے جہنم میں گرنے سے روکیں۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام فرقہ واریت سے توبہ کریں۔ صرف قرآن اور سنت کی تعلیمات عام کریں اور ان تعلیمات کو عام مسلمانوں کے ذہن میں اس قدر راخ کر دیں کہ ان کا ایمان ناقابل تغیر بن جائے۔ حق یہ ہے کہ مغربی دنیا کی ساری ایجادات اور میکنالوجی کے سارے کمالات دین حنفی کی طاقت اور صداقت کے آگے بیچ اور ناقابل توجہ ہیں۔ اسلام رب ذوالجلال کا محبوب دین ہے۔ صرف اسی سچے دین کے طریقے اصل عزت اور کامیابی پانے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اس دین کے علاوہ باقی جتنے بھی نظریات اور اسالیب زندگی ہیں وہ سب کے سب دھوکے، فریب ذلت اور ہلاکت کی پوٹ ہیں۔ خاص طور پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہی وحی کی نفی پر ہے، اسے سودخور دولت مندوں نے پروان چڑھایا ہے اور اس کی عریانیوں نے انسانیت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اس کے بر عکس اسلام سارے عالم انسانیت کے لیے سایہ رحمت ہے۔ اس رفع و قیع دین کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنا مقدس خون بھایا۔ اسی دین کے لیے صحابہ کرام نے بدر، احمد اور حسین میں اپنی جان کا نذر انہوں دیا۔ اسی دین کی

آپیاری کے لیے سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عزیزوں اور فدائیوں نے جام شہادت نوش کیا۔

آج اسلام ان علمائے حق کی راہ دیکھ رہا ہے جو خاص طور پر امتِ مسلمہ کے نوجوانوں کو استناد کے ساتھ نوجواناتِ جنت کے سردار سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے جو ہر دکھائیں اور ان کی متاع ایمان کو مغربی تہذیب کی غارنگری سے محفوظ رکھیں۔

الحمد للہ! میرے والد گرامی مولانا محمد ادریس فاروقی رحمۃ اللہ علیہ انجمن علمائے حق میں سے ایک تھے جو آج کی بھلی ہوئی نسلوں کو اسلام کا رونے زیبا دکھاتے اور اس کی پچی اور ابدی تعلیمات پر کامل یقین کے ساتھ عمل کی دعوت دیتے تھے۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک قرآن و سنت کے علوم کی تبلیغ و دعوت کا کام کرتے رہے، وہ طبیب بھی تھے، ادیب بھی تھے، خطیب بھی تھے۔ دھمکے لمحے میں بولتے تھے۔ بڑے، میٹھے، ملائم اور بچے تک الفاظ (well calculated) میں اسلامی سیرت سازی کے مضامین لکھتے تھے۔ انہوں نے ”مقام رسالت“ پر کام کرتے ہوئے دم توڑا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمة واسعہ! آج بھی یقین نہیں آتا کہ ان کی محبت و محبت کا چھڑکا د کرنے والی مہربان آنکھوں میں موت کی نیند بھر گئی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ابھی کروٹ لیں گے اور پوچھیں گے: میری کتاب ”سیرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم“ طباعت کی کس منزل میں ہے؟

”سیرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم مع سانحہ کر بلا“ مرحوم کی خصوصی کاؤش ہے۔ یہ کتاب لکھ کر جہاں انہوں نے تاریخ کی شاندار خدمت کی وہیں مسلمان نوجوانوں کو حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ سیرت کے جواہر پارے دکھا کر یہ سبق دیا کہ فرزندان اسلام دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کے لیے جیتے ہیں اور اسلامی نظام کی حفاظت ہی کے لیے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

جب سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وہ موڑ آیا کہ ان کے برادر معظم حضرت

عرض ناشر  
۵۲

حسن شیعہ وفات پا گئے تو بعض کوئی آئے۔ انھوں نے سیدنا حسین شیعہ سے کہا کہ جناب امیر معاویہ علیہ السلام اور حضرت حسن شیعہ کے مابین صلح صفائی کا جو معاہدہ ہوا تھا وہ صرف حضرت حسن شیعہ تک محدود تھا۔ آپ کا اس معاہدے سے کوئی تعلق نہیں۔ اب آپ جناب امیر معاویہ شیعہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیجیے۔

سیدنا حسین شیعہ نے یہ مشورہ دینے والوں کو حقارت سے دھنکا رہا دیا اور پوری صدق دلی سے جناب امیر معاویہ شیعہ کی اطاعت کرتے رہے۔ لیکن جب خلافت کے لیے یزید کی نامزوں کی عمل میں آئی تو وہ اس سے متفق نہ ہو سکے۔ انھوں نے یزید کے برسر اقتدار آجائے کے بعد محosoں کیا کہ اب اسلام کے سیاسی نظام کی گاڑی خلافتے راشدین کی خلافت اور نظامِ شورائیت کی ڈگر سے ہٹ کر ملوکیت کی پڑی پر چڑھ گئی ہے۔ انھوں نے اسلام کے سیاسی نظام کا یہ بگاڑ گوارا نہیں کیا اور یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔ یہی حرф انکار 61ھ میں سانحہ کربلا کا موجب بن گیا۔

61ھ سے اب تک سانحہ کربلا پر اللہ جانے کتنے آنسوؤں کی ندیاں بہہ چکی ہیں اور کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ان کتابوں کے ذخیرے میں زیرنظر کتاب ایک گرانیاں اضافہ ہے۔ اس کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ میرے والد گرامی شیعہ نے ایک سچے موئخ کی حیثیت سے قلم اٹھایا ہے۔ وہ کسی کی مدح و ذم کے چکر میں نہیں پڑے نہ جذبات کے ہھنور میں آئے نہ خوش اعتقادی کے اسیر ہوئے، بس انھوں نے خاموشی اور خلوص کے ساتھ اسلاف کرام کی تحریروں کے تاریخی سرمائے کا باریک بینی سے مطالعہ کیا۔ اس مطالعے کے آئینے میں انھیں حضرت حسین شیعہ کی سیرت و شخصیت کا جو دل ربا چھڑہ نظر آیا، اس کی انھوں نے اپنے بے لگ قلم سے تصویر کھینچ دی۔ سیرت حسینی کی طرح انھوں نے سانحہ کربلا کی داستان بھی اسلاف کرام کے مستند لشی پرچ کی روشنی میں لکھی انھوں نے ہر مکتبہ مقلد کی کتابیں پڑھیں، اسلاف کی کتابیں بھی پڑھیں، اخلاف کی

بیوں۔ عرض ناشر ۵۳

کتابیں بھی پڑھیں، مستند بھی پڑھیں، غیر مستند بھی پڑھیں، حتیٰ کہ اس موضوع پر غیر مسلم سکالروں کی تصنیفات بھی دیکھیں۔ انہوں نے کسی کتاب کو معمولی نہیں سمجھا۔ سب کو توجہ سے دیکھا مگر ہر چیز کو سونا اور ہر آگ کو شعلہ طور نہیں سمجھا۔ انہوں نے اپنے حاصل مطالعہ کو استناد کی کسوٹی پر جانچا، تولا اور پرکھا۔ بعد ازاں کربلا میں پیش آمدہ تمام حالات وحوادث بے کم و کاست بیان کر دیے۔

میں اپنے والد بزرگوار کے قلم سے نکلی ہوئی ایک ایک سطر کا قدر شناس ہوں۔ میرا عمل پروپر کے رشتے یا خوش عقیدگی کی بنا پر نہیں، ٹھوس حقائق کی اساس پر استوار ہے۔ اس کتاب پر آپ سرسری نظر بھی ذاتیں گے تو حیرت زده رہ جائیں گے۔ اس کتاب کے ہر صفحے پر آپ کو ایک حیرت کدہ آباد اور ایک جہان معنی کھلا ہوا نظر آئے گا۔ تاریخ کے جبر اور حالات وحوادث کی رفتار نے صورت حال ایسی بنا دی ہے کہ جو خوبی سیدنا حسین رض کا اسم گرامی سامنے آتا ہے، یزید کا تصور بھی آپ ہی آپ خواہ خواہ ابھرنے لگتا ہے۔ قدیم و جدید مومنین نے اپنے اپنے داخلی میلانات و رجحانات کی بنیاد پر یزید کی مختلف تصویریں بنائی ہیں۔ فاروقی صاحب نے بھی تاریخ کے اس مشہور ترین شخص پر قلم اٹھایا ہے، اس موقع پر فاروقی صاحب رض کی علمی دیانت طرح طرح سے نمایاں ہوتی ہے اور ان کی بڑائی کی گواہی دیتی ہے۔ انہوں نے جھوٹی روایات و خرافات کو جھٹک کر ایک بے چک مورخ کی حیثیت سے یزید کا جائزہ لیا ہے اور بڑی جرأۃ اور صداقت سے اپنا موقف بیان کر دیا ہے۔ انہوں نے شروع ہی میں لکھ دیا ہے کہ میں یزید کی دکالت سے معدور ہوں، میں نے اوراق تاریخ کا ایک ایک صفحہ تولا اور کھنگالا، مجھے کہیں کوئی ثبوت ایسا نہیں ملا جس سے یہ واضح ہو کہ یزید برادر راست قتل حسین رض میں ملوث تھا یا نہیں۔ اس معاملے کی اصل حقیقت ہمارا دنائے قلوب پروردگار ہی جانتا ہے۔ ہم اُسے برادر راست ملزم نہیں ٹھہرا سکتے، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یزید نے

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا دی نہ ان کے عہدوں سے معزول کیا۔ اس کے بعد فاروقی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بھی چین نصیب نہیں ہوا۔ وہ زیادہ دیر حکومت نہ کر سکا اور 683ء میں اس دنیا سے چل با۔

فاروقی صاحب اصل قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کو بے نقاپ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”66ھ میں عبد الملک بن مروان کے عہد اقتدار میں مختار ثقفی کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے قاتلان حسین کو چین کر ہلاک کرایا۔ اس سانحہ کا سب سے بڑا مجرم شمرذی الجوش یہ حالات دیکھ کر کوفہ سے نکل بھاگا۔ مختار کی سپاہ نے اس کا تعاقب کیا۔ وہ پکڑا گیا۔ ثقفی نے اسے ہلاک کر دیا، پھر اس کی منحوس لاش کتوں کے آگے پھینک دی جنہوں نے اس کی ایک ایک بوٹی چباؤ ای۔

مرحوم کا اسلوب تحریر بڑا سادہ اور سلیس ہے۔ وہ قاری کو اپنے ساتھ بہائے لیے جاتے ہیں۔ من گھڑت باتوں کو جھلاتے ہیں۔ سچائیوں کے موئی نکالتے ہیں۔ حقائق کے پھول کھلاتے ہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے محترم عزیزوں اور فدائیوں پر جدال و قبال کا جو ریا گزار اُسے ایسے حقیقت پسندانہ پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھ کر آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ فاروقی صاحب اتنے مہذب اور متین ہیں کہ انہوں نے شیعہ علماء کی تحریروں کے حوالے بھی شریفانہ اسلوب میں دیے ہیں۔ اور ان کی باتوں کی تردید بھی شاستر پیرائے میں کی ہے۔ پڑھ دیکرتے ہوئے بھی ان کے دل سے یہ صد اٹھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض نہ رکھو۔ دوزخ کے انگاروں سے بچو اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام کرو۔

اب میں اس عظیم کتاب کی چہرہ کشائی کرتا ہوں اور چند جھلکیاں دکھاتا ہوں۔ والد گرامی نے شروع ہی میں بتا دیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی تربیت کس طرح ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے:

### والدہ ماجدہ کا اسلوب تربیت

”ابھی حسن اور حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم چھوٹے سے تھے۔ کسی بات پر لڑ پڑے۔ اسی طرح باہم لڑتے جھگڑتے اپنی حلیل القدر ماں سیدہ فاطمہ صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کے پاس پہنچے اور ایک دوسرے کی شکایت کرنے لگے۔ ایک صاحبزادے نے انگشت نمائی کی اور کہا: ماوراء میریان! جھگڑا انھوں نے شروع کیا تھا۔ دوسرے صاحبزادے نے کہا: ماوراء عالیٰ قدر! انھوں نے مجھے مارا ہے۔ سیدہ نے دونوں لاڈلوں کے بیانات وقار کے ساتھ سنے۔ پھر قدرے برہنی سے فرمایا: تم دونوں آپس میں لڑتے ہو۔ مجھے معلوم نہیں، کس نے مارا ہے اور کون پڑا ہے؟ میں تو بس اتنا ہی جان پائی ہوں کہ تم دونوں آپس میں لڑتے ہو۔ اس لیے تم دونوں خطاوار ہو۔ میرے دل کے کھڑوا اللہ تعالیٰ کا حکم سنو۔ ہمارے وحده لاشریک پروردگار نے فرمایا ہے: **لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ** زمین میں ونگا فساد نہ کرو۔..... افسوس! تم آپس میں لڑتے ہو۔ جاؤ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اپنی خطا بخشواؤ۔..... پھر ان دونوں شہزادوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی اور عبید کیا کہ ہم آئندہ کبھی نہیں جھگڑیں گے۔“

### بے مثل نانا صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کا اسلوب نصیحت

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم تشریف فرماتھے۔ بغل میں حسن صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم بھی بیٹھے تھے۔ اسی دوران کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کی خدمت میں صدقے کی کھجوریں پیش کیں۔ سیدنا حسن صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم نے جھٹ ہاتھ بڑھایا اور ایک کھجور منہ میں ڈال لی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم نے فوراً ان کے منہ میں انگلی ڈال کر فرمایا ”کع کع!“ اسے اُگل دو۔ اسے اُگل دو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ خاندان نبوت کے لیے صدقے کی چیز کھانا جائز نہیں؟“ نئھے حسن صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم نے وہ کھجور فوراً اُگل دی۔ پھر کبھی کوئی چیز از خود نہیں کھائی۔ بس جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم، علی صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کی والدہ ماجدہ صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم مرحمت فرمائی تھیں وہی تناول فرماتے تھے۔

## مردِ مجاهد بنے کی تڑپ

عرب بچے ایک خاص قسم کی کبڑی کھیلتے تھے۔ اس کھیل کو ”عاقب“ کہا جاتا تھا۔ حسینؑ کبڑی کے شائق تھے۔ بھاگ دوز کے مقابلوں میں خوب حصہ لیتے تھے۔ وہ ایک دفعہ دو بچوں کے ساتھ دوز لگا رہے تھے کہ ان کے والد گرامی سیدنا علیؑ نے انھیں آواز دی اور اس مقابلے سے روک دیا۔ حسینؑ فوراً روک گئے۔ تاہم کسی قدر رنجیدگی سے عرض کیا: پیارے ابا جان! آپ مجھے بھاگ دوز کے مقابلے سے کیوں روکتے ہیں؟ کیا میں مجاهد نہ ہنوں؟“ سیدنا علیؑ ہونہار بیٹھے کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور بھاگ دوز کی اجازت دے دی۔

ہونہار بروائے چکنے چکنے پات! یہی حسینؑ جوان ہو کر اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے۔ وہ کربلا کے میدان میں صرف اس لیے ڈٹ گئے کہ ان کے لیے اسلام کے اس سیاسی نظام میں ذرہ بھر بگاڑ بھی ناقابل برداشت تھا جو محمد رسول اللہؐ نے قائم فرمایا تھا جسے خلفاء راشدینؑ نے اپنے خون سے مستحکم کیا تھا اور جس کی بدولت تاریخ میں پہلی اسلامی شورائی اور فلاجی ریاست مدینہ وجود میں آئی اور حسنات و برکات کے عالمگیر برگ و بار لائی۔ کیسے برگ و بار؟ ایسے برگ و بار کہ مدینہ سے لے کر افغانستان تک پھیلی ہوئی اس اسلامی Super Power کا سربراہ عمر حنفیؓ خود اپنی پیٹھ پر غلے کی بوری لادتا تھا اور بھوک سے بلکہ ہوئے بچوں کے جھونپڑے تک پہنچا کر واپس آتا تھا۔ اس اسلامی شورائی ریاست نے فلاجی ثمرات کو اونچے سے اونچے ایوان سے لے کر گلی محلوں کے نچلے سے نچلے طبقے کے عام آدمی تک پہنچا دیا تھا۔ اس ریاست نے ہر مسلمان کے قابل میں ایمان و احساب کی ایسی روح پھوٹک دی تھی جس کی مثال بڑے سے بڑے نامنہاد جمہوری ملک میں بھی سامنے نہیں آئی۔

بیزید کے عہد حکومت میں اس اسلامی وشورائی ریاست کی حالت وہ نہ رہی جو خلفاء راشدین کے زمانے میں تھی۔ بیزید کے زمانہ اقتدار میں اس ریاست کے سیاسی نظام کو ملکیت میں بدل دیا گیا اور خلافت وشورائیت کے گوہر نکال دیے گئے۔ حسین بن علیؑ اسلامی نظام سیاست کی یہ ہٹک برداشت نہ کر سکے اور تن تھا اپنے عہد کے حکمرانوں سے ٹکرایا کہ امر ہو گئے۔ حسین بن علیؑ کے سامنے تو اسلام کے صرف ایک پہلو یعنی سیاسی نظام میں سے خلافت اور شورائیت نکالی جا رہی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر حسین بن علیؑ نے زندہ رہنا گوارا نہ کیا۔ آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ کی کھلی ہوئی آنکھوں کے سامنے آپ کے وطن کے ہر ادارے سے پورے اسلام کو نکالا جا رہا ہے مگر آپ کی غیرت نہیں جاتی۔ آپ بے حس لاش کی طرح پاؤں پسارے پڑے ہیں، آپ کے سامنے بھوں سے بھون کر لال مسجد سے قرآن پڑھنے والی معصوم بچیوں کے جنازے نکال دیے گئے۔ آپ کے سامنے ایک بد باطن حکمران نے ڈالروں کے بد لے قوم کی بیٹی عافیہ کو پاکستان سے نکال دیا۔ آپ کے سامنے بکنوں کی شکل میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف مورچے بننے ہوئے ہیں۔ وہاں سود خوری کی دیواریں اوپنجی کی جا رہی ہیں اور تجارت کی برکتوں کو نکالا جا رہا ہے۔ ذرا کسی عدالت کچھری کا پھیرالگائیے۔ وہاں قدم قدم پر رشوت کھانے والے بھوکے بھیڑیے جبڑا کھولے بیٹھئے ہیں۔ یہ لوگ ظلم کی کاشت کر کے عدالتوں سے عدل و انصاف کو بے دخل کر رہے ہیں۔ آپ کے سامنے آپ کے بچوں کے درست نصاب سے قرآن کریم کی آیات نکالی جا رہی ہیں مگر آپ نس سے مس نہیں ہوتے۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ بطور فرد اور معاشرہ ہم سب مغربی تہذیب کے قیدی ہیں۔ یہی تہذیب عہد جدید کی کربلا اور ہمارے حکمران دور حاضر کے شر ہیں۔ ان سے پوری قوت سے ٹکرایا جائیے۔ ان سے ٹکراؤ کے لیے گولی اور توپ و قلنگ کی ہرگز ضرورت نہیں۔ آپ کے پاس قرآن و

سنت کی شکل میں بہت بڑا اقتدار موجود ہے۔ آن دیکھی قوتون کے قتل آپ کے ایمان کی مضبوطی اور صالح اعمال کی تنجی ہی سے کھل سکتے ہیں۔ دل کی گہرائیوں سے اس یقین میں روز بروز اضافہ کیجیے کہ دین حنف آسمان سے اترتا ہے۔ یہ اٹل سچائیوں کا مجموعہ ہے۔ ہم کوشش کریں کہ سب کے دل سے شرک اور بدعت کی گندگی نکالیں۔ سیرت حسینؑ کا ہم سب سے بھی تقاضا ہے۔ جو یہ تقاضا پورا کرے گا وہی آج کے دور کا حسین، زمانے کا فاتح اور تاریخ کا آقا کہلانے گا۔

جب میرے والد گرامی خدا نے یہ کتاب لکھی تھی تو ان کے دل میں یہی مقصد کام کر رہا تھا کہ دجلہ و فرات کے گیسوآج بھی تابدار ہیں۔ نوجوان اسے توجہ سے پڑھیں اور اپنے عمل کو سیرت حسینؑ کی طرح درخشنده کر کے تاریخ کا دھارا بدلتا لیں۔ آئیے ارادہ عمل پر آگے بڑھیے۔ مستقبل آپ کی راہ دیکھ رہا ہے۔

کچھ نہ زمان و مکان، کچھ نہ سفید و سیاہ

اشهد ان لا الہ، اشهد ان لا الہ!

آخر میں میں اپنے برادر اصغر حافظ نعمان فاروقی کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے انتہائی لگن سے اس کتاب کی تیاری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور مولانا عمران فردوسی نے بھی اس میں حصہ لیا۔ علاوہ ازیں برادرم سعید الجید کا بھی جنہوں نے ڈیزائنگ کی اور محترم محمد رمضان شاد صاحب جنہوں نے کپوزنگ کے مرحلے سے گزارا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنائے، آمین۔

قرآن الحمید فیصل (الریاض)

نومبر 2012ء رذوا الحجه 1433ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## حرفِ اول

بزرگانِ دین و ملت کے حالاتِ زندگی اس لیے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں تاکہ مسلمان ان کی پاکیزہ سیرتوں سے سبق اور نصیحت حاصل کریں، ان کی تعلیمات اپنا میں اور ان کے نقش قدم پر چلیں، ان کے سنہرے کردار کو اختیار کریں، ان کے اقوال و افعال کو راہنمایا بنا میں۔ اور یوں دین و دنیا میں سرفراز اور فائز المرام ہو کر رضائے الہی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالیٰ سے وہ اجر جزیل پائیں جو آخرت میں نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کو نصیب ہو گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے قصے بیان فرمائے ہیں اور حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد واقعات ارشاد فرمائے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قارئین اچھے لوگوں اور نیک قوموں کے حالات سے درس و موعظت حاصل کریں۔ اور جن اعمال صالحہ سے انہوں نے اللہ جل شہادت کو راضی کر کے اس سے انعام و اکرام پائے ہیں ان کو حرز جاں بنا میں۔ اسی طرح برے لوگوں کے احوال سے عبرت پکڑیں اور ان کی بدکرداریوں، ان کے خطرناک عواقب، ان کے مہلک نتائج اور خوفناک انجام سے بچیں۔ اور ہر حال میں خدائے مُقتم کے قہر و غضب سے ڈرتے رہیں۔

مثلاً: ابوالبشر آدم علیہ السلام کے قصے میں یہ نصیحت ہے کہ وہ شیطان مردود کے جھانے

حروف اول

۶۰۔

میں آئے مگر صدق دل سے توبہ و استغفار کرنے کا صل بھی مل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں  
نبوت عطا فرمائی اور زمین کا خلیفہ بنادیا۔ شیطان لعین کے قصے میں یہ عبرت ہے کہ اس کو  
انکار و استکبار، سرکشی و نافرمانی کی لمبی عبرت اک سزا دی گئی کہ وہ بارگاہ الہی سے وہ تنکارا  
گیا اور اس کو لعنت کا طوق پہنایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں تبلیغ حق کے اس باق  
ہیں۔ اور فرعون کے قصے میں عبرت ہے کہ یہ خدائی کا دعویٰ کرنے والا، رب اکرم سے  
بعاوت کر کے کس طرح اپنے لاوٹنگر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے  
قصے میں ہستی باری تعالیٰ، توحید الہی، رددشک و ضلالت، صبر و استقامت، اور  
ایثار و قربانی وغیرہ کے دروس مضبوط ہیں۔ اور نمرود مردود کے قصے میں اس کی نکست،  
اس کے مشن کی ناکامی و نامرادی اور اس کی عبرت انگیز موت کا بیان ہے۔ یوسف علیہ السلام  
کا قصہ عصمت و پاک دائمی کا مظہر ہے۔ اور برادران یوسف علیہ السلام کے قصے میں مکروہ فریب،  
ظلم و تشدد، کذب و زور سے بچنے کی نصیحت اور متوكّلین کی عظمت کا بیان ہے۔

اسی طرح حضرت حسین علیہ السلام کی داستان میں بہت سے ناصح ہیں اور آپ علیہ السلام کا  
ایک ایک عمل، ایک کردار لائق اطاعت و اتباع ہے، صرف اس لیے نہیں کہ آپ  
حضور رسالت مآب علیہ السلام کے نواسے اور سیدنا علی علیہ السلام و سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہما السلام کے  
فرزند گرامی تھے، بلکہ اس لیے کہ آپ کی پاکیزہ زندگی اعمال صالح سے معمور تھی۔ آپ  
کا کوئی فعل قرآن کریم اور سنت رسول کریم علیہ السلام کے خلاف نہیں تھا۔

سیدنا حسین بن علی علیہ السلام نے اگر عزت و عظمت پائی ہے تو اس وجہ سے کہ رسول اللہ علیہ السلام  
سے انہوں نے تربیت پائی۔ صحابہ کرام علیہم السلام سے انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ اپنی  
مقدس زندگی کو قرآن و سنت کے ساتھے میں ڈھالا، اپنی عادات و خصال، اپنے  
اعمال و افعال کو اپنے محترم نانا جان علیہ السلام کے عادات و اعمال کے مطابق بنالیا، ہر  
بات اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم علیہ السلام کی چیزوی اختیار کی اور یوں

دربار رسالت سے ”سید شباب اہل الجنت“ کا خطاب پایا۔

سبحان اللہ! نانا سید المرسلین، والدہ سیدۃ النساء العالمین اور خود سید شباب اہل الجنت۔

ملی اس کو عزت یہ حق کی رضا سے

وقارے جناب شہ دوسرा (علیہ السلام) سے

افسوں سے کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت حضرت حسین (علیہ السلام) کی جس قدر سیرت کی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سوانح نگاروں نے اپنی ساری قوت بیان اور پورا زور قلم واقعہ شہادت پر صرف کر دیا ہے۔ اور ایسی مبالغہ آمیزیوں، باطل طرازیوں اور دروغ گوئیوں سے کام لیا ہے اور حق و باطل کا کچھ اس طرح امتراج کیا ہے کہ اصل واقعات تو بہت کم منظر عام پر آئے ہیں مگر من گھڑت افسانوں کا ایک پلندہ تیار کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَلِمُسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ۝

<sup>①</sup> ”حق کو جھوٹ سے خلط ملاتے نہ کرو۔“

مطلوب یہ کہ حق میں جھوٹ کی آمیزش نہ کرو، مگر یہاں یہ حال ہے کہ چیز جھوٹی باقی ترتیب دے کر ایک کتاب یا تقریر مرتب کر لی جاتی ہے جس کے پڑھنے سننے سے کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اتنا نقصان ہی ہوتا ہے۔

سوانح حسین (علیہ السلام) سے متعلقہ کتب میں عام طور پر واقعہ شہادت پر زور دے کر ماتم و غم اور نوحہ و مرثیہ میں بتلا رہنے کی تلقین کی گئی ہے، تابوت و تعزیہ بنانے، ضریح و شبیہ دیکھنے و کھانے، علم و فرس نکالنے، سینہ کوبی کرنے، منہ نوچنے اور خون بھانے پر خوب ابھارا گیا ہے، مگر سیدنا حسین (علیہ السلام) کو جن اعمال حسنے کے سبب درجات بلند عطا ہوئے اور جن خصائص و فضائل کی وجہ سے رفع وعظیم مراتب تفویض کیے گئے ان پر کوئی توجہ

نہیں دی گئی، بلکہ ایسی کتابوں میں اس قسم کے مضمون بھر دیتے گئے ہیں جن کو پڑھنا، سننا اور جن پر عمل کرنا بہت بڑا گناہ ہی نہیں، موجب عذاب الیم بھی ہے۔ اور جس سے ایک مسلمان اسلام ہی سے دور ہو جاتا ہے۔ ایسی غیر معیاری اور بے مقصد کتابیں مارکیٹ میں عام ملتی ہیں۔

اپنی اس کتاب ”سیرت حسین رضی اللہ عنہ“ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کا ذکر لانا ناگزیر تھا۔ عام بازار میں فروخت ہونے والی کتابوں کی چلسی روشن سے ہٹ کر ہم نے ان کا قدرے مفصل ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں طرفین کے کچھ افراد کا ذکر بھی آیا ہے۔ تاریخی حیثیت سے جن اشخاص کا تذکرہ ضروری تھا ان کا تذکرہ اور اس کے ساتھ ان پر مناسب تبرہ بھی کیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہاں عقیدت و محبت رکھنے کے فریق ہانی پر یونہی الزامات عائد نہیں کیے گئے جیسا کہ عام لوگوں کا مشغله ہے۔ ہاں، جوازم اگلتا ہے وہ لگایا ہے۔ اس سلسلے میں خواہ مخواہ کسی کی پیروی کی ہے نہ مخالفت۔

اس کتاب میں محمد اللہ دلائل، برائین اور استشهادات سے کام لیا گیا ہے۔ اور وہ راہ اختیار کی گئی ہے کہ جس سے مسلک اہل سنت پر حرف آئے نہ صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کی حیثیت بمحروم ہو۔ آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے نازک اور حساس مباحث سے گزرتے ہوئے کہیں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اعزہ کی عظمت کا پرچم سرگوں نہیں ہونے دیا۔ فلِلہ الْحَمْدُ۔

اور اس پر ہمیں خیر ہے۔ عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اپنا ایک منفرد اور ممتاز مقام ہے جس کا تقریباً ثلث کتاب میں کھل کر ذکر کیا گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا اپنا موقف اور نقطہ نظر یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حد درجہ فضیلت و بزرگی کے حامل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین نواسے اور کربلا کے مظلوم ترین شہید ہیں۔ آپ

کا غایت درجہ احترام بجا لانا چاہیے۔ آپ ﷺ گروہ اہل بیت ﷺ کے اہم رکن تھے۔ جملہ اہل بیت ﷺ ہماری نگاہ میں اسی طرح عزت کے قابل ہیں جس طرح جمع اصحاب رسول ﷺ احترام کے قابل ہیں بلکہ قرابت نبوی کی بنا پر ان سے فائز۔ حضرت حسین ﷺ کو حضرت رسول کریم ﷺ کی صحابیت اور قرابت دونوں نسبتیں حاصل ہیں۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ صحابہ و اہل بیت ﷺ کے کسی بھی فرد سے عناد رکھنا مسلک اہل سنت کے خلاف ہے۔ کتاب ہذا میں مناقب حسین ﷺ کے ساتھ ساتھ معتدل موقف کو با دلائل مبرہن اور واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ لیکن افسوس! جب اس موضوع پر بازار میں بکنے والی عام کتب کا جائزہ لیا گیا تو اکثر کتب ضد اور تعصب سے اٹے ہوئے نظریات اور بیکار باتوں سے لھڑی نظر آئیں جن میں کمھی پر کمھی ماری گئی اور تحقیق کا دعویٰ کر کے تحقیق سے کام نہیں لیا گیا بلکہ اس کے بر عکس تحقیق کامنہ چڑایا گیا۔ ان میں محض رونے رلانے کا اہتمام کیا گیا ہے یا اہل بیت کے فضائل و مناقب اور یزید کے عیوب و نقصان بیان کرنے پر زور دیا گیا اور سیدھی سادھی قوم کے جذبات سے کھیلنے اور امر واقعہ کو غلط رخ دینے کی ناروا کوشش کی گئی۔ جس سے ان کتب کے معیار کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ عالی مقام حضرت حسین ﷺ کے حالات اور سانحہ کربلا پر مشتمل ایک ایسی جامع، معتدل اور مدل کتاب تالیف کی جائے جس میں امکانی حد تک صحیح تاریخی واقعات درج ہوں اور جس میں مایہ ناز شہید ﷺ کی ان بلند کردار یوں، نیکوکار یوں، عزم و ثبات اور نظریہ توحید و سنت کو اجاگر کیا جائے تاکہ ان پر عمل کرنے سے ایک مسلمان، صادق مؤمن بن سکے اور اپنی دنیوی زندگی کو جنت نظیر بناسکے۔

ہم نے امام موصوف ﷺ کی سیرت مبارکہ کو جہاں تک ہو سکا حقائق کا لباس پہنایا ہے اور جہاں تک ہو سکا کتاب ہذا سے دعوت و تبلیغ، اصلاح احوال اور اتحاد

بین المسلمين کا کام لیا ہے۔ (یہ اہم ترین موضوع ہیں مگر افسوس، ان سے عام کتب عاری دکھائی دیتی ہیں۔)

بہر کیف اللہ کی توفیق سے متعدد کتب سیر و سوانح کے گہرے مطالعہ اور اخبار و آثار کے استفادہ کے بعد ایک ایسی کتاب ترتیب دینے میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جس میں سیدنا حسین رض کے ممکن حد تک صحیح حالات بھی ہیں اور ان گمراہ کن اور بدعت انگیز باتوں کی تردید بھی ہے، جو مسلمانوں کو ضلالت و جہالت کے عین قلب گڑھوں میں دھکیل رہی ہیں۔ اور ان کے دین و ایمان اور ان کے اصول و عقائد کو تباہ کر رہی ہیں۔ بدعت، گمراہی اور شرک سے احتناب برتنے اور اپنے اعتقادات کو درست رکھنے کے لیے ایسی کتابوں کو زیر مطالعہ رکھنے کی بے حد ضرورت ہے جو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور غلط کاریوں سے بچائیں۔ علاوہ ازیں کتاب بذا میں ایسی بہت سی باتیں بھی ہیں جو بڑی تاریخی، معلوماتی اور حجشم گشا ہیں۔ اور طرفین کا لڑپر پڑھنے کے بعد کسی کا نام لیے بغیر ضروری بحث کی گئی ہے۔ ایسی بصیرت افرزوں با تین شاید آپ کو اور کسی کتاب میں سمجھانے میں۔

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ سبائیت اور ناصیت دلوں را ہیں، اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔ اس کتاب میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں صدقی واقعات کے ساتھ عدل و انصاف کی راہ اختیار کی گئی ہے، اور بلا دلیل و بربان کسی کی مخالفت کی گئی ہے نہ موافقت۔ اور کسی صحیح مصنف کا یہی ہڈا امتحان ہے۔ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں ہماری مدد فرمائی۔ قارئین خود مطالعہ فرمائ کر جان لیں گے۔

данا کہتے ہیں ”مشک آنست کہ خود بپسید نہ کہ عطار بگوید“، یعنی صحیح اور اصلی خوشبو وہ ہوتی ہے جو خود بخود سونگھی جائے۔ خوشبو بیچنے والے کو اس کے تعارف کی ضرورت نہ ہو، الحمد للہ، یہی حال اس کتاب کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 بِحُمْدِ اللّٰہِ! ”ادارہ مسلم پبلی کیشنز سوہرہ الٰہور“، اسی قسم کی منتخب اور بیش بہا کتابیں شائع کر رہا ہے، اس سے پہلے وہ اصحاب پدر بن علیؑ، عشرہ مبشرہؑ، نبی رحمتؑ ملکیتؑ، رہبر کاملؑ، سیرت خدیجۃ الکبریؑ، سیرت فاطمۃ الزہراؑ، سیرت عائشہؑ صدیقہؑ، سیرت آزاد جنگ، نقوش ابوالکلام رئیس، سیرت الامانہ جنگ، سیرت ابوحنیفہ جنگ، سیرت ثانی جنگ، استاد پنجاب جنگ، تذکرہ بزرگان علوی سوہرہ جنگ، جیسی تادر و نایاب، سبق آموز اور بصیرت افروز کتب سیر شائع کر چکا ہے۔ ہماری ایک بالکل نئی اور قابل مطالعہ کتاب ”عفیفہ کائنات“ ہے، جو حضرت عائشہؑ صدیقہؑ کے سوانح پر ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، مارکیٹ میں آ کر ختم ہو چکی ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی اختتام کو پہنچ چکا ہے اور دیگر کتب مثلاً ممتاز صحابہؑ، مذاہب عالم، انوار الحدیث، تفسیر سورہ فاتحہ، عشرہ مبشرہؑ، امہات النبیؑ اور تاریخ الشاہیں، دو تمدن صحابہؑ، خلافت راشدہ اور ختم نبوتؑ بھی حسن ترتیب کے ساتھ روح کوراحت اور آنکھوں کو طراوت بھم پہنچانے کے لئے بازار علم و فضل میں آ رہی ہیں۔ اور اب ”سیرت حسینؑ مع سانحہ کربلا“ کا تیسرا ایڈیشن بڑے شاندار اور قیمتی حکت و اضافہ کو اپنے دامن میں لئے چارسو سے زائد ایمان افروز صفحات اور خوبصورت تاریخی و جغرافیائی نقشوں کے ساتھ آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ کتاب جس سال طبع ہوئی، بحمد اللہ اسی سال ختم ہو گئی، ہاں اتنا ضرور ہے چونکہ کارکنان ادارہ نے اور بھی کتب چھپوانا ہوتی ہیں اس لیے کتب اپنی باری پر چھپتی ہیں۔ اور بعض کی طباعت میں تاخیر ہو جانا قدرتی امر ہے۔ بہر حال آئندہ اس کمی کو دور کرنے کی ممکنہ کوشش کی جائے گی، ان شاء اللہ۔ تاکہ عوام و خواص کو تاخیر کی یہ شکایت نہ رہے۔ اور ادارہ کوشش کرے گا کہ اس کی ہر کتاب ہر وقت موجود رہے۔

الحمد للہ! ”سیرت حسینؑ مع سانحہ کربلا“ کا موجودہ ایڈیشن پہلے ایڈیشنوں سے

بہر پہلو بہتر، جامع اور کامل ہے، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ بفضلہ ازاں قبل اس موضوع پر اس سے بہتر مدلل اور سلیس کتاب شاید آپ نے ملاحظہ فرمائی ہو۔ اس میں جو اچھی بات ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کمزور بات ہے وہ ہماری طرف سے ہے، جس کی ہم اللہ تعالیٰ سے معانی کی الجاء کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھیں گے اور ہماری محنت کی واد دیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور قارئین کا تعاون ہمارے شامل حال رہا اور باذوق دوستوں نے ہماری کتابوں کی اشاعت میں حوصلہ افزائی فرمائی تو یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ جاری رہے گا اور ہم اچھی سے اچھی کتابیں تالیف کر کے شائع کرتے اور آپ کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچاتے رہیں گے۔ یاد رکھیے! کسی نیک کام میں ہاتھ بٹانا اور کام کرنے والے کی مدد کرنا بھی نیکی میں داخل ہے اور اجر و ثواب کا موجب ہے۔ جو اصحاب ان دینی و اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی اشاعت ہڑھائیں گے، وہ یقیناً تبلیغ حق اور خدمت اسلام کا ثواب پائیں گے۔ ہم ان کی مخلصانہ معاونت سے زیادہ سے زیادہ تبلیغی، اصلاحی، اخلاقی، تاریخی اور دوسری نہجی کتابیں شائع کر سکیں گے۔

آپ کا مخلاص

محمد اور لیں فاروقی (بجز اللہ)

مسلم پبلی کیشنز، سوہندرہ، لاہور

## ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

### ولادت با سعادت

سیدنا حسین بن علی الرضا عليه السلام بتاریخ 5 شعبان المظہم 4ھ بروز شنبہ بوقت شب سیدہ فاطمۃ الرضا عليه السلام بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف مبارک سے محصہ شہود پر جلوہ آرا ہوئے۔<sup>①</sup>

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی اطلاع جب سرور کو نین عليه السلام کو دی گئی تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت و انبساط کا اظہار فرمایا اور خبر سننے ہی سیدہ عالم عليہ السلام کے مشکوئے معلیٰ میں تشریف لے گئے۔ اسماء بنت عمیس عليہ السلام نے کپڑے میں لپیٹ کران کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے کمال محبت و شفقت ان کو اپنی آغوش میں لے لیا، داسیں کان میں اذان کی، برکت کے لیے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈالی، پھر خرم اچا کراس کی "گھٹی" دی اور "حسین" نام رکھا۔<sup>②</sup>

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال ترشاوے اور اس کے ہم وزن چاندی صدقہ فرمائی، ساتویں دن دو مینڈھے ذبح کر کے عقیدہ کیا اور ایک روایت کے مطابق اسی روز ان کا ختنہ بھی کرادیا۔<sup>③</sup>

① البداية والنهاية : 90/4، الاصابة: 332. ② موطأ امام مالك، العقيقة، باب ماجاء في العقيقة، ومستدرك حاكم : 3/179. ③ ابو داود، الصححا، باب في العقيقة، حدیث: 2841.

### ب) ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

68

سیدنا حسین علیہ السلام بہت خوبصورت تھے۔ شکل و صورت میں اپنے محترم نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت رکھتے تھے۔<sup>①</sup> آپ علیہ السلام کی پیدائش پر جس طرح رسول اکرم علیہ السلام خوش ہوئے اسی طرح صحابہ کرام علیہم السلام اور دوسرے مسلمانوں کو بھی خوشی ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور سید، شہید، طیب، زکی، سبط، رشید، مبارک، وفی، تابع لم رضاۃ اللہ وغیرہ آپ کے القاب ہیں۔ اور آپ کو ”شہیر“ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا مختصر شمرہ نسب یہ ہے: حسین بن علی علیہما السلام بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔ یعنی تیسرا پشت میں آپ علیہ السلام رسول اللہ علیہ السلام سے جا ملتے ہیں۔

### غلط روایات

افسوں ہے کہ سیدنا حسین علیہ السلام کی ولادت اور رضاعت سے متعلق جھوٹے افسانے گھر لیے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ ان کا نام حسین علیہ السلام جناب رسول اللہ علیہ السلام نے نہیں رکھا تھا بلکہ سیدنا جبریل علیہ السلام نے رکھا تھا، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ علیہما السلام پر القا کیا تھا کہ آپ کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا، اس کا نام حسین علیہ السلام رکھنا ہوگا،<sup>②</sup> وغیرہ وغیرہ لیکن تحقیق کے معیار میں یہ سب ڈھکو سلے ہیں۔

پھر حضرت مددوح علیہ السلام کی شیرخوارگی کے متعلق عجیب و غریب بے سرو پا بے بنیاد حکایات تراش لی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جب حضرت حسین علیہ السلام توولد ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان سے کہہ دیا کہ کسی عورت کا دودھ نہ پینا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کے دودھ کو بھی منہ نہ لگانا ورنہ ”نسایت“ یعنی عورت پن پیدا ہو کر وہ شجاعت و پامردی جاتی رہے گی جس کے جوہر کربلا میں دکھانے ہیں، اس ”ہدایت“ کے بموجب انہوں نے نہ اپنی ماں

”سنن نسائي، العقيقة، باب كم يعق عن الجارية، حديث : 4224، والسنن الكبرى للبيهقي: 9/304. ② صحيح البخاري، فضائل اصحاب النبي، باب مناقب الحسن والحسين رضى الله عنهما، حديث : 3748. ③ سير اعلام النبلاء : 284/3.

۶۹۔ ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

کا دودھ پیا، نہ کسی اور خاتون کا، بلکہ ان کے اپنے انگوٹھے یا بازو میں دودھ اتر آتا تھا جسے پی کر وہ سیر ہو جاتے تھے۔

دوسری گھڑی ہوئی روایت یہ ہے کہ حسین علیہ السلام دودھ پینے کی بجائے نبی اکرم علیہ السلام کی زبان مبارک چوس کر پیٹ بھر لیتے تھے۔

تیسرا روایت یہ کہ رسول کریم علیہ السلام کا انگوٹھا چوتے تھے جس سے دودھ نکل آتا تھا اور اسی پر انہوں نے پروش پائی وغیرہ۔

اس قسم کے غلط قصے محض ”خوش اعتقادی“ کی بنیاد پر اور حسین علیہ السلام کی تمام مخلوق پر برتری اور فویقیت اور فضیلت دینے اور مافوق الفطرت شخصیت ظاہر کرنے کے لیے تصنیف کیے گئے ہیں، جن کا فطرت انسانی، عقل سليم، دینی تفضل اور مذہبی و تاریخی روایات سے کوئی واسطہ نہیں۔ جس طرح دوسرے تمام انسانوں نے، انہیاء و مرسلین نے اور اولیاء و ائمہ نے اپنی ماوں یا دوسری عورتوں کا دودھ پیا ہے اسی طرح حسین علیہ السلام نے پیا ہے۔ کیا عجیب معاملہ ہے کہ شاہ کوئی علیہ السلام شیر مرضعہ نوش فرماسکتے ہیں، علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہما السلام کی پروش نسوانی دودھ سے ہو سکتی ہے، حضرت حسن علیہ السلام خاتون کا دودھ پی سکتے ہیں، لیکن حسین علیہ السلام کے لیے شیر نسوان چکھنا اور چھونا منوع کر دیا گیا؟ سیدنا علی علیہ السلام عورت کا دودھ پی کر شیر خدا، مجاهد اعظم، بے مثل پہلوان اور فاتح خیبر بن سکتے ہیں، مگر حسین علیہ السلام عورت کے دودھ کا ایک قطرہ حلق سے اتار لیں تو ان کی شہہ زوری اور طاقت و بسالت رخصت ہو جاتی ہے؟ اور وہ میدان کر بلماں لڑنے کے قبل نہیں رہتے؟.....ع

جو بات کی، خدا قسم! لا جواب کی

ان خرافات کی تردید میں ایک روایت سن لیجیے، سیدنا حسین علیہ السلام کی ولادت سے

(ب) ولادت باسعادت اور تعلیم و تربیت

70

پیشتر رسول اللہ ﷺ کی چچی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ ام فضل بنت حارث بنت عائشہ خواب دیکھتی ہیں کہ نبی ﷺ کے جسم اطہر کا ایک لکڑا ان کی جھوٹی میں آگرا ہے، وہ گھبرا کر انھیں اور رسول اللہ ﷺ کے پاس خواب بیان کیا، حضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: چچی! غم نہ کرو، خواب بہت مبارک ہے، عنقریب فاطمۃ الٹھہر ابی شہنما کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تمہارے ذمے ہوگی اور تم اس کو دودھ پلاوگی، چنانچہ جب حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو انھیں ام فضل بنت عائشہ کے سپرد کیا گیا اور جب تک حسین رضی اللہ عنہ چلنا نہیں سکھتے تھے وہی ان کو دودھ پلاتی رہیں۔<sup>①</sup>

ایک اور روایت ہے کہ بیقطر کی بیوی نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا۔ اور عبد اللہ بن بیقطر آپ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کا دودھ پیا ہو یا ام افضل کا یا زوجہ بیقطر کا، بہر حال آپ رضی اللہ عنہ نسوانی دودھ پر پلے ہیں۔ اس سے نام نہاد عاشقان حسین رضی اللہ عنہ کے جہالت خیز اعتقادات کی قلمی کھلتی ہے جو دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔

### شفقتِ رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ کو اپنے نواسوں اور نواسیوں سے بے محبت تھی، یہ غلط ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور حسن رضی اللہ عنہ، نسب رضی اللہ عنہ، ام کلثوم رضی اللہ عنہ، اور رقیہ رضی اللہ عنہ سے چندال تقافت نہ فرماتے تھے۔ حضور ﷺ کو جیسی اپنی اولاد سے محبت تھی ولیسی ہی اپنی اولاد کی اولاد سے بھی محبت تھی۔ حضور ﷺ اپنے نواسوں کو گود میں لیے پھرتے، کندھوں پر اٹھائیتے، ان سے لاڑ کرتے اور ان کے لاڑ دیکھتے۔ کیا مجال جوان کی کسی حرکت وادا سے پیشانی مبارک پر شکن آئے، یا آثار

① دلائل النبوة للبيهقي: 6/469، ومستدرک حاکم: 3/176-177. ② تاریخ طبری: 5/282، والکامل لا بن اثیر: 3/278، والبداية والنهاية: 8/170.

۷۱

۔ ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

مال ظاہر ہوں۔ سیدنا حسن و حسین علیہما السلام کی شان میں فرمایا:

«إِنَّهُمَا رَيْحَانَتَائِي مِنَ الدُّنْيَا»

”یہ دونوں تو دنیا میں میرے پھول ہیں۔“<sup>①</sup>

جب حضور ﷺ حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کو دوش مبارک پر سوار کرتے تو فرماتے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَن يُحِبُّهُمَا»

”مالک و قدوس! جس طرح میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان

سے محبت رکھا اور جوان دونوں کو محبوب رکھ تو بھی اس کو محبوب بنالے۔“<sup>②</sup>

حضور ﷺ جب بھی دونوں صاحزوں کو اٹھاتے، کلمہ خیر پڑھتے، ان کے لیے دعا فرماتے اور پاکیزہ الفاظ زبانِ اقدس سے نکالتے، تاکہ جو پاک الفاظ ان کے پرده گوش سے نکلا کیں، ان کے دل و دماغ پر نقش ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل ہوتی رہیں۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سیدہ فاطمہ الزہرا علیہما السلام کے مکان کے قریب سے گزر رہے تھے کہ سیدنا حسین علیہ السلام کے رونے کی آواز آپ ﷺ کے کانوں میں پہنچی، فوراً پلٹے اور جا کر سیدہ فاطمہ علیہما السلام سے فرمایا:

«أَكُمْ تَعْلَمُ مِنْ أَنْ بَكَاهَ يُؤْذِنِي؟»

”کیا تو نہیں جانتی کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے؟“

پھر آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر انھیں اٹھا لیا، پیار کیا اور جب تک وہ چپ نہ

① صحیح البخاری، فضائل أصحاب النبي، باب مناقب الحسن والحسين، حدیث:

② جامع الترمذی، المناقب: باب مناقب أبي محمد الحسن ابن على رضي الله عنهما، حدیث: 3769.

دعا و لادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

72

ہوئے گھر سے باہر نہ لکھ۔<sup>①</sup>

حضور ﷺ ان کے دیکھنے کو اکثر بے تاب رہتے، یا تو سیدہ فاطمہ رض کے گھر جا کر ان کو دیکھتے یا اپنے پاس منتکوا لیتے، کہیں بھی کوچے میں کھلیتا دیکھتے فوراً اٹھا لیتے، سرمہ چومتے، پیار کرتے، سینے سے لگاتے اور دعائیں دیتے۔

### ایک غلطی کا ازالہ

اہل بیت اطہار رض کے غالی "معتقد" جو اپنی شکم زاد روایات بیان کرنے میں نظر نہیں رکھتے، اکثر کہا کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن اور حسین رض خوارگی میں تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسن رض کے منہ کو چوما کرتے اور کہتے کہ میرے اس نواسے کو منہ کے راستے زہر دیا جائے گا..... اور سیدنا حضرت حسین رض کے حلق کو چومتے اور فرماتے کہ میرے اس بیٹے کا گلا کاٹا جائے گا۔ یہ سب روایتیں ایک خانہ ساز افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں اور نہ حدیث و آثار یا سیرت کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر ملتا ہے۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں صاحزوادے ابھی چلنے پھرنا بھی نہ سیکھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق وحی آنا شروع ہو گئی، جس میں دونوں کی شہادت کی نسبت اطلاعات دی گئیں اور بتایا گیا کہ بنی امیہ ان کے دشمن ہیں اور معاویہ و ابن معاویہ ان کی جان لے کر چھوڑیں گے۔ معاویہ امام حسن رض کو زہر دلوائے گا اور یزید امام حسین رض کو قتل کرائے گا، چنانچہ دونوں کے واقعات شہادت کی تفصیل اور تاریخ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دی گئی۔ یہ سب با تیس کندہ بیانی اور دروغ بانی سے تعلق رکھتی ہیں اور کسی کتاب میں ان کا قطعی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ محض "چیجن پاک" اور اہل بیت رض

<sup>①</sup> تہذیب تاریخ دمشق: 7/125، وطرانی فی الکبیر: 3/116، حدیث: 2847.

کی فضیلت جتنا کے لیے ایسی روایتیں گھری گئی ہیں۔

### سیدنا حسن و حسین علیہما السلام کی محبت

اس میں کوئی کلام نہیں کہ حضور شاہ دو عالم علیہما السلام کو حضرت حسن و حسین علیہما السلام سے بے حد محبت تھی اور حضور علیہما السلام انہیں دیکھ دیکھ کر خوشی میں پھولنے ساتھ تھے۔

ایک دفعہ سیدنا انس علیہما السلام نے حضور علیہما السلام سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ علیہما السلام! اہل بیت علیہما السلام میں آپ علیہما السلام کس کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں؟ فرمایا: ”ولاد میں فاطمہ علیہما السلام کو۔ اور اولاد کی اولاد میں حسن اور حسین علیہما السلام کو۔“<sup>①</sup>

اسامہ بن زید علیہما السلام کہتے ہیں: ایک شب میں رسول اللہ علیہما السلام کے دولت کده پر حاضر ہوا اور دروازہ کٹکھایا، حضور علیہما السلام باہر تشریف لائے، تو آپ علیہما السلام نے کسی چیز پر چادر لپیٹی ہوئی تھی، میں نے عرض کیا: ”حضور علیہما السلام نے کسی شے کو لپیٹ رکھا ہے.....؟“ آپ علیہما السلام نے چادر اٹھا دی تو دونوں صورت پر آپ علیہما السلام کے دونوں پہلوؤں سے لگے ہوئے تھے۔ حضور علیہما السلام نے فرمایا: ”اسامہ! یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، میری بیٹی فاطمہ علیہما السلام کے بیٹے ہیں، میرے دوست علی (علیہما السلام) کے بیٹے ہیں۔ جو ان سے محبت کرے میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔“<sup>②</sup>

رسول اللہ علیہما السلام کو یوں تو بچوں سے بہت محبت تھی اور آپ علیہما السلام مسلمانوں کو تاکید فرماتے کہ وہ اپنے بچوں سے محبت کیا کریں، پھر حسن اور حسین علیہما السلام تو آپ علیہما السلام کے جسم کے ٹکڑے تھے، ان سے حضور علیہما السلام کی محبت فطری تقاضے کے ماتحت تھی اور بے حد تھی۔

ایک دن آپ علیہما السلام حسن علیہما السلام کے بو سے لے رہے تھے تو اقرع بن حابس تیجی دفعہ

① جامع الترمذی، المناقب: باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي، حدیث: 3772.

② جامع الترمذی، المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن علي، حدیث: 3769.

نے عرض کیا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں نے تو اپنے بچوں کو کبھی نہیں چوما؟  
رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

«مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ»

”جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں ہوتا۔“<sup>①</sup>

سیدنا حسن و حسین علیہما السلام کبھی کھیلتے ہوئے اپنے محترم نانا جان علیہما السلام کو آتے دیکھ کر ان سے لپٹ جاتے اور آپ علیہما السلام کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے، آنحضرت علیہما السلام جھک جاتے اور وہ آپ علیہما السلام کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر سینے کی طرف چڑھ جاتے، آپ علیہما السلام ان کو کندھوں پر اٹھا لیتے یا بغل میں لے لیتے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار آپ علیہما السلام تشریف لائے تو آپ علیہما السلام کے ایک دوش پر حضرت حسن علیہما السلام اور دوسرے پر حضرت حسین علیہما السلام تھے اور آپ علیہما السلام باری باری دونوں کے بوسے لیتے تھے، جب آپ علیہما السلام ہمارے زدیک آئے تو فرمایا: ”جو ان دونوں کو دوست رکھے وہ میرا دوست ہے اور جوان سے دشمنی کرے وہ میرا دشمن ہے۔“<sup>②</sup>

اس قسم کی متعدد روایات کتب احادیث و تاریخ میں مذکور ہیں جن سے آپ علیہما السلام کی اپنے نواسوں سے بے پناہ محبت کا پتہ چلتا ہے۔

### بچپن کے چند واقعات

یہی نہیں کہ نبی اکرم علیہما السلام ہی اپنے نواسوں سے پیار کرتے تھے بلکہ یہ دونوں صاحزادے بھی آپ علیہما السلام سے بے حد منوس تھے اور جب تک اپنے محترم نانا جان علیہما السلام

① صحیح البخاری، حدیث: 5997 و صحیح سلم، حدیث: 2318 ② مستدرک حاکم: 122/3 و 166/3

۔ ولادت باسعادت اور تعلیم و تربیت 75

کو دیکھ نہ لیتے چین نہ پاتے، حضور ﷺ جہاں بھی ہوتے وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچتے۔ مسجد میں، مجلس میں، نماز میں، خطبے میں، ہر جگہ وہ آن موجود ہوتے۔ ایک جمعہ کو حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ حسن اور حسینؑ بھی گرتے پڑتے مسجد میں آپؑ پہنچنے نے انھیں دیکھا تو محبت غالب آگئی، فوراً منبر سے اترے اور دونوں کو اٹھا کر منبر پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔<sup>①</sup>

ایک روز حضرت حسنؑ یا حسینؑ کو لے کر آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان کو الگ بٹھا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب حضور ﷺ سجدے میں گئے تو حسینؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور نانا جان کی پیٹ پر سوار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اس وقت تک سرہ اٹھایا جب تک وہ پشت مبارک سے اترنے گئے۔<sup>②</sup>

اسی طرح ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز میں مصروف تھے کہ حسینؑ آئے۔ اور جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو آپ ﷺ کی گردان مبارک سے لپٹ گئے، آپ ﷺ نے تھوڑی دیر توقف کیا، مگر جب تک وہ علیحدہ نہ ہوئے تو ایک ہاتھ سے انھیں کپڑے رکھا تاکہ گرنے جائیں اور اسی طرح ان کو کپڑے ہوئے قیام ورکوں فرماتے رہے۔<sup>③</sup>

کبھی یہ دونوں صاحزادے نماز کی حالت میں حضور ﷺ کے پاس آ جاتے تو آپ ﷺ کی مبارک ٹانگوں سے لپٹ جاتے۔ آپ ﷺ اپنی مبارک ٹانگیں پھیلا

① سنن أبي داود، الصلاة: باب الإمام يقطع الخطبة لأمر يحدث، حديث: 1109، وجماع الترمذى، المناقب، باب مناقب أبي محمد الحسن بن على، حديث: 3774، وسنننسائي، الجمعة، باب نزول الإمام عن المنبر قبل فراغه.....، حديث: 1414، سنن ابن ماجه،اللباس، باب ليس الأحمر للرجال، حديث: 3600. ② سنن نسائي، التطبيق، باب هل يجوز أن تكون سجدة أطول من سجدة، حديث: 1142. ③ مستدرك حاكم: 167/3.

دیتے تاکہ درمیان سے نکل جائیں..... ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کسی دعوت پر تشریف لے جا رہے تھے راستے میں دیکھا کہ حسین بن علیؑ کوں سے کھیل رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں پکڑنے کو باتھ بڑھایا مگر وہ ادھراً دوڑنے لگے، آنحضرت ﷺ بھی مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ بھاگتے رہے اور آخر پکڑ کر ان کا منہ چوم لیا۔<sup>①</sup>

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ پیارے نواسوں حسن و حسینؑ سے کس قدر محبت رکھتے اور کس طرح ان کی دلداری فرماتے تھے اور کسی حالت میں بھی ان سے ناراض و خشمگیں نہ ہوتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس سنت نبوی پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین)

### بچپن کے مشاغل

حضرت حسینؑ اپنے بھجویوں کے ساتھ کھیل کو دکرتے تھے۔ عرب کے بچ کبڈی کی قسم کا ایک کھیل کھیلتے تھے، جسے عاقب یا عقاب کہتے ہیں، حسینؑ بھی اس میں شریک ہوتے اور اس کا اشتیاق رکھتے تھے۔ کبھی کبھی کنکروں اور ڈنڈوں سے بھی کھیلتے اور کبھی کنکروں اور ٹھیکریوں سے شغل فرماتے۔ بھاگ دوڑ میں بھی حص لیتے۔ ایک بار دوڑکوں سے دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے کہ سیدنا علیؑ نے روک لیا۔ انہوں نے کہا: ”ابا جان! آپ ہمیں اس لیے روک رہے ہیں کہ ہم اللہ کے سپاہی نہ بن سکیں؟“ حضرت علی المرتضیؑ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور دوڑ نے کی اجازت دے دی۔

اسی طرح آپؑ بچوں میں کھیل رہے تھے اور کشتو لڑنے کا مشغله ہو رہا تھا آپؑ نے چند بچوں کو کئی دفعہ چھاڑ دیا، آنحضرت ﷺ بھی یہ متظر دیکھ رہے تھے جب کھیل

① مستدرک حاکم: 3/177.

۷۷۔ ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

فتم ہوا تو حضور ﷺ نے قریب جا کر حضرت حسین بن علیؑ کو اٹھالیا اور فرمایا:

”یہ شجاع ابن شجاع بہادر بینا ہوگا۔“

الغرض حضرت حسین بن علیؑ کے کھیل عام طور پر سپاہیانہ اور مجاہدانہ ہوا کرتے تھے، جس سے فوجی قوت اور مجاہدانہ اسپرٹ پیدا ہوتی تھی۔ آپ ﷺ غلیل سے بھی نشانے لگایا کرتے تھے اور اسی مشغلوں نے ذرا بڑے ہو کر آپ کو تیر اندازی کا ماہر بنادیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت حسین بن علیؑ نے لکڑی کی ایک تلوار بنوائی ہوئی تھی جس سے تنخ زنی کی مشق کرتے تھے۔ اور حق تو یہ ہے کہ سیدنا حسین بن علیؑ کے یہی وہ مشاغل تھے جنہیں اختیار کرنے سے آپ بڑے ہو کر مجاہد اعظم بنے، تلوار کے دھنی کہلانے، متعدد جنگوں میں پامردی سے لڑے اور آخر میں میدان کرbla میں اپنی شمشیر جہانگیر کے جوہر دکھائے۔ جس کا تذکرہ اپنی جگہ آئے گا۔

## تعلیم و تربیت

اوپر کے واقعات سے یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت حسین بن علیؑ کے نانا محترم ﷺ اور والدین گرامی قدر چپکے سے ان کے لاؤ پیار، اور چاؤ چونچلے ہی دیکھتے رہتے تھے۔ نہیں جہاں کسی بات سے روکنے کی ضرورت ہوتی، روک دیتے، کوئی ناجائز بات دیکھتے تو منع فرماتے، ان کی اصلاح پر توجہ دیتے اور فرمادیتے کہ بینا! یوں نہیں، یوں کرنا چاہیے، یہ کام ناجائز ہے، یہ جائز ہے، فلاں بات بری ہے فلاں اچھی۔ یوں بولنا چاہیے، یوں نہیں بولنا چاہیے۔ بڑوں سے یوں گفتگو کرنی چاہیے، کھانے پینے، اٹھنے پیٹھنے، سونے جانے کے یہ یہ آداب، یہ یہ قواعد اور یہ یہ اوقات ہیں، غرض انھیں پورے اخلاق و آداب سکھائے۔

یہ ٹھیک ہے کہ سیدنا حسن اور حسین بن علیؑ کو رسول اللہ ﷺ سے تربیت پانے اور تعلیم

نکاح و ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

۷۸

حاصل کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا اور وہ ابھی کم سن ہی تھے کہ اپنے نانا جان علیہ السلام اور اپنی والدہ سیدہ فاطمہ علیہما السلام کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے، حسین علیہ السلام تو صرف سات ہی برس کے تھے، جب کہ نبی علیہ السلام کاظل ہمایوں ان کے سر سے اٹھ گیا اور ساری ہے سات سال کی عمر میں شفیق ای جان علیہما السلام بھی اللہ تعالیٰ سے جا ملیں۔ إِنَّ اللَّهَ وَإِنَّا  
إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

لیکن اس کم عمری میں بھی انہوں نے بہت کچھ سیکھ لیا اور وقت طلبی میں ہی ان کا ذہن مانجھ دھل کر صاف ہو گیا، ذہنِ رسمیں جلا اور چمک پیدا ہو گئی، قوت اور اک نے ترقی حاصل کی، فہم و شعور کو فروغِ نصیب ہوا، حافظہ میں تیزی اور ذکاوت جلوہ گر ہوئی اور جس بچے کو امت کا ہیر و بننا تھا تدرست نے لڑکپن میں ہی اس کو صیقل کر کے مصطفیٰ و محبی فرمادیا۔

بے سبب خلق نہیں کہتی ہے فرزانہ اسے  
اس کے بچپن میں ہی آثار نمایاں ہوں گے

امام ہمام علیہ السلام کی والدہ ماجدہ علیہما السلام چونکہ اپنے والد محترم علیہ السلام سے پوری تربیت یافتہ تھیں، اس لیے انہوں نے بھی جہاں ممکن ہوا، ان کی تعلیم و تربیت پر خوب دھیان دیا۔ سیدہ فاطمۃ الزهراء علیہما السلام کا یہ طریقہ تھا کہ جب اپنے فرزندوں میں کوئی لغزش پاتیں، فوراً انھیں متنبہ کرتیں، چنانچہ ایک واقعہ سنینے! ایک دفعہ حسن اور حسین علیہما السلام کسی بات پر آپس میں بھگڑ پڑے اور لڑتے بھگڑتے اپنی والدہ کے پاس پہنچے۔ ایک نے کہا: میرے ساتھ اس نے لڑائی کی ہے، دوسرا بولا: اس نے مجھے مارا ہے، محترمہ فاطمۃ الزهراء علیہما السلام نے دونوں کے بیان سے، پھر فرمایا: میں نہیں جانتی کہ کس نے مارا ہے اور کس نے مار کھائی ہے، میرے نزدیک تم دونوں مجرم ہو، تم دونوں نے آئیں خدا اور قانون نبیوی علیہ السلام سے روگردانی کی ہے، بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا تھا: لَا تُقْسِدُوا فِ

**الارض** : ”زمین میں لڑائی جھکڑے نہ کرو“ اور تم لڑتے بھرتے ہو، جاؤ جا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اپنے گناہ بخشواؤ، دونوں صاحبزادوں نے والدہ ماجده کا انتباہ سناتو درگاہ ایزدی میں جا حاضر ہوئے۔ اور تائب ہو کر آئندہ صلح و صفائی سے رہنے کا اقرار کیا۔ دیکھیے! حضرت حسین علیہ السلام کی کس طرح تربیت ہو رہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے صدقہ خیرات کو اپنی آل اولاد کے لیے منوع قرار دیا تھا۔ ایک بار صدقے کی کچھ کھجوریں نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں لائی گئیں، اس وقت حضرت حسن علیہ السلام بھی حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے فوراً ایک کھجور لے کر منہ میں ڈالی اور چبانے لگے، حضور پر فوراً علیہ السلام نے دیکھا تو ان کے منہ میں انگلی ڈال کر فرمایا: ”کچھ کچھ“ ”اگل دو، اگل دو“ کیا تجھے معلوم نہیں کہ خاندان نبوت میں صدقے کا مال کھانا جائز نہیں.....؟“ پس وہ کھجور ان کے منہ سے باہر نکال دی گئی۔ <sup>①</sup> اس کے بعد زندگی بھر حسین علیہ السلام نے کسی چیز کو خود بخود ہاتھ نہیں لگایا۔ جو چیز آنحضرت علیہ السلام یا سیدنا علی علیہ السلام و فاطمۃ الزہرا علیہما السلام دیتے کھالیتے۔

خیال کرو! جس بچے کی ایسی تربیت ہو رہی ہو، اسے بچپن میں ہی حرام حلال کی تحریک کیوں نہ ہو؟ ..... وہ دین کے ضروری مسائل سے کیوں واقف نہ ہو جائے .....؟ یہ ایسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ پانچ سال کی عمر میں انہوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی اور چھ سال کی عمر میں روزے رکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔

رسول کریم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت حسین علیہ السلام اپنی والدہ ماجده اور اپنے والد بزرگوار سے تربیت پانے لگے، مگر ان کی والدہ ماجده علیہا السلام بھی ان کو خورد سال چھوڑ کر ہی فردوس کو سدھا رکھ گئیں۔

<sup>①</sup> صحيح البخاري، الزكاة: باب ما يذكر في الصدقة للنبي ﷺ، حدث: 1491 - صحيح مسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ، حدث: 1069.

### ۶۰۔ ولادت باسعادت اور تعلیم و تربیت

80

تاریخ سے ثابت ہے کہ وفات نبوی کے بعد حضرت حسن و حسین علیہما السلام نے ممتاز صحابہ کرام علیہم السلام سے تعلیم پائی اور انھوں نے آپ کو خوب ٹریننگ دی، چنانچہ ابو بکر صدیق علیہ السلام، سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان غنی علیہما السلام سے آپ نے خوب استفادہ کیا، اپنے والد معظم سیدنا علی مرتضی علیہ السلام سے بھی آپ ماتع حدیث کرتے اور علوم دینیہ پڑھتے تھے، حضرت حسین علیہ السلام تو خصوصیت سے اصحاب کبار علیہم السلام سے تعلیم و تربیت پاتے رہے، امام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ علیہما السلام سے بھی آپ نے بہت فیضان حاصل کیا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

”میں نے جس قدر تعلیم صدیق اکبر علیہ السلام اور فاروق عظیم علیہما السلام سے پائی ہے، اتنی کسی اور سے نہیں پائی اور جو کچھ ان سے سیکھا ہے کسی دوسرے سے نہیں سیکھا۔“<sup>①</sup>  
 القصہ سیدنا حسین علیہ السلام کو انھی بزرگ ہستیوں سے تعلیم اور تربیت حاصل کرنے کا موقع نصیب ہوا، جو خود نبی کریم علیہ السلام کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے اور دارالعلوم نبویہ سے سند فضیلت لے کر نکلے تھے اور انھی کے فیضِ صحبت سے امام عالی مقام علیہ السلام نے دینی و دنیوی امور میں دستگاہ کامل حاصل کی۔

### نمانج تربیت

رسول اللہ ﷺ، سیدنا علی علیہ السلام، سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہما السلام اور صحابہ کرام علیہم السلام سے ٹریننگ لینے کا یہ اثر ہوا کہ حسین علیہ السلام کے جو ہر کھل گئے، دل و دماغ روشن ہو گئے اور چھوٹی عمر میں ہی شعور و ادراک کی قوتیں مضبوطی پکڑ گئیں، بعض وفہ تو آپ علیہ السلام ایسی معقول باتیں کر دیتے کہ بڑے بڑے عقائد حیران رہ جاتے، ذہانت و فطانت اور فہم و ذکاء کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ سن لیتے، مدت العمر دماغ سے نہ نکلتی، بچی تلی

① تاریخ الشهداء۔

گفتگو کرتے، معقول و مدلل جواب دیتے اور ایسے خوبصورت طریقے سے بیان کرتے کہ سامعین انگشت حیرت چبانے لگتے، اس سلسلے میں دو تین واقعات قارئین کی نذر ہیں۔ ایک دفعہ سیدنا حسین علیہ السلام پس بزرگ نانا جان علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے، علم و عرفان کی محفل جبی ہوئی تھی، اسی مجلس میں آنحضرت علیہ السلام نے ان سے پوچھا: فرزند عزیز! بتاؤ، مرتبہ میں ہم بڑے ہیں کہ تم؟ حضرت حسین علیہ السلام را تأمل کے بعد بولے: ”نانا جان! گستاخی معاف ہو تو عرض کروں، رب تبے میں تو ہم ہی بڑے ہیں۔“ حضور علیہ السلام نے پوچھا: ”وہ کیسے .....؟“ حضرت حسین علیہ السلام نے عرض کیا: ”جناب! ذرا غور تو سمجھیجی! جیسے میرے باپ علیہ السلام ہیں جن کی شان میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”أَنْتَ مِنِّي بِمِنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ“<sup>۱</sup> اور جن کے متعلق آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَوْ قَالَ يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ“<sup>۲</sup> کیا ایسے باپ آپ علیہ السلام کے بھی تھے؟ اور جیسی ہماری والدہ فاطمۃ الزہر امیتیماں ہیں، جن کو آپ علیہ السلام نے «سیدۃ نساء أهل الجنۃ»<sup>۳</sup> کا خطاب دے رکھا ہے اور جن کی نسبت آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: »فَاطِمَةُ بِضْعَةُ مِنِّي«<sup>۴</sup> کیا ویسی ماں آپ کی بھی تھیں؟ اور جیسے ہمارے نانا خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ علیہ السلام ہیں، کیا ویسے آپ علیہ السلام کے نانا بھی تھے؟“

جملہ حاضرین ایک کم سن بچ کے منہ سے برخۃ اور معقول جواب سن کر حیران رہ گئے اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ السلام بھی ان کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔

<sup>۱</sup> صحيح البخاری، المغازی، باب غزوۃ تبوک، حدیث: 4416. وصحیح مسلم، فضائل الصحابة علیہما السلام، باب من فضائل علی بن أبي طالب، حدیث: 2404. <sup>۲</sup> صحيح البخاری، الجهاد والسریر، باب ما قيل في لواء النبي ﷺ، حدیث: 2975. وصحیح مسلم، حدیث: 3624. <sup>۳</sup> صحيح البخاری، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث: 2407. <sup>۴</sup> صحيح البخاری، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ، حدیث: 3714، وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضی اللہ عنہا، حدیث: 2449. <sup>۵</sup> سوانح عمری، حضرت حسین علیہ السلام، صفحہ: 12.

(۱) ولادت با سعادت اور تعلیم و تربیت

82

سیدنا حسن بن علیؑ اور حسین بن علیؑ میں ایک دفعہ شخص ہو گئی اور دونوں نے تھوڑی دیر کے لیے علیحدگی اختیار کر لی۔ کسی نے حضرت حسین بن علیؑ کو حضرت حسن بن علیؑ کا پیغام دیا کہ اگر میرا چھوٹا بھائی میرے پاس مغدرت کرنے آجائے تو میں فوراً صلح کر لوں گا۔ حضرت حسین بن علیؑ نے فرمایا: بھائی جان سے کہہ دو کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور معافی مانگنے کو ہر وقت تیار ہوں، لیکن میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص روٹھے ہوئے کو منانے جائے اور معافی مانگنے میں سبقت کرے وہ معافی دینے والے سے پہلے جنت میں جائے گا۔ اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے بڑے بھائی سے پہلے بہشت میں داخل ہوں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اپنا مرتبہ بڑھانے اور مجھ سے پہلے جنت میں جانے کے لیے خود میرے پاس تشریف لے آئیں اور میری دل بھوئی فرمائیں۔ حضرت حسن بن علیؑ نے یہ پیغام سناتا تو بہت ہنسے اور فوراً حضرت حسین بن علیؑ کے پاس جا کر ان کی دلداری کرنے لگے۔<sup>①</sup>

پھر اس تربیت کے تحت دوسروں کو دینی مسائل سکھانے کا طریقہ دیکھیے، ایک دفعہ کی بات ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین بن علیؑ نماز سے پہلے مسجد میں کھیل رہے تھے۔ ایک بوڑھا اعرابی آیا اور وضو کرنے بیٹھ گیا۔ وہ ابھی وضو کرنے کے مسنون طریقے سے واقف نہ تھا۔ دونوں صاحبزادوں نے دیکھا کہ وہ بے چارہ غلط وضو کر رہا ہے، کبھی پاؤں پر پانی ڈالتا ہے اور کبھی چہرے پر چھینتے مارتا ہے، تو انہوں نے اس کا مذاق اڑانے کی بجائے یہ کیا کہ اس کے قریب بیٹھ گئے، ایک نے دوسرے سے کہا: ”لو بھائی، میں وضو کرنے لگا ہوں اگر کہیں غلطی ہو جائے تو بتا دینا۔“ یہ کہہ کر اس نے وضو شروع کیا اور دیدہ دانستہ وہی غلطی کر دی، جو بوڑھے اعرابی نے کی تھی۔ دوسرے نے روکا اور آگاہ کیا کہ یوں نہیں یوں کرنا چاہیے، محترم ابا جان اسی طریقے سے وضو

<sup>①</sup> تہذیب تاریخ دمشق: 7/129.

کرتے ہیں، بوڑھے نے یہ دیکھا تو اپنی غلطی کا ازالہ کر لیا۔ اور درست طریقے سے وضو مکمل کر لیا اور اس کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ بچے مجھے تعلیم دے رہے ہیں<sup>①</sup> سجان اللہ! کیسی دانائی اور کیسی زیریکی ہے، اور یہ سب بزرگوں کی صحبت میں رہنے اور ان سے تربیت پانے کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ناقدین و تقاضادین کو بھی یہ فکر و دانش عطا فرمائے ورنہ یہ توزہ میں ڈبو کر دوسروں پر سیدھے تیر پھینکتے ہیں۔ جس کا اکثر ثابت کی جگائے مخفی اثر ہوتا ہے۔

ایک مجلس میں سیدنا علی المرتفع علیہ السلام وعظ فرمارہے تھے اور حسین علیہ السلام بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، اس وقت آپ کی عمر یہی کوئی آٹھ نو برس کے قریب تھی، ایک سائل نے جناب مرتفع علیہ السلام سے پوچھا: ”یہ تو بتائے کہ از روئے شریعت سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟“ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنے والد معظم کی طرف دیکھا اور عرض کیا: ”اگر بے ادبی نہ ہو اور آپ اجازت دیں تو اس کا جواب میں دے دوں۔“ سیدنا علی علیہ السلام نے مسکرا کر اجازت دے دی، سیدنا حسین علیہ السلام نے کہا کہ میرے نانا جان علی علیہ السلام کی حدیث ہے:

الْعَاقِلُ مَنْ عَقِلَ لِسَانَهُ إِلَّا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

”وہی شخص سب سے بڑھ کر دانا ہے جو اپنی زبان قابو میں رکھے۔ اور بجز ذکر الہی اور اچھی بات کے اس کو استعمال نہ کرے۔“<sup>②</sup>

آپ علیہ السلام کے اس مدلل اور دانشمندانہ جواب سے سائل اور حاضرین مجلس بہت حیران ہوئے، سیدنا علی علیہ السلام نے آپ کو گلے سے لگا کر منہ چوم لیا..... یہ تھا پاک تعلیم کا پاک اثر!

① البداية والنهاية: 208/8. ② ”حسین علیہ السلام کا“ صفحہ: 102.

## حضرت جد مختارم ﷺ کا فرقہ

آخر وہ وقت آپنے کہ سیدنا حسن اور حسینؑ کے گرامی منزالت نانا جان ﷺ اپنے معصوم نواسوں کو آغوش شفقت سے محروم کر دیں اور دنیاۓ فانی کو چھوڑ کر اپنے اللہ سے جامیں۔

جب رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت کے ایام آئے، تو شروع شروع میں دونوں صاحبزادے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور شفقت فرماتے، لیکن جب حضور ﷺ کی بیماری بڑھ گئی اور حالت خراب ہوتی گئی، تو صاحبزادوں کو آپ ﷺ کے قریب آنے سے روک دیا گیا، تاکہ وہ اپنے بیمارے نانا جان ﷺ کی حالت دیکھ کر رونے نہ لگیں اور ان کے نشے سے دل چوٹ نہ کھا جائیں، لیکن آخر انھیں حضور ﷺ کی شدت مرض کا حال معلوم ہو ہی گیا۔ اور وہ آہ و زاری میں مصروف رہنے اور یاس و قوط کے سمندر میں غوطے کھانے لگے، جن خوبصورت زبانوں سے بیماری بیماری باقی نکلتی تھیں وہ نانا جان ﷺ کے غم میں مسکوت کی طرح خاموش ہو گئیں، جو پھول سے جسم بیمارے نانا جان ﷺ کو دیکھ کر خوشی سے کھل جاتے تھے، وہ مُر جھا کر رہ گئے اور حزن و ملال نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

ایک دن سرور دو عالم ﷺ نے دونوں نوہالوں کو بلایا، وہ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ کی حالت دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، پھر اپنی والدہ کو روتے دیکھاتو اور بے چین ہوئے اور سمجھ گئے کہ حضور پر نور ﷺ ہمیشہ کے لیے جدا ہونے والے ہیں۔ حضور ﷺ نے انھیں چپ کرایا، بیمار کیا، چوما، تسلی دی۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انھیں پیار کرنے کے بعد حاضرین کی طرف توجہ فرمائی اور ان دونوں

کے ساتھ دوسرے اہل بیت ﷺ کا احترام کرنے اور خیال رکھنے کی وصیت فرمائی۔<sup>①</sup>  
اس کے تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ پر نزع طاری ہوئی، اور جناب رحمۃ للعالمین  
«اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى» کا ورد کرتے ہوئے اپنے مولا کی آغوش رحمت میں  
چلے گئے۔<sup>②</sup>

سید الکونین ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسن ﷺ کی عمر آٹھ اور حضرت  
حسین ﷺ کی عمر سات سال تھی، دونوں شہزادوں کو نانا جان ﷺ کی فراقت کا بے حد  
صدمة ہوا۔ وہ تربت رسول ﷺ پر جاتے۔ اشک غم بہاتے اور اللہ سے دعائیں  
ماقنتے۔ حضرت حسین ﷺ تو فرطالم میں کبھی حضور ﷺ کو آوازیں بھی دینے لگتے تھے  
اور جس جگہ حضور ﷺ علم و عرفان کی مجلس لگاتے تھے وہاں جاتے تو ان کا اضطراب  
اور بھی بڑھ جاتا۔

### پیاری امی جان ﷺ کی مفارقت

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت حسین ﷺ اپنی پیاری امی جان سیدہ  
فاطمۃ الزہراءؑ کے زیر سایہ تربیت پانے لگے، سیدہ فاطمہؑ کا ہر طرح خیال  
رکھتیں، ان کی دلبوئی فرماتیں اور ان کو دین حق کے علم و عمل سے روشناس کرتیں۔  
لیکن آہم آہ! کہ نئھے حسین ﷺ کے قلب و جگر سے ابھی پیارے نانا جان ﷺ کا  
زخم جدائی مُندمل نہ ہوا تھا کہ اپنی مشق امی جان سیدہ فاطمہؑ بھی انھیں دائی داع  
فرق دینے کو تیار ہو گئیں۔

① رحمة للعالمين : 250 بحواله مدارج النبوة : 2/ 584، تهذیب تاریخ دمشق لابن عساکر : 124/ 7. ② صحیح البخاری، المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته حدیثہ 4438 وصحیح مسلم، فضائل الصحابةؓ: باب فضائل عائشة ام المؤمنین رضی اللہ عنہا حدیث: 2444.

سیدہ فاطمہ علیہ السلام ستر عالالت پر دراز تھیں، مرض زور پکڑ چکا تھا اور وہ ساعت قریب آچکی تھی جس سے کسی کو مفرغ نہیں ہے، وفات سے ایک روز پیشتر تھیں، اپنے دست مبارک سے آٹا گوندھ کر پاس رکھ لیا اور فرزندانِ دلبند کے سر دھونے لگ گئیں، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے تو سیدہ فاطمہ علیہ السلام کو مصروف دیکھ کر ٹھنڈ ک گئے۔ پوچھا: اے بعض رسول اللہ علیہ السلام! یہ کیا؟ کہ یہاری کے غلبہ سے مجھے اٹھنا دشوار تھا اور پھر فراق پدر میں تو شب و روز روئی رہتی اور سب کام چھوڑ بیٹھی تھی، لیکن آج خلاف معمول یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہ آٹا پاس گوندھا پڑا ہے، بچوں کے کپڑے بھگو کر الگ رکھے ہیں اور ان کے بال بھی خود دھو رہی ہیں۔ لبی لبی زہرا علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ابا جان علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مجھے اپنے پاس بلا رہے ہیں اور مجھے خوش خبری دی ہے کہ جلد ہی مجھ سے آملوگی۔ اس لیے خیال آیا کہ بچوں کے کپڑے اور بال دھو کر صاف کرلوں اور انھیں اپنے ہاتھ کی روٹی بھی کھلا جاؤں۔ سیدہ فاطمہ علیہ السلام بچوں کو نہلا دھلا کر ان کے بال سنوارے، کپڑے پہنانے اور روٹی پکا کر کھلانی اور فرمایا: واری جاؤں، ذرا مسجد نبوی تک ہواؤ، اپنے لیے بھی دعا مانگو، میرے لیے بھی دعا کرو، دونوں شہزادے چلے گئے اور خاتون جنت پر لیٹ گئیں، حالت ساعت بساعت خراب ہوتی گئی۔ اور دوسرے دن بھی اپنے پیارے ابا جان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئیں۔<sup>①</sup> اس وقت سیدنا حسین علیہ السلام کی عمر ساڑھے سات برس کی تھی۔ ان کو والدہ معظمه علیہ السلام کی وفات کا سب سے زیادہ قلق ہوا، بچے ہی تو تھے، کہاں تک صبر کرتے، سخت گریہ زاری کی، مگر سیدنا علیہ السلام کے سمجھانے پر: ”بیٹا! اللہ تعالیٰ صابروں کو پسند کرتا ہے، بے صبروں کا ساتھی نہیں ہے۔ آخر صبر آہی گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يُؤْفَى الصَّابِرُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

① مستدرک حاکم: 3/163, 164.

”صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے پورا پورا اجر دیا جائے گا۔“<sup>①</sup>

### ابا جان ﷺ کا ظلٰی ہمایوں

دونوں مشفقوں، یعنی نانا جان اور امی جان کے انتقال پر ملال کے بعداب ”بے نانا“ اور ”بے ماں“ کا حسین ﷺ پدر بزرگ ﷺ کے سایہ عافظت میں تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے توحید کے اس عظیم فرزند بننے والے بیٹے کی خوب پروش کی، اس کو عمدہ تربیت دی، اس کی تعلیم و تدریس پر توجہ فرمائی، اس زمانے میں کالجوں اور یونیورسٹیوں اور مغربی طرز کے بڑے بڑے سکولوں کا رواج تو تھا نہیں، بچوں کو تعلیم گھر پر دی جاتی تھی، یا مسجد و مجلس میں، اس وقت علمی محفلیں منعقد ہوتی تھیں جن میں علوم دینیہ اور معرفت الہی کے موقی بکھیرے جاتے تھے، جناب حیدر کرار کرم اللہ وجہہ بھی اپنی مجلس میں قرآن کریم اور حدیث شریف کا درس دیتے اور تشنگان کتاب و سنت کی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس درس میں شرکت فرماتے، کلام اللہ معظم کے روزوں و معارف سے بہرہ انداز ہوتے، سماع حدیث کرتے اور مسائل و احکام شریعت کے حل عقد کے انداز لے کر سمجھتے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مدرسہ نبوت کے سند یافتہ اور بچپن سے دنیا کے سب سے بڑے معلم کی شاگردی میں رہے تھے، اس لیے جس طرح وہ خود سنت رسول اللہ ﷺ پر پابندی سے عمل فرماتے تھے اور جس طرح وہ خود قرآن و حدیث سے تمک فرماتے تھے، اسی طرح دوسروں کو بھی مسلک نبوی پر چلنے کی تلقین کرتے اور اپنی اولاد اطہار کو بھی اسی طریق پر چلاتے تھے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ سے کافی استفادہ کیا اور ہر ممکن فیض حاصل کیا۔

روایت ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام نے فون حرب میں خاص طور پر سیدنا علی علیہ السلام سے مشق بھم پہنچائی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گھڑ سواری، تیر اندازی، تنق زنی، مجاہدہ وغیرہ جیسے سپہ گری کے اصول و قواعد سیکھے۔ سیدنا علی علیہ السلام جب کبھی آیات متعلقہ حکم جہاد تلاوت کرتے تو حضرت حسین علیہ السلام سے جہاد کے طریقے دریافت کرتے، جنگ کے ڈھنگ پوچھتے۔ اور جب سیدنا علی علیہ السلام کو سمجھاتے کہ جہاد و قتال کے یہ دستور ہیں، تو پھر حسین علیہ السلام استدعا کرتے کہ مجھے عملی طور پر اس کی تربیت دی جائے۔ سیدنا علی علیہ السلام کی درخواست پر انھیں جنگی مشقیں کراتے اور ان کو محاربات کی عملی تعلیم دیتے۔ حسین علیہ السلام کے اسی اشتیاق کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ جہاد و قتال کے فون و آداب میں ماہر کامل ہو گئے، جنگوں میں صحابہ کرام علیهم السلام کے ہمراکاب رہ کر دادشجاعت لی اور اکثر معزکوں میں فی سبیل اللہ رکرناام پیدا کیا۔



## سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرات خلفائے ثلاثہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم پر مخالفین جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے حقوق ادا نہیں کیے اور سیدنا نبی کریم ﷺ کی وصیتوں کے خلاف عمل کر کے آل رسول کو تکلیفیں پہنچاتے اور ان سے دشمنی کرتے رہے۔ یہ الزام سرا سر غلط، بے بنیاد اور خانہ ساز ہے، اور محض رافضیت اور خارجیت کی نشوونما اور مخا صحتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ترقی دینے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رحلت فرمانے کے بعد اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم مددوح نے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم، حضور کی آل اطہار سیدہ فاطمہ زینب، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ خدمت کی، ان کے حق کو سب پر مقدم سمجھا، ان کے معقول و ظیفے متعین کیے اور ان کی فضیلت و فوقيت پر سرتسلیم خم کیے رکھا، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ خسیں جان سے بھی زیادہ عزیز تھے اور وہ ان پر سب کچھ پچاہوں کے لیے تیار رہتے تھے۔ ہاں! اہل بیت رضی اللہ عنہم اور آل اطہار کی طرف سے جو مطالیب حکم شریعت کے خلاف کیا جاتا ان کو آئین اسلام کی عائد کردہ رکاوٹوں کی وجہ سے نہیں مانتے تھے، مثلاً: سب سے بڑا الزام اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر دھرا جاتا ہے کہ انہوں نے باغ فدک اور دوسرا املاک نبوی کو غصب کر لیا اور اس کا بقشہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ زینب کو نہیں دیا۔

سیدنا حسین بن علیؑ اور عبد صحابہؓ میں سے۔ ۹۰

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا صحابہ موصوف ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کی جا گیر پر خود قبضہ کر لیا تھا؟ یا انہوں نے بیچ کھائی تھی؟ نہیں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ یہ املاک انہوں نے بیت المال کو دے دی اور اس کو قومی ملکیت بنادیا تھا اور یہ نبی ﷺ کے اس فرمان کے بموجب کیا گیا:

«إِنَّا مَعْشَرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُرْثَ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ»

”ہم جو پیغمبروں کا گروہ ہیں ہم کوئی وراثت وغیرہ نہیں چھوڑتے، ہمارا جو تو کہ بھی ہوتا ہے وہ صدقہ و خیرات ہوتا ہے۔“<sup>①</sup>

اس ارشاد نبوی کے تحت ابو بکر، عمر، عثمانؓ نے سیدنا علیؑ فاطمہؓ کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا، مگر پھر بھی سیدنا علیؑ تاحدت تک اس جا گیر سے فائدہ اٹھاتے رہے اور اس کی آدمی اسعمال میں لاتے رہے، اور پھر آنحضرت ﷺ تو یہ دعا فرمائے تھے:

«اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوَّةً»

”اے اللہ! محمد ﷺ کی آل کو صرف اسی قدر روزی دینا، جس سے بس ان کی زندگی قائم رہ سکے۔“<sup>②</sup>

ہتا یے! اس دعا کی موجودگی میں آں رسول ﷺ کو جا گیروں، جائیداووں، باغوں، زمینوں اور خطیر رقوموں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے اور اللہ سے لوگانے والے تھے اور دنیا و علاقت دنیا سے کوئی علاقت نہ رکھتے تھے..... تاہم تاریخ کے اور اقل اللئے سے معلوم ہو جائے گا کہ اصحاب شلاشؓ نے ان کو سب کچھ

<sup>①</sup> سنن نسائی فی الکبری: 4/64، حدیث: 6309 واللفظ له، ومسند أحمد: 2/463.

<sup>②</sup> صحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن للمؤمن، حدیث: 7440.

دیا اور ان کی ضرورت اور احتیاج سے کہیں بڑھ کر دیا اور اپنے عزیزوں کو پیچھے ہٹا کر پیغمبر ﷺ کے عزیزوں کا زیادہ خیال رکھا۔ سیدنا ابو بکر ؓ نے اسی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! اپنے اقربا سے صدر جمی کی نسبت یہ بات مجھے کہیں زیادہ عزیز ہے کہ میں آپ ﷺ کے اقربا سے صدر جمی کروں۔<sup>①</sup> ہم دیکھیں کہ تینوں خلفاء نے سیدنا حضرت حسین بن علیؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ کیونکہ سیدنا حسین بن علیؑ ہی اس وقت ہمارا موضوعِ خن ہیں۔ اگر آپ خلافتِ ثلاثہؑ پر تفصیلی معلومات چاہتے ہوں تو ہماری کتاب ”خلافتِ راشدہ“ کا مطالعہ کیجیے جس میں متعدد جید علماء کے مقالات سمجھا کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اپنے موضوع پر بہترین اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔

### سیدنا حسین بن علیؑ اور ابو بکر صدیق بن علیؑ

حضرت صدیق اکبرؑ کا عہد خلافت گو بہت منحصر، یعنی کوئی سوا دوسال کے قریب رہا، مگر جتنا عرصہ بھی آپ زندہ رہے، اہل بیت ﷺ کا بہت خیال رکھتے تھے اور حضرت حسین بن علیؑ پر تو آپ جان پنجاور کرتے تھے، سیدنا صدیق اکبرؑ خود لوگوں کو تاکید فرماتے کہ ان کی عزت اور خدمت کرو، ان کا حق پہچانو، ان کو ضرورت سے زیادہ دو اور ان کو خوش رکھو۔

حضرت حسین بن علیؑ اکثر حضرت ابو بکر صدیق بن علیؑ کے پاس جاتے اور ان سے دینی و دنیوی فوائد حاصل کرتے، مسائل و احکام سیکھتے، امور ضروری سے واقفیت حاصل کرتے۔ صدیق اکبرؑ نے ایک دفعہ فرمایا: اے حسین بن علیؑ! تم مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہو، اس لیے کہ تم میرے آقائے نامدار کے نواسے اور میرے پیارے دوست علی مرتضیؑ کے فرزند اور جگر گوشہ رسول فاطمۃ الزہراؑ کے نور نظر ہو، تم حسین

<sup>①</sup> صحیح البخاری، المناقب، حدیث: 3712

(بھگر) سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد صحابہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۶۹۲

جس چیز کی ضرورت ہو، مجھ سے ضرورت پوری کرو اور بلا جھک کہہ دیا کرو کہ فلاں شے کی طلب ہے، اگر مجھ سے نہ کہہ سکو تو اپنی نانی جان عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا کرو۔<sup>①</sup>  
حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار خلافت میں جاتے تو ابو بکر صدیق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کران کو سینے سے لگاتے اور پیشانی پر بوسہ دیتے، ایک دفعہ امام مددوح صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چپکے سے انہیں کچھ رقم دی اور کہا: ”یہ اپنی والدہ ماجدہ (سیدہ فاطمہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس لے جاؤ اور اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرو۔“<sup>②</sup>

الغرض سیدنا ابو بکر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی رہے اور ان سے بہت کچھ سیکھتے بھی رہے اور گو حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بچے تھے، مگر صحبت صدیقی نے ان کی صلاحیتوں میں چمک دکھ پیدا کر دی۔

### سیدنا حسین اور فاروق اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیدنا عمر بن الخطاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی مرتبہ شناس تھے اور تمام اہل بیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر کرتے تھے۔ یہ دیکھیے! جس عمر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آل نبی اور اہل بیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن تصور کیا جاتا ہے اور ایک حلقت میں ان کے خلاف دن رات متفہی پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اس کا ایک واقعہ سن لیجیے، ایک دفعہ سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عبداللہ بن عمر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھیل رہے تھے، کھیلتے ہی کھیلتے دونوں میں رنجش ہو گئی، جیسا کہ بچے آپس میں جھگڑ پڑتے ہیں، حضرت حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: ”ارے تو اس بات پر اترار ہا ہے کہ تیرا باپ خلیفہ وقت ہے، مگر تو تو ہمارا غلام زادہ ہے، تیرا باپ ہمارے نانا کا غلام ہے اور میرے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہی اس کو خلافت ملی ہے۔“ یہ سن کر عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس گئے اور

① مآثر الآثار، ② تاریخ الخلفاء۔

سارا ماجرا کہہ سنایا کہ حسین نے مجھے یہ یہ کہا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”کہاں ہیں حسین بن علی؟“ مجھے ان کے پاس لے چلو،“ عبداللہ بن علی آپ کو ان کے پاس لائے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بکمال شفقت کہا: ”اے فرزند رسول ﷺ! تو نے جو کچھ عبداللہ سے کہا ہے، وہی الفاظ میرے سامنے دھرا دے۔“ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے جو کچھ عبداللہ سے کہا تھا، وہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رودرود کہہ دیا۔ فاروق عظیم رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین بن علی کو بازو سے پکڑا اور روضۃ رسول ﷺ پر جا حاضر ہوئے۔ اور روضہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”اے حسین بن علی! تجھے اللہ کی قسم! قیامت کے دن بھی اسی طرح گواہی دینا کہ عمر میرے نانا کا غلام ہے اور اس کی زندگی حبیب خدا کی غلامی میں گزری ہے۔“ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے، آپ آنسو پوچھتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہل بیت ﷺ اور ان کی آل اطہار کا غلام کہلانے اور اس کو ان کی غلامی کی سند مل جائے۔<sup>①</sup>

اسی سے اندازہ سمجھیے کہ جناب فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کو سیدنا رسول مقبول ﷺ، ان کی اولاد علیہما السلام اور ان کی آل علیہما السلام اور ان کے اہل بیت علیہما السلام سے کس قدر والہانہ محبت تھی؟ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے آغاز میں حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی عمر بیہی کوئی نو دس سال کے لگ بھگ تھی۔ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ تقریباً روزانہ ان کے پاس جاتے اور ان سے ضروری تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے، آپ ان کی مجلس میں بیٹھتے، ان سے فائدہ اٹھاتے، ان سے دینی و دنیوی رموز سمجھتے، شرعی معارف سے واقف ہوتے، خلافت کے نکات سمجھتے، حکمرانی کے طریقے اخذ کرتے، جہانیانی کے دستور دیکھتے اور آئینِ اسلام کا مطالعہ فرماتے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی جب تک ان کو دیکھنے لیتے چیزیں نہ پکڑتے، ایک بار سیدنا

<sup>①</sup> ”حسین بن علی سب کا“ صفحہ: 90.

۔ سیدنا حسین علیہ السلام اور عبد صالح بن علی علیہما السلام

94

حسین علیہ السلام دو چار دن آپ علیہ السلام کو نظر نہ آئے، ایک دن ملے تو پوچھا: ”اے حسین علیہ السلام! تم اتنے دن کہاں رہے.....؟ سیدنا حسین علیہ السلام نے کہا: یا امیر المؤمنین! میں فلاں وقت عبد اللہ کے ساتھ حاضر ہوا تھا، مگر آپ سیدنا معاویہ علیہ السلام کے ساتھ خلوت میں گفتگو فرم رہے تھے، اس لیے ہم دونوں لوٹ گئے۔“ عمر فاروق علیہ السلام نے فرمایا: ”واہ! تم نے آ جانا تھا، عبد اللہ کی بات اور ہے، جو تمہارا مرتبہ ہے وہ اس کا نہیں ہو سکتا۔“<sup>①</sup>

ایک دفعہ فاروق عظمیٰ مسجد ممبر پر خطبہ ارشاد فرمائے تھے کہ حسین علیہ السلام جو ابھی چھوٹے ہی تھے آئے اور آتے ہی کہنے لگے: یا امیر المؤمنین! میرے باپ (نانا) کے منبر سے اتر جائیے اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھیے۔ سیدنا عمر علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ”اے ریحان نبی! میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں، پھر اس پر بیٹھوں کیسے؟ اور یہ منبر تمہارے جدہ محترم (نانا جان) نے ہی مجھے سونپ رکھا ہے، جس کی میں خفاظت کر رہا ہوں۔“ پھر آپ علیہ السلام نے ان کو اپنے پاس بٹھا لیا اور فارغ ہونے پر انہیں ساتھ گھر لے گئے۔<sup>②</sup>

نوٹ: یہ تینوں واقعات شخص تاریخی حدیث رکھتے ہیں جو فوں حدیث کی نقد و جرح کے متحمل نہیں۔ انھیں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ بعض مؤرخین نے انھیں بیان کیا ہے ورنہ ہمیں ان پر کوئی اصرار نہیں۔

پھر سیدنا عمر علیہ السلام کی ان سے محبت اور قدر دانی کا ثبوت ایک اور واقعہ سے بھی ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا اور جناب عمر فاروق علیہ السلام سے تقسیم کرنے بیٹھے، تو سیدنا حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کو آپ علیہ السلام نے پانچ ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹھے عبد اللہ کو صرف ایک ہزار دیے۔ اس سے عبد اللہ بن عمر علیہ السلام ناراض ہو گئے، کہنے لگے: ”ابا جان! میں مہاجر ہوں، مقدم الاسلام ہوں، خلیفہ وقت کا بیٹا ہوں، میں زیادہ حق رکھتا ہوں۔“ عمر فاروق علیہ السلام تیوری چڑھا کر بولے: ”عبد اللہ! جو تیر الحق تھا

<sup>①</sup> الاصابة: 1/333. <sup>②</sup> الاصابة: 1/333 - و تاریخ بغداد: 1/141.

مل گیا، جو مرتبہ ان کا ہے وہ تیرانہیں ہو سکتا، یہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں، علیٰ ہمیشہ اور سیدہ فاطمہ علیہما السلام کے لخت جگر ہیں۔ تو ان کے منصب کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔“ اس پر عبد اللہ بن عمر علیہ السلام خاموش ہو گئے۔<sup>①</sup>

اسی طرح ایک بار حاکم یمن نے سیدنا عمر علیہ السلام کی خدمت میں کچھ خلے بھیجے، آپ علیہ السلام نے وہ لوگوں میں تقسیم کر دیے۔ جب آپ علیہ السلام تمام خلے باٹھ چکے، تو حسن اور حسین علیہما السلام بھی تشریف لائے، انھیں دیکھ کر حضرت عمر علیہ السلام کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آپ علیہ السلام نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم لوگوں کو طلے دے کر میں ذرا بھی خوش نہیں ہوا۔ کیونکہ حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کو کوئی حل نہیں دیا گیا۔ اور یہ اس لیے کہ جو طلے تقسیم کیے گئے ہیں وہ ان کے پہنچنے کے لائق نہ تھے۔ آپ علیہ السلام نے حاکم یمن کو لکھا کہ اعلیٰ قسم کے دو خلے جلد بھیج دیجئے۔ اس نے فوراً تعییل حکم کی اور دو بہترین خلے بھیج دیے۔ سیدنا عمر علیہ السلام نے وہ خلے سیدنا حسن اور حسین علیہما السلام کو پہنچادیے اور فرمایا: ”مشکر ہے اس اللہ کا جس نے میرا دل مٹھدا کیا ہے۔“<sup>②</sup>

ان واقعات کو پڑھیے اور بار بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ غالباً، حضرت عمر فاروق علیہ السلام پر کس قدر نظرالازمات لگا رہے ہیں، حالانکہ عمر علیہ السلام وہ ہیں جنہوں نے آل رسول ﷺ اور آل بیت ﷺ کا حق سب پر مقدم اور فائق رکھا اور ان کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کیے، ان کو خلیفہ علیہ دیتے رہے، کثیر قسمیں عطا کرتے رہے، ان کا ادب و احترام بجالاتے رہے اور جنہوں نے اپنے عزیز و اقارب کے حقوق کو ان کے حقوق کے مقابلے میں نظر انداز کر دیا۔

اگر پھر بھی یہ بہتان باندھا جائے کہ عمر (اللہ کی) اس عظیم ہستی پر کروڑوں اربوں

<sup>①</sup> سیر أعلام النبلاء: 285/3. مختصرًا ”تذكرة الخواص“ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ <sup>②</sup> سیر أعلام النبلاء: 285/3، تاریخ کبیر جلد: 4.

سیدنا حسین علیہ السلام اور عبد صحابہ شاheed

96

رضا کیمی نازل ہوں) نعوذ بالله ثم رسول، دشمن آں رسول علیہ السلام اور مخالف الہ بیت علیہ السلام تھا، تو سوائے اس سوچ پر افسوس کرنے اور ہدایت کی دعا دینے کے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

سیدنا حسین علیہ السلام اور عثمان ذوالنورین علیہما السلام

سیدنا حسین علیہ السلام خلافت فاروقی میں ہی عمر رشد و بلوغ کو پہنچ چکے تھے اور سیدنا عثمان غنی علیہ السلام کے عہد میں تو وہ بھر پور جوان تھے۔ عثمان ذوالنورین علیہ السلام نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح آں نبی اور اہل بیت کرام علیہ السلام کے حقوق اور احترام کو ملحوظ رکھا، یوں بھی عثمان علیہ السلام حضرات حسین بن علیؑ کے خالو تھے، آپ قرابداری کے آداب و قواعد سے خوب واقف تھے اور ارشاد نبوی کے مطابق سب کو علی قدر مراتب رکھتے، اور سب کا درجہ و مرتبہ جانتے پہچانتے تھے۔

ایک بار سیدنا عثمان علیہ السلام نے منبر پر خطبہ دیتے وقت خود فرمایا کہ لوگو! رسول اللہ علیہ السلام نے جنتہ الدواع کے بعد غدیر خم کے مقام پر جو تقریر فرمائی تھی، اس کا ایک ایک لفظ یاد کرو اور اس کے ایک ایک حرفاً عمل کرو۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ یا امیر المؤمنین! نبی کریم علیہ السلام نے کیا فرمایا تھا؟ آپ علیہ السلام نے کہا: حضور علی علیہ السلام نے فرمایا تھا:

«إِيَّاهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأَجِيبَ وَأَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوْلَهُمَا كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُّوْا بِكِتَابِ اللَّهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهِ فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ وَرَغَبَ فِيهِ، ثُمَّ وَأَهْلُ بَيْتِيْ أَذْكُرُكُمُ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِيْ، أَذْكُرُكُمُ اللَّهُ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ، أَذْكُرُكُمُ اللَّهُ فِيْ أَهْلِ بَيْتِيْ»

”خبردارے لوگو! پیشک میں انسان ہوں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا

نمازندہ آئے تو میں اس کی دعوت کو قبول کروں، یعنی فوت ہو جاؤں۔ مسلمانو! میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ چلا ہوں، ان میں سے ایک تو اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے جس میں روشنی اور ہدایت ہے، سوال اللہ کی کتاب کو خوب مضبوطی سے پکڑے رکھو اور اس کے ایک ایک حکم پر عمل کرو۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی رغبت دلائی۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ﷺ ہیں۔ میں ان کے بارے میں تسمیں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں کہ ان کے حقوق و مراعات کا ہر ممکن خیال رکھا جائے۔<sup>①</sup>

اس خطبے میں سیدنا حسن و حسینؑ بھی بیٹھے تھے، حدیث پڑھ کر عثمان غنیؑ نے دونوں صاحزوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ ان سے بھی محبت رکھے اور ان کے درجات پہچانے۔<sup>②</sup>

یہ واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ سیدنا عثمانؑ اہل بیت ﷺ کی عظمت سے خوب واقف تھے اور وصالیٰ نبیؑ پر کما حق عمل کرتے تھے۔ غالباً ان پر جو اتهامات لگاتے ہیں بالکل بے سر و پا اور قطعاً بے بنیاد ہیں۔ قرآن ان کی تائید کرتا ہے نہ حدیث، اور نہ حلقائی و شواہد۔

سیدنا حسینؑ بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ باعیان خلافت نے جس وقت سیدنا عثمانؑ کے مکان کا محاصرہ کیا تو سیدنا حسینؑ نے اپنے برادر معظم سیدنا حسنؑ کے ہمراہ باعیانوں کو منتشر کرنے اور سیدنا عثمانؑ کا خون بہانے سے روکنے کی کوشش کی۔ سیدنا علیؑ کریم اللہ وجہہ نے ان کو خاص طور پر عثمان غنیؑ کی حفاظت پر مقرر کیا تھا اور اس بلوہ میں ایک تیر حضرت حسنؑ کو بھی

<sup>①</sup> صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب، حدیث: 2408.

<sup>②</sup> سیرة الخلفاء، مطبوعہ مصر.

۔ سیدنا حسین علیہ السلام اور عہد صحابہ علیہم السلام

۔ 98

۔ لگ گیا تھا، جس سے وہ شدید رُخْجی ہو گئے تھے۔

لیکن باغیوں نے حفاظتی حلقوں کو توڑ کر سیدنا عثمان علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونا شروع کر دیا اور ان کو شہید کر کے اپنے اعمال نامے سیاہ کر لیے تو سیدنا حسن و حسین علیہما السلام شہادت کی خبر پاتے ہی اندر گئے۔ یہ دیکھ کر عثمان علیہ السلام خون میں لٹ پڑے ہیں اور اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں، زار و قطار رونے لگے، پھر سیدنا علی علیہ السلام تشریف لائے، انہوں نے سیدنا عثمان علیہ السلام کو شہید دیکھ کر دونوں صاحبزادوں سے سخت باز پرس کی، انہوں نے کہا: ”ہم نے حفاظت کی بہت کوشش کی، مگر باعی زور دے کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔“ لیکن سیدنا علی علیہ السلام اس قدر مضطرب تھے کہ غصے میں حضرت حسین و حسن علیہما السلام کو سخت سُست کہا۔

سیدنا حسین علیہ السلام تک شہادت عثمان علیہ السلام پر کف افسوس ملتے رہے اور جب کسی مجلس میں بیٹھتے، تو روکر سیدنا عثمان علیہ السلام کے اوصاف بیان کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس داماد نے آخر دم تک ہمارا خیال رکھا اور ہمارے حقوق کو زائل نہیں ہونے دیا۔<sup>①</sup>

ایک دفعہ حضرت حسین علیہ السلام نے فرمایا: ”عثمان علیہ السلام نے ہمیں سیراب کیا، اللہ ان کو سیراب کرے۔ عثمان علیہ السلام نے ہمیں اتنا دیا کہ ہم ہر چیز سے بے نیاز ہو گئے۔ عثمان علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی وصیتوں کو بحسن و خوبی پورا کیا، وہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، میں ان کے فضائل کے علاوہ ان کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا۔“

مطلوب یہ کہ ان میں خوبیاں ہی خوبیاں تھیں۔

اللہ اللہ! حضرت حسین علیہ السلام تو حضرت عثمان علیہ السلام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، مگر افسوس کہ حضرت حسین علیہ السلام کے جھوٹے معتقد سیدنا عثمان علیہ السلام پر سب وشم کر رہے

<sup>①</sup> تاریخ الخلفاء میوطی، ص: 159.

ہیں اور نیکی سمجھ کر کر رہے ہیں۔ انا لله وانا الیه راجعون۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم سوائے ہدایت کے اور کیا دعا کر سکتے ہیں؟

### حضرت حسین بن علی اور بیعت خلفاء رضی اللہ عنہم ہے

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ قاعدہ تھا کہ کسی نبچے بھی حضور ﷺ سے بیعت کرتے تھے، چنانچہ سیدنا حسن اور حسین بن علی شافعیہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی معیت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی بیعت کی، اس وقت ان سب کی عمریں چھ سے آٹھ سال تک تھیں۔<sup>①</sup>

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں بھی یہی دستور رہا، لیکن واضح رہے ہے کہ بچوں کو بیعت پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا، خصوصاً جو بچے پیدائشی مسلمان ہوتے تھے انھیں بیعت کرنا ضروری نہ تھا۔ ”کنز التواریخ“ کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اس وقت ان کی عمر نو سال کے قریب تھی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور چار اور لڑکے بھی بیعت صد لیتی میں شامل ہوئے۔

حضرت موصوف رضی اللہ عنہ نے گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں سیدنا فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت لیتے وقت فرمایا:

”بیعت ایک عہد ہے، جو محبت اور وفاداری کے لیے باندھا جاتا ہے، بیعت سے نہ کسی کا مرتبہ بردا ہو جاتا ہے نہ گھٹ سکتا ہے۔“<sup>②</sup>

جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کی بھی بیعت کی۔ ایک انگریز مؤرخ مشرجی، بی کوس اپنی کتاب ”ہمہ ری آف اسلام“

<sup>①</sup> تہذیب تاریخ دمشق: 7/129، ابن عساکر۔ <sup>②</sup> ”ہمہ ری آف اسلام“ صفحہ: 241۔

مطبوعہ آکسفورڈ پر میں میں لکھتا ہے:

”جس وقت عثمان غنی علیہ السلام خلیفہ پنے گئے تو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنے والد علی مرتضیٰ علیہ السلام اور اپنے بڑے بھائی حسن علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیعت کی اور یہ بیعت مسجد نبوی میں کی گئی۔“

اصحاب مثلا شیعیہ کے مخالفوں کا یہ دعویٰ کہ ”سیدنا علی علیہ السلام خلیفہ بلا فصل تھے اور رسول اللہ ﷺ نے علی علیہ السلام کے سوا کسی کو خلافت نہ دی تھی“ بے بنیاد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور تاریخی کتابوں سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے فرزندان گرامی سیست تینوں خلفاء ابو بکر علیہ السلام، عمر علیہ السلام اور عثمان علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور کسی اکراہ و مجبوری یا مصلحت و خوف اور تلقی سے نہیں بلکہ برضاء و رغبت کی تھی۔ (زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو ہماری قابل مطالعہ کتاب ”خلافت راشدہ“ کا مطالعہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ اس کے مطالعہ سے کافی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔)

سیدنا عثمان علیہ السلام کے بعد جب سیدنا علی علیہ السلام نے عنان خلافت سنبھالی تو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی جان کے ساتھ ان کی بیعت بھی کی۔

### محاربات میں شرکت

سیدنا حسین علیہ السلام اکثر محاربات میں صحابہ کرام علیہم السلام کے ہمراکاب رہے، سیدنا ابو بکر علیہ السلام کے عہد خلافت میں آپ ابھی پچے تھے۔ اور سیدنا عمر علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں آپ علیہ السلام ہموز سن رشد و بلوغت ہی کو پچے تھے، اس لیے ان کے وقت میں آپ علیہ السلام کا کسی جنگ میں شریک ہوتا ثابت نہیں ہے۔

آپ علیہ السلام نے محاربات کا آغاز دور عثمانی میں کیا۔ سیدنا عثمان غنی علیہ السلام جہاں کہیں مجاہدین کے لئے بھیجتے، سیدنا حسین علیہ السلام برادر ان میں شامل ہوتے اور میدان جہاد میں

۱۰۱۔ میرزا حسین شاہ اور عہد صحابہؓ

داو شجاعت دیتے، چنانچہ عثمان ذوالنورینؓ نے جوفوج افریقہ روانہ فرمائی، آپؓ بھی اس میں شریک ہوئے اور افریقہ فتح ہونے تک وہمیوں سے لڑتے رہے۔ طرابلس میں رومنیوں سے جواہریٰ ہوئی، حضرت حسینؓ نے اس میں بھی مقابلہ و مقاتلہ کیا اور رومی لشکر کو ہزیست انٹھانا پڑی۔

سبیطہ میں اس کے حاکم جرجیر کی دیڑھ لاکھ فوج سے جہاد کیا اور فتح مند ہوئے۔ قفقص کی جنگ میں بھی تکوار کے جو ہر دکھائے اور کامران رہے، بعد ازاں قلعہ اجم کے محاصرہ و یلغار میں بھی امام مددوحؓ کا برابر حصہ تھا اور اس میں بھی آپؓ مظفر و منصور رہے۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون کی روایت کے مطابق حضرت حسینؓ نے بہت سی مغربی جگلوں میں پار ماری سے جہاد فرمایا۔

30 ہجری میں حضرت عثمانؓ نے طبرستان پر لشکر کشی کی، حضرت موصوف اس میں بھی موجود تھے۔<sup>①</sup>

علاوہ بریں خراسان، قوس، نہاوند، جرجان، طمیس، بکیرہ، وہستان ایسی متعدد اڑائیوں میں حضرت حسینؓ نے شرکت فرمائی، اور لطف یہ کہ جس جنگ میں بھی آپؓ نے حصہ لیا، اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائی، یہ تمام فتوحات سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے عہد مبارک میں ہوئیں۔

سیدنا علی مرتضیؓ کے عہد خلافت میں حضرت حسینؓ اپنے والد معظمؓ کے شریک کا رہ تھے اور ان کے ہمراہ کاب رہ کر جگلوں میں شامل ہوتے تھے، چنانچہ جنگ جمل، جنگ صفين، جنگ خوارج میں اپنے والد گرامی کے ساتھ تھے۔ سیدنا علیؓ کا زمانہ حکومت چونکہ خانہ جنگیوں میں گزرا ہے، اس لیے وہ میان دین کے ساتھ جہاد

① الکامل لابن الأثیر: 3/84.

سیدنا حسین علیہ السلام اور عہد صحابہ علیہ السلام

102

کرنے کا انھیں کم موقع ملا۔ حضرت حسن علیہ السلام کے شش ماہہ دور خلافت میں بھی امیر معاویہ علیہ السلام سے لڑائی ہوتی رہی اور حضرت حسین علیہ السلام اپنے بھائی کی طرف سے لشکر میں جاتے اور فوج معاویہ علیہ السلام سے لڑتے رہے۔<sup>①</sup>

الغرض حضرت حسین علیہ السلام کے مجاہدانہ کارنا مے سنہری الفاظ میں ثبت کرنے کے قابل ہیں۔ ثبت کرنے کے قابل کیوں نہ ہوں آپ علیہ السلام شجاع ابن شجاع تھے۔ بہادر باپ کے بہادر فرزند تھے۔ اسی پنا پر ہر مجادلہ و محاربہ میں اپنی قابلیت کے وہ جو ہر دکھاتے کہ اللہ اللہ! البتہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حسن علیہ السلام کے وقت میں جو خانہ جنگیاں ہوئیں ہیں تاریخ کا یہ خونیں باب بہت پر حیف اور تائسف انگیز ہے۔ اسلام کے مخالفوں اور منافقوں نے سازشیں کرا کر اسلامی لشکروں کی لڑائیوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ جنگِ جمل میں ہزار ہا مسلمان تباخ ہوئے۔ اور جنگِ صفين میں کتنے ہی مسلمان مارے گئے۔ دونوں فرقیوں کے لیڈر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت امیر معاویہ علیہ السلام، جھکنے اور صلح کرنے پر آمادہ ہوتے اور اپنے دل میں مسلمانوں کی ناق خوزریزی کا احساس رکھتے مگر اسلام کو ضعف پہنچانے والے شریروںگ بڑے مکر سے دونوں کو پھر بھڑکاتے اور ان کے دلوں میں عداوت ڈال دیتے، سوچا جائے تو حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے اسباب انھی شیطان طبیعت اور قتنہ انگیز انسانوں نے پیدا کیے تھے جو سیدنا علی علیہ السلام اور سیدنا امیر معاویہ علیہ السلام کو ساری عمر ٹراٹے رہے اور اس لڑائی سے کئی قسم کے سیاسی فوائد حاصل کرتے رہے۔

<sup>①</sup> سیر الصحابة: 4/149.

نوٹ: قرون اولیٰ کی لڑائیاں بعض فکری اور اجتہادی غلطیوں کی بنا پر ٹھن جاتی تھیں، انھیں اسلام اور کفر کی جنگیں کہنا صحیح نہیں کیونکہ دونوں طرف تیک اور مغلص مسلمان ہی ہوتے تھے۔ خلوص نیت کی بنا پر اجتہادی خطایں معاف ہو جاتی ہیں ان کا مذاہدہ نہیں ہوتا۔

## سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب

درحقیقت یہی وہ باب ہے جو حسین بن علیؑ کی زندگی کی روح ہے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ حضرت موصوف اخلاق و تہذیب، علم و دانش، فہم و ذکاء، شجاعت و بسالت، خدمت و تواضع، صبر و قیامت، حلم و رفق، عفو و کرم، وجود و سخا میں کیا عادات و خصائص رکھتے تھے، ان کا تنقیح فی الدین کیسا تھا، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و متابعت کتنی کرتے، اور کیونکر کرتے تھے، ان کی عبادت و ریاضت کیسی تھی.....، اور ان میں کیا سپریت اور کون سی روح کا فرما تھی جس کی بدولت انھیں عظمت نصیب ہوئی اور جوانان جنت کی سرداری ملی، اس وقت تک ان کے درجہ و مرتبہ کو پہچانا نہیں جاسکتا، ان کے اعمال صالح اور بلند کرداری کو اجاگر نہیں کیا جاسکتا اور ان کی شہادت کو تفوق و تفضل حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر لکھی گئی اکثر کتب ہائے سیرت میں اول تو ان باتوں کا فقدان ہے اور اگر آپؑ کے فضائل و خصائص پر کچھ لکھا بھی گیا ہے، تو وہ حقائق سے دور اور مبالغہ سے بھر پور ہے۔ اور ایسی روایتیں درج کردی گئی ہیں جن کا نہ ہب سے کوئی تعلق ہے نہ عقل انسانی سے کوئی واسط..... اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صحیح فضائل اور اعلیٰ عادات و اطوار سے قارئین کو روشناس کرایا جائے، تاکہ وہ اپنے عالی مقام قائد و محسن کو بہترین اور حقیقی کیریکٹر میں دیکھ سکیں اور ان کی پیروی سے دنیا اور اپنی عاقبت سنوار سکیں۔

66۔ سیدنا حسینؑ کے فضائل و مناقب

104

صحیح بخاری، مناقب الحسینؑ میں عبد اللہ بن عمرؓ سے مردی حدیث ہے:

«قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّهُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»

”نبی ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں.....“ (عن التمیم)

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسن و حسینؑ چمنستان رسالت کے وہ عطریز اور خوشما پھول ہیں جو اپنی حیثیت اور شان میں لیگانہ شان کے حامل ہیں۔

صحیح حدیث میں حضرت جابرؓ سے مردی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلِنْظُرْ إِلَى الْحُسَيْنِ»

”جو کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ حسین کو دیکھ لے۔“ (عن التمیم)

ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ کعبۃ اللہ میں تھے۔ انہوں نے وہاں حضرت حسینؓ کو دیکھا تو فرمایا:

”یہ اس وقت آسمان والوں کے ہاں سب زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔“

خلاصہ کلام یہ کہ آپؓ آسمان علم و فضل کے درخشده ستارے تھے۔ آپؓ کو عزت و احترام اور عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھنا ہر صاحب ایمان کے لیے ضروری ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے مردی ہے، ہم نے ایک روز آنحضرت ﷺ کو بہت مسرور دیکھا۔ ہم نے خوشی کا سبب پوچھا، تو آپؓ نے فرمایا:

«أَتَانِيْ جِبْرِيلُ فَبَشَّرَنِيْ أَنَّ حَسَنًا وَ حُسَيْنًا سَيِّدًا شَبَابِ أَهْلِ

① صحیح البخاری، المناقب، حدیث: 3753۔ ② یہ حدیث متعدد کتب میں آئی ہے، مثلاً: مجمع الزوائد: 192/9، مسند أبي یعلیٰ: 397/3، حدیث: 1874، المسند بتحقيق الأثری: 348/2، حدیث: 1868، صحیح موارد الظمان إلى زوائد ابن حبان: 368/2، فضائل الصحابة للإمام احمد بن حنبل: 2/ 973، سلسلة الأحادیث الصحيحة: 7/ 1732، حدیث: 4003 جملہ محمد بن کرامؓ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ③ سیر أعلام النبلاء: 285/3، ترجمة الحسین الشہید۔

سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

الْجَنَّةُ وَأَبُوهُمَّا أَفْضَلُ مِنْهُمَا.

”جرائیل علیہ السلام بھی میرے پاس آئے ہیں اور انھوں نے مجھے بشارت دی ہے کہ پیشک حسن و حسین (علیہما السلام) نوجوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کا باپ (علیہ السلام) ان سے بھی افضل ہے۔“<sup>①</sup>

حضرت یعلیٰ بن مُرْدَہ رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

«الْحُسَيْنُ مِنِّي وَإِنَّا مِنَ الْحُسَيْنِ أَحَبَ اللَّهُ مِنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا»

”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے محبوب جانے جو حسین سے محبت کرے۔“<sup>②</sup>

اللہ تعالیٰ تمام اہل اسلام کو حضرت حسین علیہ السلام سے کچی اور دائیٰ محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

### قرآن کریم سے محبت

سیدنا حسین علیہ السلام کتاب اللہ سے بے حد محبت رکھتے اور اس کی والہانہ محبت میں سرشار رہتے تھے۔ چھوٹی ہی عمر میں قرآن پاک حفظ فرمالیا تھا۔ جب اپنے محترم نانا جان علیہ السلام کی صحبتوں میں تھے تو جس وقت رسول اللہ علیہ السلام نئی آیات نازل ہونے کی اطلاع صحابہ علیہم السلام کو دیتے اور ان کو سناتے یا لکھواتے تو سیدنا حسین علیہ السلام بھی غور سے کلام اللہ کو سنتے رہتے، پھر جب ذرا سن شعور کو پہنچ اور سمجھنے، جاننے، پہچاننے کی قوت آئی تو آپ علیہ السلام نبی کریم علیہ السلام، سیدنا علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ علیہما السلام سے آیات مقدسہ سن کر ان کو پوچھے منہ اور تو تلی زبان سے دہرانے کی کوشش کرتے اور بعض چھوٹی چھوٹی آیتیں انھیں یاد بھی ہو جاتیں۔

جب سن شریف پائیج برس کا ہوا، تو کتاب اللہ کو سبقاً پڑھنے لگے، باقاعدہ درس

① کنز العمال: 7/108. ② جامع الترمذی، حدیث: 3775

۶۰۰۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

۱۰۶

میں بیٹھنے لگے۔ یہ بھی روایت ہے کہ کبھی کبھی آپ سیدہ عائشہ علیہ السلام کے پاس بھی جاتے اور ان سے بھی سبق لیتے تھے،<sup>①</sup> کیونکہ عورتوں اور بچوں کو پڑھانا انہی کے سپرد تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے انقال پر ملال کے بعد صحابہ علیہما السلام اور خصوصاً جامع القرآن سیدنا عثمان علیہ السلام کے استاد بنئے۔ لکھا ہے کہ حسین علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام سے سامع حدیث کرتے اور حضرت عثمان علیہ السلام سے قرآن کا درس لیتے، یہی سبب تھا جو آپ کے دل میں کلام الہی کی بے پناہ وارثی پیدا ہوئی۔ دن رات تلاوت میں لگے رہتے، نماز سے فارغ ہو کر ایک دو منزل یا کم و بیش قرآن ضرور پڑھتے، پھر ظہر کر سمجھ کر غور و فکر کر کے پڑھتے، ایک ایک آیت پر وقفہ کرتے اور اس کے رموز و معارف کی گہرائیوں میں پہنچنے کی کوشش فرماتے۔

امام مددوح علیہ السلام کی زندگی قرآن مجید کی اطاعت میں گزری۔ آپ علیہ السلام صرف خود اس پر عمل کرتے بلکہ دوسروں سے بھی عمل کراتے اور تلقین فرماتے کہ کتاب اللہ کے تمثیل کے بغیر کسی کا ایمان کامل اور دین مضبوط نہیں ہو سکتا۔

ایک بار فرمایا: ”لوگو! رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو یاد کرو، جو بار بار فرمائے ہیں کہ ضلالت سے وہی شخص نجی سکتا ہے جو اللہ کے کلام اور سنت رسول پر تعامل رکھے اور اس کو مضبوطی سے پکڑے۔“

### سنن رسول ﷺ کی اطاعت

خداؤند کریم نے اپنی کتاب حکیم میں ہر مسلمان کو حکم دیا ہے:

وَمَا أَنْتُمْ بِالرَّسُولِ فَخَذُوهُ وَمَا أَنْهَكُمْ عَنْهُ فَأَنْتُهُوا۔

”نبی ﷺ جس کام اور جس بات کے کرنے کا تخصیص حکم دیں، اس پر عمل کرو۔“

۱۰۷۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و ممتازات

اور جس سے تم کو منع کریں فوراً رک جاؤ۔<sup>۱۰۲</sup>

اس ارشاد الہی کی موجودگی میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس حسین رضی اللہ عنہ کو حضر الامۃ بننا تھا، جس حسین رضی اللہ عنہ کو دربار نبوت سے سید شباب اہل الجنة<sup>۱۰۳</sup> کا خطاب ملا تھا۔ اور جو حسین رضی اللہ عنہ گفتان رسالت کا ایک خوشنما اور خوشبودار پھول تھا، وہ اپنے پاک نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر قدم نہ رکھتا، ان کے ایک ایک عمل ایک ایک ادا کی پیرودی نہ کرتا اور اپنے قلب اطہر میں ان کی سنت کا دیپ روشن نہ رکھتا؟ وہ جس طرح شمع نبوت کا پروانہ تھا اسی طرح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی دیوانہ تھا اور جس طرح نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے بغیر چیزیں نہ پاتا تھا اسی طرح ان کے ہر فعل کی اتباع اور ہر حکم کی اطاعت کیے بغیر قرار نہ پکڑتا تھا۔

یہ درست ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو صرف سات برس کی عمر تک سردار دو جہاں کے تلذذ میں رہنا نصیب ہوا، مگر ہونہار اور دانا وزیر کچے کا دماغ ایک آئینے کی مانند ہوتا ہے، وہ جو کچھ کسی کو کرتے دیکھتا ہے، اس کی تصویر اس کے دماغ میں کھنچ جاتی ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے معصوم زمانہ طفیلی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام کرتے دیکھتے، ذہن پر نقش ہو جاتا۔ جو بات ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتے، حافظہ اسے عمر بھر کے لیے محفوظ کر لیتا۔ اور کتابوں سے ثابت ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت زندگی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق اور پیارے طریق پر چلنے لگ گئے تھے، وضو کرتے تو سنت کے مطابق، نماز پڑھتے تو مسنون طریقے سے، مسائل بیان کرتے تو حدیث کے موافق، جواب دیتے تو ایسا، چا تلا معموق و مدلل کہ اس میں ارشادات نبوی کی جھلک نمایاں طور موجود ہوتی تھی، جد محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن بزرگوں سے تربیت پانے کا موقع ملا، وہ خود سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارفة اور قرآن و

<sup>۱۰۲</sup> سورہ الحشر، آیت: 8.

حدیث کے دیوانے تھے۔ اماں جان بضع رسول اللہ ﷺ تھیں۔ اور ہر کام میں اپنے مقدس باب ﷺ کی پوری پیروی کرتی تھیں۔ ابا جان و اماد رسول ﷺ تھے جو بہ طابق حدیث «بِمُنْزَلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ»<sup>①</sup> تھے۔ ان کا ایک ایک کردار دین و دنیا کے سردار ﷺ کے اعمال و اطوار سے مطابقت رکھتا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ وہ عظیم و افضل امت تھے کہ ان کی زندگیاں احیائے سنت اور بقاءً حدیث کے لیے وقف تھیں۔ ان کا تو یہ حال تھا کہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے سانس کے ساتھ سانس لیتے تھے، کیا مجال جو سنت کے خلاف ذرا بھی اوہر سے اوہر ہوں۔ اور اسی محبت رسول ﷺ، اسی جنون سنت کی بدولت حضور ختنی رسالت ﷺ نے ان چاروں۔ اور آگے ان کے عین نقش پا پر قدم رکھنے والے بلند بخت خلفاء کے متعلق فرمایا:

«عَلَيْكُمْ يُسْتَنْتَى وَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيُّينَ»

”لوگو! میری اور میرے خلفاء راشدین و مہدیین کی سنت پر چلو۔“<sup>②</sup>

اور یہ اس لیے فرمایا کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا طریق کار اور مسلک بھی رسول اللہ ﷺ ہی کا طریق و مسلک ہے، کیونکہ وہ حضور ﷺ کے سچے مطیع و فرمانبردار اور سچے دوست تھے۔

پس غور کیجیے، جب حسین رضی اللہ عنہ کو ایسے فدا کار ان حدیث و سنت اتالیق ملے، تو پھر وہ خود کیوں نہ عامل سنت اور حامل حدیث ہوں گے؟ یقیناً ان کی پوری زندگی کتاب و سنت کے سانچے میں داخل چکی تھی، لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی مگر وہ سنت کے مطابق نہ تھی، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کیوں کیوں رہے تھے، جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”بھائی! اب میں تجھے نماز دہرانے کا حکم نہیں

<sup>①</sup> جامع الترمذی، المناقب، باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی رضی اللہ عنہ، حدیث: 3768. <sup>②</sup> صحیح البخاری، المغازی، حدیث: 4416.

سیدنا حسینؑ کے فضائل و مناقب 109.

دیتا۔ مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ آئندہ اس طریقے سے نماز پڑھا کرو جس طریقے سے رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب نبین میں فرماتا ہے:

وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ أَتُو الْزَكُوَةَ وَ أَطْبِعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرَحَّمُونَ

”مسلمانو! نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“<sup>①</sup>

اے دوست! اس آیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل نہ کیا جائے، نہ کسی کی نماز قبول ہوتی ہے، نہ زکوٰۃ، اور نہ اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص رحم کا حق دار ہی نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی ارشاد ہے کہ خلاف سنت عمل کرنے والے شخص کا کوئی صالح سے صالح عمل، کوئی نیک سے نیک کام بھی قبول نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس کی نماز اس کا روزہ، اس کی زکوٰۃ، اس کا حج بھی منظور نہیں کیا جاتا، تا وقت یہ کہ سچے دل سے نبی کریم ﷺ کی اور آپ ﷺ کی سنت شریفہ کی دل کی خوشی سے متابعت نہ کرے۔“

حضرت حسینؑ کی یہ نصیحت سن کرو وہ شخص معدودت خواہ ہوا اور عہد کیا کہ آئندہ مسنون طریقے سے نماز پڑھا کرے گا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھے گا۔ ”جو لوگ اپنے الگ الگ طریقے پر نمازیں ادا کرتے ہیں انھیں بھی نماز نبوی کو اپنانا چاہیے۔ آخر وہ نماز نبوی کیوں نہیں اپناتے؟ کیا وہ مفقود ہو گئی ہے؟ یا اس میں کوئی شک و شبہ ہے؟ یا اپنی ستی ہے۔ آخر کوئی توجہ ہے؟

اسی ایک واقعہ سے سیدنا حسینؑ کی اطاعت سنت کا روشن ثبوت مل جاتا ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

”جو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل نہیں کرتا وہ حضور ﷺ سے محبت بھی نہیں

۶۰۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

رکھتا۔<sup>①</sup>

اسی طرح ایک دفعہ کچھ لوگوں نے روزہ افطار کرنے میں دیر لگائی تو حضرت حسین علیہ السلام نے فرمایا: ”اے لوگو! اللہ کا خوف کرو اور رسول اللہ علیہ السلام کے طریقے پر چلو، حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ روزہ کھولنے میں جلدی کرو اور سحری کھانے میں دیر کرو، مگر تم اس کے عکس کر رہے ہو۔“

ایک بار سیدنا علی علیہ السلام کہیں باہر تشریف لے گئے تھے، حضرت حسین علیہ السلام نے جمعہ کا خطبہ دیا اور اس میں سنت رسول اللہ علیہ السلام کی اتباع پر زور دیتے ہوئے کہا: ”چونکہ خود سنت نبوی کا پابند ہوں اور ہمارے گھر کے تمام افراد کتاب و سنت پر ہی عمل کرتے ہیں، اس لیے میں کسی کام کو دیکھ کر جو نبی علیہ السلام سے ثابت نہ ہو، خاموش نہیں رہ سکتا، میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو دین میں بدعتیں نکالے گا، جو محدثات کو ایجاد کرے گا جو سنت رسول علیہ السلام کی خلاف ورزی کرے گا، ایسا شخص مردود ہے، مردود ہے، مردود ہے۔ اور میرے نانا محترم علیہ السلام نے اس پر لعنت کی ہے۔“

### درس قرآن و حدیث

سیدنا حسین علیہ السلام کو چونکہ اپنے والد معظم علیہ السلام کی طرح خانہ جنگیوں کے دفاع سے بہت کم فرصت ملی ہے، اس لیے آپ علیہ السلام اقادیگی کے ساتھ قرآن و حدیث کا درس نہیں دے سکے، والد بزرگوار کی زندگی میں آپ علیہ السلام مختلف مہمات میں مصروف رہے، سیدنا حسن علیہ السلام کی خلافت میں بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ اور ان کے بعد تو حالات میں ہی انقلاب آگیا، تاہم تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کو دوسرے امور مہم سے فرصت ملتی تھی تو آپ مسجد نبوی میں، مسجد دمشق میں،

الصریح

۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب ۔ 111 ۔

یا بعض دوسرے مقامات پر درس دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا درس بڑا فاضل اہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں قاصد بھیجا، اس نے دریافت کیا کہ حسین بن علیؑ کہاں ہوں گے اور ان کی مجلس کی کیا علامت ہوگی.....؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم مسجد نبوی میں چلے جانا، وہاں ایک ایسی خاموش جماعت ہوگی جس کے سکوت کی وجہ سے پندے ان کے سروں پر بیٹھے ہوں گے، وہی حضرت حسین بن علیؑ کی مجلس ہوگی، اور سیدنا حسین بن علیؑ آجی پنڈلی تک لگنی باندھے ہوئے ہوں گے۔“<sup>①</sup>

مطلوب یہ تھا کہ حسین بن علیؑ اپنی مجلس میں علم و عرفان کے ایسے گوہر لٹاتے ہیں کہ کسی کو بولنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی اور جس طرح پرندے کسی خاموش فضا کو پسند کرتے

<sup>①</sup> مرد کو شوار، پاجام، پتوں، تہہ وغیرہ مخفی سے اور رکھنے کا حکم ہے۔ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے دونوں صورتوں میں مخفی سے نیچے رکھنا منع ہے۔ یہ حکم استحبابی نہیں بلکہ واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ اس موضوع پر درجن کے لگ بھگ احادیث صحیح موجود ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ واللہ بیت ﷺ کا اسی پر عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سنت ثابتہ پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ لیکن سنت پر عمل وہی کرے گا جسے سنت کا صحیح مقام معلوم ہو گا۔ اور سنت کا صحیح مقام، وہی جانے گا جسے نبی کریم ﷺ کے مقام بلند سے آگاہی اور آپ ﷺ سے کچی عقیدت و محبت ہو۔

نوٹ: صحابہ اور اہل بیت ﷺ بالا پر دونوں یک جان دو قالب تھے، دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو تھے، جس طرح دونوں ایک تھے اسی طرح دونوں کے عقائد و نظریات بھی ایک تھے۔ ان میں ذرا فرق نہ تھا، دونوں قرآن و سنت کے حال و عامل تھے۔ دونوں توحید و سنت کے والہ و شیداء اور شرک و بدعت سے تنفر و بیزار تھے، آج بھی جو لوگ اسی نظریے کے میروکار ہیں، حقیقت میں وہی لوگ صحابہ ﷺ اور اہل بیت ﷺ کے میروکار ہیں، ہمیں دونوں کے ساتھ ایک سارہ عقیدت و محبت استوار کرنا چاہیے۔ جس طرح کسی ایک گروہ سے محبت، دوسرے سے محبت کے مترادف ہے، اسی طرح کسی ایک گروہ سے نفرت دوسرے سے نفرت کے ہم معنی ہے۔ الحمد کے مزدیک دونوں سے عقیدت و محبت ضروری ہے۔ کسی ایک سے عقیدت و محبت اور دوسرے سے نفرت و بعض رکھنا ایسا کفر و نفاق (کفر اور اندر کا کھوٹ) ہے جس سے ایمان پاہ اور انعاماں برپا ہو جاتے ہیں۔

۱۱۲۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

ہیں، اُسی ہی خاموشی ان کی جماعت میں پائی جاتی ہے۔ ① دینی محافل و مجالس میں یہی کیفیت ہر مردم و مسلم کی ہوئی چاہیے۔

”مذکرة الشهادة“ میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ علیہ السلام نے ایک بار کچھ تھنے تھائے حضرت موصوف علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے۔ جب کارنہہ واپس آگیا، تو امیر مددوح علیہ السلام نے پوچھا: ”حسین علیہ السلام کبھے کہاں ملے تھے؟“ اس نے کہا: ”مسجد میں۔“ پھر دریافت کیا: ”وہ کیا کر رہے تھے.....؟“ اس نے جواب دیا: ”وہ لوگوں کو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی تشریع بتا رہے تھے۔“ یہن کرامہ معاویہ علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھ خوشی سے ہلائے اور فرمایا: ”والله! حسین علیہ السلام کو قرآن و حدیث کا بے پناہ شوق ہے۔“ (دعا ہے اللہ تعالیٰ یہ شوق آپ علیہ السلام کے مانے والوں کو بھی عطا فرمائے۔ آمین)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”حضرت حسین علیہ السلام جہاں کہیں تشریف لے جاتے تو لوگ در جو ق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ علیہ السلام کی پاکیزہ مجلس کا اشتیاق ظاہر کرتے۔ کہ اے ابن رسول اللہ! ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے ارشادات سے مستفید فرمائیے، حضرت حسین علیہ السلام کی درخواست قبول فرماتے اور لوگوں کو کلام اللہ اور کلام نبی ﷺ سے ملکیت سناتے۔“ ②

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ”جب حضرت حسین علیہ السلام مدینہ منورہ سے منتقل ہو کر کہ معظلمہ میں اقامت فرمائی تو لوگوں کا ہجوم ان کے پاس آتا، آپ علیہ السلام ان کو علوم دینیہ سے مستفیض فرماتے اور لوگ جو کچھ آپ علیہ السلام سے سنتے اس سے نفع اٹھاتے اور اس کو یاد رکھتے۔“ ③

ایک اور مورخ رقطراز ہے: ”مدینہ میں حضرت حسین علیہ السلام جس گھر میں رہتے تھے

① سیر الصحابة : 231/4 بحوالہ ”ابن عساکر“۔ ② البداية والنهاية : 2/8. ③ البداية والنهاية : 2/8.

۶۰۔ سیدنا حسین میشہ کے فضائل و مناقب

۱۱۳

اس کا نام ”دار قاطمہ“ تھا، کبھی بھی آپ ﷺ اس مکان کے سجن یا دیوان خانے میں بھی مجلس منعقد کرتے اور اس میں لوگوں کو قرآن کریم اور حدیث شریف پڑھاتے تھے۔

ایک اور سیرت نگار رقمطراز ہے: ”حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہی درس دینا شروع کر دیا تھا اور ان کی عدم موجودگی میں آپ ﷺ خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔“

### زہد و عبادت

سیدنا حسین ابن علی ﷺ اس خیر البشر میں میں کے نواسے تھے جن کی پنڈلیاں نماز میں سوچ جاتی تھیں، جن کے پاؤں میں اللہ کی بندگی سے ورم ہو جاتے تھے اور جو ساری ساری رات دربار الہی میں کھڑے کھڑے گزار دیتے تھے، پس یہ لازمی تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی عبادت و ریاضت میں اپنے نانا محترم ﷺ کی پیروی کرتے اور ذکر الہی میں مصروف رہ کر راتوں کو حیات تازہ رکھتے۔ آپ ﷺ الواقع عابد اور شب زندہ دار تھے۔ عبادت گزاری کا بے حد شوق رکھتے تھے، نماز مجرم، نماز عشاء اور نماز تجدید میں بہت آہ و زاری کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتے اور تضرع و عاجزی سے بار بار دعا کیں مانگتے تھے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مصیبت یا مشکل پیش آتی تو فوراً نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے، بکثرت نوافل پڑھتے اور اچانک آنے والے مصائب سے محفوظ رہنے کے لیے خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا اور درخواست کرتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ کسی سخت مصیبت میں محصور ہو گئے تو اسی وقت نماز میں مصروف ہو گئے۔ خشوع و خضوع سے نوافل ادا کیے اور بارگاہ الہی میں روتے اور دعا مانگتے رہے، جس سے رحیم و کریم مولا نے آپ ﷺ کی مصیبت دور کر دی، اسی طرح کسی اور مشکل کے

۔۔۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے نضائل و مناقب

114

وقت آپ علیہ السلام نے خاصی رات نوافل و ادعیہ میں گزار دی اور اللہ مشکل کشانے اس مشکل کو حل فرمادیا۔

بعض اوقات آپ علیہ السلام نماز عشاء کے بعد بہت کم سوتے تھے، پھر پچھلی رات انھ کرنفل و تجدید میں رات کا باقیہ حصہ گزار دیتے اور فجر پڑھ کر تلاوت قرآن کرتے، پھر تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے۔<sup>①</sup>

غالی گروہ نے حضرت حسین علیہ السلام کی عبادت کے باب میں بھی غلوت سے کام لیا ہے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ امام موصوف علیہ السلام روزانہ ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور پوری پوری رات عبادت میں گزار دیتے تھے، اب ذرار ہوار عقل کو چاکب لگائیے اور حساب کیجیے کہ اگر ایک رکعت کے لیے کم از کم ایک منٹ بھی خرچ کیا جائے تو ایک ہزار منٹ کے پونے سترہ گھنٹے ہوئے اور اگر یہ رکعتیں ٹھہر ٹھہر کر مزے لے لے کر خشوع و خضوع سے پڑھنی جائیں تو پھر اس وقت کو کم دو گناہ کر لیجیے اور اس حساب سے ایک ہزار رکعتیں پڑھنے کے لیے 34 گھنٹے درکار ہیں۔ لیکن دن رات میں 24 گھنٹے ہیں، اب ان میں دس گھنٹے کہاں سے شامل کیے جائیں گے؟ سچ کہا ہے داناوں نے ”کرنقل راعقل باید“ یعنی کوئی قصہ نقل کرنے اور کوئی بول بولنے کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے، پھر بعد ازاں قیاس روایتیں تو اغیار کے لیے مزید تفحیک و تفسیر کا سامان مہیا کرتی ہیں اور اس قسم کی باطل روایات سے دشمنوں کو حرف گیری کا موقع مل جاتا ہے بلکہ سچ پر سے بھی اعتقاد اٹھ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام جیسے عظیم ترین عابد پہلے کبھی پیدا ہوئے ہیں اور نہ آئندہ کبھی ہوں گے۔ آپ علیہ السلام بھی ساری رات عبادت الہی میں نہیں گزارتے تھے۔ آپ علیہ السلام نماز پڑھتے بھی تھے اور سوتے بھی تھے۔ پھر نماز بھی ایسی لطف اٹھا اٹھا کر کیف و سرور میں ڈوب کر مزے لے لے کر اور

<sup>①</sup> سیر الصحابة: 4/230.

۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب ۔ 115

بہت ہی سمجھے پڑھتے تھے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کی عبادت کی جھلک دیکھنی ہو تو ہماری کتاب ”رہبر کامل ﷺ“ کا مطالعہ فرمائیے۔<sup>①</sup>

حضرور انور ﷺ تو ایک ایک رکعت میں کافی وقت لگا دیتے تھے اور کئی لمبی لمبی سورتیں پڑھ دیتے تھے اور اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق: ۰ وَرَأَيْلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے،<sup>②</sup> بہت ہی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے تھے اور اس کے

① حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”میں نہیں جانتی کہ نبی ﷺ نے کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھا ہوا یا پوری رات صبح تک عبادت کی ہو۔“ (ویکھیے: صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل، حدیث: 746) اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ساری رات عبادت نہیں کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ”اگر تم رسول اللہ ﷺ کو رات کی نماز پڑھتے ویکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔ اور اگر نیند کرتے ویکھنا چاہو تو بھی دیکھ سکتے ہو۔“ (صحیح البخاری، التهجد، باب قیام النبي ﷺ بالليل من نومہ، حدیث: 1141) اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تین آدمیوں سے رات کو سوتے بھی تھے اور جاگ کر عبادت بھی کرتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ان تین آدمیوں سے فرمایا تھا، جنہوں نے اپنی عبادت کو کم خیال کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کےطمینان کے لئے فرمایا: ”اصلیٰ وَأَرْقَدُ“ یعنی میں (رات کو) عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔“ (ویکھیے: صحیح البخاری، النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث: 5063، وصحیح مسلم، النکاح: باب استحباب النکاح لمن تافت نفسه، حدیث: 1401، علاوه ازیں عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو بھی آپؓ نے ساری رات قیام سے، داؤدؓ کی مثال دے کر منع فرمایا تھا۔ (صحیح البخاری، الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، حدیث: 1131 و 1975، وصحیح مسلم، الصوم، باب النهي عن صوم الدهر، حدیث: 1159) جب سنت رسول ﷺ عبادت میں بھی اعتدال ہی کی ٹھہری، تو حضرت حسینؓ جو آپ ﷺ کی سنت کے اچھائی پابند تھے، عبادت جیسے اہم امر میں سنت نبوی سے کیوں کر آگے جاسکتے تھے؟ سنت سے عمل زیادہ وکھانے سے حضرت حسینؓ کی تعریف نہیں بلکہ تدقیص ہوتی ہے۔ اسی مبالغہ آرائیوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں قرآن و حدیث سے مسائل سیکھنے کا جذبہ و شوق اور اس پر وسیع نظر عطا فرمائے اور ہر مسئلے کو قرآن و سنت کی روشنی میں سیکھنے کی ہمت دے۔ آمین۔<sup>③</sup> (۱) سورۃ المزمل آیت: ۴۔

## ۶۰۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

116

ساتھ ساتھ کثیر العبادت ہونے کے باوجود آنحضرت دین دنیا کے دوسرے تمام کام بھی سرانجام دیتے تھے اور روزمرہ کے پروگراموں میں بھی وقت کے نہایت پابند تھے، آپ علیہ السلام ہر ایک نماز وقت پر ادا کرتے، وقت پر اور ادو و نطاائف میں مصروف ہوتے، وقت پر مجلس میں لگاتے، وقت پر درس دیتے، وقت پر امور دینیہ میں غور فرماتے، وقت پر دنیوی فرائض پر توجہ دیتے، وقت پر جہادی قافلے روانہ فرماتے۔ اب کوئی یہ کہہ دے کہ نبی علیہ السلام ہر وقت نوافل ہی ادا کرتے رہتے تھے اور دوسرے کاموں سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے تو یہ بات کیونکرمانی جاسکتی ہے؟ اور اس میں کون سی تعریف پائی جاتی ہے.....؟ کسی بزرگ کی مبالغہ آمیز اور جھوٹی تعریف کرنے اور آسمان و زمین کے قلاجے ملانے سے اس کی اصل پوزیشن بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ اس سے آدمی کا گراف بلند نہیں ہوتا بلکہ گر جاتا ہے اور صحیح بات سے بھی اعتقاد اٹھ جاتا ہے۔ مگر افسوس، ہمارے بہت سے دوست ان حقیقت طرزاں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور بے سند قصوں اور مبالغہ آمیز باتوں کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی سنت مطہرہ کے مطابق حضرت حسین علیہ السلام بھی اپنے وقت پر مصروف عبادت ہوتے تھے، بے شک آپ بڑے عابد و زاہد تھے مگر یہ تو عام عقل سے بھی بعید ہے کہ آپ علیہ السلام وقت نفل نماز میں ہی منہک رہتے تھے اور دوسرے امور پر دھیان نہ دیتے تھے، پھر حضرت حسین علیہ السلام کی زندگی تو بہت ہی مصروف زندگی تھی۔ متعدد مہمات اور بے شمار دینی، ملکی، قومی اور سیاسی، تنازعات میں آپ علیہ السلام کو حصہ لینا اور شریک ہونا پڑتا تھا۔ سیدنا علی علیہ السلام کی خلافت سے لے کر اپنی شہادت تک آپ علیہ السلام اپنی مصروف رہے۔ ملک میں خانہ جنگیوں نے سراخہار کھا تھا۔ گرد و نواح میں اعدائے اسلام اور شرپسندوں نے دین کو گزند پہنچانے اور اس کا حلیہ بگاؤنے کے لیے سازشیں کر رکھی تھیں۔ ان سب مجادلات میں آپ علیہ السلام کا شرکت کرنا

از بس ضروری تھا، ان مصروفیات کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ علیہ السلام روز ایک ایک ہزار رکعتیں ادا کرتے؟ حالانکہ اتنی رکعتیں تو کوئی فارغ شخص بھی نہیں ادا کر سکتا۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت حسین علیہ السلام اپنے والد گرامی اور اپنے بھائی جان حضرت حسن علیہ السلام کی طرح بڑے عبادت گزار اور شب زندہ دار تھے جیسا کہ پیچھے بتاچکے ہیں، مگر یہ بھی تو صحیح نہیں جو غالباً قسم کے لوگ اپنے پاس سے گھر گھڑ کر بتاتے ہیں۔

ہاں! حضرت حسین علیہ السلام کی وسعت قلبی اور پاک دلی دیکھیے اور یہ آپ علیہ السلام کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ آپ اپنے شدید ترین فالوں کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے تھے۔ مروان بن حکم جو امیر معاویہ علیہ السلام کی طرف سے حاکم مقرر تھا، جب کبھی نماز پڑھاتا تو باوجود یہ کہ وہ سیدنا علی علیہ السلام سے اختلاف کیا کرتا تھا۔ آپ علیہ السلام اس کی اقتداء میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے اور نماز کو دہراتے بھی نہیں تھے جیسا کہ آج کل بعض لوگ کر لیتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کا امیر معاویہ علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھنا بھی ثابت ہے، اس لیے کہ آپ خوب سمجھتے تھے کہ ذاتی اختلاف یا رنجش اور چیز ہے۔ ذاتی رنجش کی بنا پر مخالف کی اقتداء ترک نہیں کی جاسکتی۔ دین اسلام میں تو ایسی نفرتوں کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ بنیادی طور پر سب ہم عقیدہ اور ہم مسلک ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو ہونا چاہیے..... سبحان اللہ! کیسی بے مثال فراخ دلی ہے۔ کیا حسینی اور کربلا کی وغیرہ کہلانے والے دوست ادھر بھی کچھ توجہ دیں گے؟ (اللہ دلوں میں نرمی پیدا کرے۔ آمین) شیعہ سنی کی ایک دوسرے کی اقتداء تو رہنے دیجیے اب حال یہ ہے کہ خود سنی فرقے ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ

① مروان بن حکم کے بارے میں بھی تاریخ میں متفاہ اقوال ملتے ہیں۔ جن کی روشنی میں حتیٰ رائے قائم کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مقلد اپنے جیسے مقلد کے پیچھے نماز ادا کرنے سے بچاتے ہیں۔ حالانکہ تقلید کا بڑا فلفرہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی ”برکت“ سے نماز عات ختم ہو جاتے اور اللہ کی خوشنودی نصیب ہو جاتی ہے۔ مگر تقلید بھی انہیں سمجھا نہ کر سکی اللہ کرے سب مسلمان حضرت حسین علیہ السلام کی طرح وسیع الظرف اور روادار بن جائیں۔ آمین۔ کیا ہم آپ علیہ السلام کے نام لیواؤں سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں؟

سیدنا حسین علیہ السلام نے بہت سے حج کیے اور وہ بھی گاہے سوار ہو کر اور گاہے پیدل چل کر۔ لوگ آپ کے ساتھ ہوتے اور آپ کی سواری کا اوٹ کھینچتے ہوئے لے جاتے، آپ عموماً مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ پا پیادہ حج کے لیے جاتے تھے، کسی نے پوچھا：“حضرت! آپ سوار ہو کر کیوں تشریف نہیں لے جاتے۔” آپ نے صرف اتنا جواب دیا کہ پاؤں سے چل کر حج کرنے میں زیادہ لطف آتا اور زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اس میں زیادہ مشقتوں برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اور سنت سے اس کا ثبوت بھی ہے۔<sup>①</sup>

یوں بھی آپ علیہ السلام کہ شریف جاتے، حرم پاک کا طواف کرتے، حجر اسود کا

① طبرانی فی الکبیر: 3/115، مختصرًا بسند منقطع، الاستیعاب: 1/382.

رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو اپنے بیٹوں کے سہارے چلتے دیکھ کر پوچھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے پیدل کعبہ کو جانے کی نذر مانی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس بات سے بے پرواہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو تکلیف دے۔ اور اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔ اسی طرح عقبہ بن عامر علیہ السلام کی بہن نے بھی پیدل حج کی نذر مانی تھی تو پوچھتے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ پیدل بھی چلتے اور سوار بھی ہو۔“ دونوں روائتوں کے لیے ویکھیے: صحيح البخاری، جزاء الصید، باب من نذر المشى إلى الكعبة، حدیث: 1866، 1865، و صحیح مسلم، النذر، باب من نذر أن يمشي إلى الكعبة، حدیث: 1642، 1641. ہاں، اگر پیدل چلتے کی طاقت نہیں تو پیدل چلتا اور اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالا بھی درست نہیں۔ غرض سنت کی کسی صورت مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب 119

بوسے لیتے اور کعبہ شریف میں نماز پڑھتے۔ آپ ﷺ نے کئی بار عمرہ بھی کیا ہے، غرض آپ ﷺ بدو عبادت میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ اللہ کرے آپ ﷺ کے عقیدتمند اگر زیادہ عبادت نہیں تو کم از کم پانچوں نمازوں ہی کے عادی بن جائیں۔ آمین!

### سیدنا حسین بن علیؑ اور روایت حدیث

سیدنا حسین بن علیؑ نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کی ہیں مگر آپ ﷺ قلیل الروایت ہیں، یعنی آپ زیادہ احادیث روایت نہیں کر سکے۔ اور اس سے آپ ﷺ کی عظمت و فضیلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اور بھی بڑے صحابہ ﷺ ہیں جن سے زیادہ احادیث مروی نہیں۔ آپ ﷺ کے زیادہ احادیث روایت نہ کرنے کی وجہ معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کمی کمی ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا ظل عاطفت آپ ﷺ کے سر سے اٹھ گیا۔ دوسری یہ کہ کثیر مصروفیات کے باعث آپ ﷺ کو روایت حدیث کا موقع نہ ملا۔

حضرت حسین بن علیؑ نے اپنے والد بزرگوار سیدنا علیؑ، اپنی والدہ ماجده سیدہ فاطمہ بنت ابا، اور اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ بن علیؑ (جو سیدہ خدجۃ الکبریٰ بنت ابا) کے پہلے شوہر سے تھے) اور سیدنا عمر فاروقؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔<sup>①</sup>

سیدنا حسین بن علیؑ سے حضرت حسن بن علیؑ، زین العابدینؑ، فاطمہ صغیری بنت حضرت حسینؓ، سکینہ بنت حسین، باقر، عکرمہ، شعیؑ، کرزیمیؑ اور شیبان دولیؑ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔<sup>②</sup>

عالیٰ مقام حضرت حسین بن علیؑ نے بعض حدیثیں بلا انقطاع و بلا سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ سے بھی روایت فرمائیں۔

① الاصابة: 1/332. ② الاصابة: 1/332.

۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب

120

یہاں حضرت حسین بن علیؑ کی روایت کردہ صرف دو حدیثیں بطور نمونہ درج کی جاتی ہیں۔ پہلی حدیث توحید الہی کے بارے میں ہے، حضرت حسین بن علیؑ کے فرزند ارجمند سیدنا علی زین العابدینؑ فرماتے ہیں: ”ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے روضے کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں، ایک شخص حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر کوئی دعا مانگ رہا ہے میں نے اُسے منع کیا اور کہا: میں تجھے ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے اپنے والد معظم حسین بن علیؑ سے سنائے اور انہوں نے اپنے والد بزرگ سیدنا علیؑ سے اس کو روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! تم میری قبر کو مٹن (بت) اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنالیتا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا، تم جہاں سے بھی مجھ پر درود بھیجو گے، مجھے پہنچ جائے گا۔“

حضرت حسین بن علیؑ کے دور حاضر کے معتقدین سن لیں کہ مذکورہ حدیث کے راوی حسین بن علیؑ ہیں، حضرت زین العابدینؑ نے اس زائر کی کوئی ایسی خلاف شرع حرکت دیکھی ہوگی اور وہ کوئی ایسی دعا و رخصہ اظہر پر مانگ رہا ہوگا جس کی اسلام نے اجازت نہیں دی، اس لیے اس کو روکنا پڑا۔ اور اس کے سامنے یہ حدیث بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس سے امام اور اہل بیت ﷺ اور ”پختن پاک ﷺ“ کے جعلی ارادت مندوں کو سبق لینا چاہیے جو کہ کربلاؑ معلیٰ جا کر امام مددوح ﷺ کے روضے پر سجدے کرتے اور مرادیں مانگتے ہیں اور اگر وہاں نہ جاسکیں تو وہاں کی مٹی جو ٹکڑوں میں ملتی ہے لا کر بوقت سجدہ اس پر پیشانی ٹکاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے ایسے جملہ امور خود ساختہ ہونے کے علاوہ شرک و بدعت کے ذمیل میں آتے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ سیدنا عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں عرفات میں حضرت حسین بن علیؑ کے ساتھ ٹھہرا تو اس وقت میں نے رمی جمرہ تک ان کو «لبیک اللہم لبیک» کہتے ہوئے سنائے۔ میں نے پوچھا: ”اے سبط رسول ﷺ! آپ بہت زیادہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب 121

لبیک کیوں کہتے ہیں؟“، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”میں نے اپنے والد ماجد علی المرضی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اسی طرح کرتے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ جناب رسول اللہ علیہ السلام رحمی بھرے تک لبیک کہتے چلے جاتے تھے، پس میں بھی اپنے نانا جان علیہ السلام کی پیروی میں اس پر عمل کر رہا ہوں۔“<sup>①</sup>

اللہ اکبر! اس روایت سے کتنا ثبوت ملتا ہے ان بزرگوں کی اطاعت کا سنت اور حب نبوی کا ..... ان کا ہر قدم پیغمبر اعظم علیہ السلام کے قدم پر پڑتا تھا اور ان کا کوئی عمل اپنے ہادی و مرسل علیہ السلام کے کردار کے خلاف نہ ہوتا تھا۔  
کاش! حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کے دعویداران کے اعمال حسنہ کو دیکھیں اور ان کی پوری پوری پیروی کریں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ابھی بچہ ہی تھا مگر مجھے اچھی طرح یاد ہے، میرے نانا جان علیہ السلام اہل مجلس سے فرمایا کرتے تھے: ”لوگو! جو کچھ مجھ سے سنتے ہو اس کو خود بھی یاد رکھو اور دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔“ پھر میں نے اپنے والد گرامی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ہمیں تاکید فرمائی ہے کہ کوئی حدیث ضائع نہ ہونے پائے، اس وقت میرے دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ میں بھی حضور علیہ السلام کی حدیثیں یاد رکھوں۔

لیکن آج سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مانے والے کافی لوگ ایسے ہیں کہ حدیثوں پر چلنے تو رہا ایک طرف، ان سے انکار و اغماض کر کے گناہ گار بن رہے ہیں۔ انا اللہ .....! اور مزید تجب خیز بات یہ ہے کہ انہوں نے ارشادات پیغمبر علیہ السلام کی جگہ ائمہ کرام علیہ السلام کے اقوال کو اپنار کھا ہے اور انھیں احادیث کا درجہ دے رکھا ہے، حالانکہ امتی اپنی عظمت و جلالت کے باوجود آخرتی ہی ہوتا ہے، اس کی بات اور فعل میں وہ وزن اور ثقاہت

<sup>①</sup> کتاب التوحید: 198، 200 بحوالہ ”المختارۃ“ ورواه ابویعلیٰ فی مسنده: 1/362-369.

سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

122

نہیں ہوتی جو حضرت رسول کریم ﷺ کے ارشاد گرامی میں ہوتی ہے۔ حق بات یہی ہے جسے ڈنکے کی چوٹ کہا جاسکتا ہے کہ جناب پیغمبر ﷺ کا ہم رتبہ اور ہم پلے کوئی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔

### ماہِ شوال

حضرت حسین علیہ السلام نے بعض موقع پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم السلام اور دیگر بزرگان دین کے حالات و واقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے جس سے ان حضرات کے عادات و اطوار، فضائل و خصائص، مکارم و محاسن معلوم کرنے میں بہت مدد ملتی ہے، آپ علیہ السلام جناب نبی کریم ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے والد بزرگوار سے ایک دفعہ پوچھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ کس طرح رہتے اور ان سے کیا سلوک کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ”رسول اللہ ﷺ کا برتاباً اپنے اصحاب اور عام لوگوں کے ساتھ بہت اچھا تھا، وہ سب سے کشادہ پیشانی اور نرم مزاجی سے پیش آتے تھے، کبھی سختی اور سنگ دلی نہ دکھاتے تھے، چلا کر کرخت آواز سے گفتگونہ فرماتے تھے، کوئی فخش بات زبان مبارک سے کبھی نہیں سنی گئی اور نہ کسی کی عیب جوئی یا غیبت کرتے دیکھا گیا، بخل اور تنگ دلی سے دور رہتے بلکہ نفرت کرتے تھے۔ بہت بے نیاز تھے۔ جس چیز کی طلب نہ ہوتی اس کی خواہ کبھی نہ کرتے۔ مگر دوسروں کو مایوس اور نا امید رکھنا برا سمجھتے۔ لڑائی جھگڑے اور نقصان دہ باتوں سے الگ رہتے۔ کسی کا پردہ نہ کھولتے۔ لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ لگانے اور ان کے مخفی حالات کو ملاش کرنے کو عیب تصور کرتے اور ہمیشہ وہی بات کہتے جو اجر و ثواب کا موجب ہوتی۔ حضور ﷺ جس وقت گفتگو فرماتے تو جملہ اصحاب و حاضرین سر جھکائے رکھتے اور لوگ ایسی خاموشی اختیار کرتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ جب آپ ﷺ گفتگو مکمل فرمائیتے تو لوگ عرض و

معروض کرنے لگتے، لیکن سب لوگ ایک ہی بار شور مچا کرنا بول پڑتے۔ بلکہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بات ختم کر لیتا تو دوسرا شروع کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کو ہر وقت غلوظ رکھا جاتا۔ جس بات پر سب آدمی تجھب ہوتے، مسکراتے یا ہنسنے لگتے، حضور ﷺ بھی اس بات پر تجھب یا خوشی کا اظہار فرماتے، اگر کوئی جبی شخص کسی بات پر غلطی کر جاتا تو حاضرین آپس میں اشارے کرتے اور ایک دوسرے کو خفیہ طور پر ٹوٹلتے لیکن نبی ﷺ چشم پوشی فرماتے اور لوگوں کو کسی کی غلطی پر ناجائز اور شرمسار کرنے والی حرکات سے منع کرتے۔ صحابہ کرام ﷺ کو فیصلہ کرتے کہ کسی کو سوال کرتے دیکھو تو اس کی ضرورت پوری کرو، آپ ﷺ کسی شخص کی بات نہیں کاشتے تھے۔ ہاں کسی کی بات غلط اور ناجائز ہوتی تو اس کو زمی سے ٹوکتے اور روکتے۔ اگر کسی مجلس میں ناپسند باتیں سننے تو وہاں سے چلے جاتے۔<sup>①</sup>

حضرت حسین علیہ السلام اور سیدنا علی علیہ السلام کے مندرجہ بالا ارشاد سے بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی پاک سیرت کے متعدد پہلو نمایاں ہوتے ہیں، نیز یہ بھی کہ حضور ﷺ کے صحابہ ﷺ کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھتے، کس طرح آپ ﷺ کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھتے، کس طرح حضور ﷺ کی تعلیم و تکریم کرتے اور کس طرح حضور ﷺ ان کو تعلیم و تربیت دیتے تھے۔ یہی وہ مآثر ہیں جن سے تاریخ اسلام زندہ، اسلاف کا نام پاکنده اور بزرگوں کا کام تابنده ہے۔

اب ذرا دیکھئے! حضرت حسین علیہ السلام کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ حجاز کا ایسیت نہ گارا بن سلام لکھتا ہے:

”کسی عراقی نے حسین بن علی علیہ السلام سے خلفائے اربعہ علیہ السلام کے متعلق سوال کیا تو حضرت موصوف علیہ السلام نے فرمایا: ”میری رائے میں اگر یہ چاروں اصحاب نہ ہوتے تو

<sup>①</sup> شماں ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ، حدیث: 9.

۱۲۴۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب

تجھے اسلام اسی ترقی یافتہ صورت میں جلوہ گر نظر نہ آتا جس طرح نظر آ رہا ہے۔ اور حق یہی ہے کہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی مرتفعی صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسامی مشکور ہوئیں۔ ان بزرگوں نے کمال جدوجہد سے دین قیم کو زندگی بخشی اور اپنی حیات عزیز کو تبلیغ و جہاد کے لیے وقف کیے رکھا۔ وہ سب ایک سے ایک بہتر تھے، کسی کا درجہ گھٹانا اور کسی کا مرتبہ بڑھانا میرے نزدیک دین کو ضعف پہنچانے کے مترادف ہے۔“

حضرت حسین بن علیؑ سے عاشقانہ اور والہانہ محبت رکھنے کا دعویٰ کرنے والے احباب آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو پڑھیں اور سوچیں کہ آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کیا فرمائے ہیں اور اس کے بر عکس وہ اصحاب ثلاثہ (یعنی حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کس طرح تحقیر کر رہے ہیں۔ یعنی حضرت حسین بن علیؑ جن کی تو قیر فرماتے ہیں ان کے نام نہاد غلام ان کی تحقیر کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں حسین بن علیؑ کی محبت کا..... انا للہ ا

### تفہم فی الدین

لغات عرب و اصطلاح اسلام میں تفقہ کے معنی اپنی رائے، قیاس اور اجتہاد سے کوئی مسئلہ یا کوئی بات گھر لینا نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں دین میں سوچ بوجھ رکھنا اور مسائل دینیہ شرعیہ کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں حل کرنا یا سمجھنا۔ اور فقه اس چیز کا نام ہے جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے مطابقت و مثالثت رکھتی ہو۔ حضرت حسین بن علیؑ یہی تفقہ اور یہی فقہ رکھتے تھے۔ جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ جاتا تو صحابہ کرام صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کلام الہی کی رہنمائی میں حل کرتے یا حدیث و سنت کی مدد لیتے۔

ہاں! از بس کہ آپ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلیٰ درجے کے صاحب فہم و عقل تھے، ذکاوت و ذہانت بلا کی رکھتے تھے، اس لیے کسی عقدے اور کسی مسئلے کی تک پہنچنے اور شریعت کے بجز خار

کی غواصی کرنے میں آپ ﷺ کو زیادہ دیرینہ لگتی تھی، فوراً دماغ کی صلاحتیں ابھی ہوئی تھیں کو سلب جادیتی تھیں۔

”کتاب الارشاد“ میں ایشیخ مفید جیسا شیعہ مؤرخ اور سوانح زگار لکھتا ہے کہ حضرت حسین بن علیؑ اور آپ کی اولاد میں علوم دین، قرآن، حدیث، آثار، سیرت اور آداب وغیرہ اپنے آباؤ اجداد سے سلسلہ ہے سلسلہ پہنچ۔ ان میں امام جعفر بن علیؑ وہ بزرگ ہیں جن سے تابعین اور نامور فقہاء ﷺ نے استفادہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرات سادات نے کوئی نئی فقہ تیار نہیں کی، تمام اہل بیت ﷺ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے پابند تھے اور ان دونوں ہی کو مشعل راہ سمجھتے تھے، پھر ان کی اولاد نے بھی عالی جناب حضرت حسن و حسین بن علیؑ کے مسلک کو اختیار کیا، کیونکہ یہ دونوں بزرگ صحابہ و اہل بیت ﷺ کی طرح قرآن و حدیث سے پورا پورا تمسک رکھتے تھے۔“

فریدی لکھتے ہیں: ”حضرت حسین بن علیؑ کے تفقہ کا یہ حال ہے کہ جوہی ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا، آپ ﷺ اس کو قرآن عظیم سے معلوم کرتے۔ اگر نہ ملتا تو سنت رسول اللہ ﷺ میں دیکھتے۔ اگر پھر بھی کامیابی نہ ہوتی تو صحابہ کرام ﷺ کے آثار، اقوال اور قضایا سے تلاش فرماتے۔“

ابورشید نے لکھا ہے: ”حضرت حسین بن علیؑ امور دینیہ میں اپنی رائے کے اظہار اور قیاس و اجتہاد کے استعمال سے بہت اجتناب کرتے تھے۔“

بھی سیرت زگار لکھتا ہے: ”حضرت حسین بن علیؑ کی زندگی میں کوئی نظری ایسی نہیں ملتی کہ انہوں نے کوئی فیصلہ یا کوئی فتویٰ کتاب و سنت کے خلاف دیا ہو۔“

سیدنا حسین بن علیؑ کو نکد فقیہ تھے، اس لیے کبھی فتویٰ بھی دیا کرتے تھے مگر فتاویٰ کا کوئی مجموعہ نہ تو انہوں نے تیار کیا نہ کوئی موجود ہے۔ اگر ہے تو جعلی اور من گھڑت ہے جس میں بے سرو پا مسائل، خلاف شرع احکام و امور درج ہیں، اسی طرح فقہ حسینی، فقہ

۱۲۶۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے نصائل و مناقب

زیدی، فقہ اسلامی، فقہ امامیہ، فقہ حیدری، فقہ عابدی، فقہ جعفری، فقہ باقری، فقہ حنفی، فقہ قاسی، فقہ کربلای جیسی جو فقہی کتابیں بازار میں ملتی ہیں وہ سب یار لوگوں کی تصنیف کردہ اور فقہ محمدیہ کے مخالف ہیں، جبکہ بزرگان دین شریعت محمدیہ کے خلاف نہیں فرمائے۔ اگر بالفرض کسی بزرگ کا کوئی قول قرآن و سنت سے متصادم ہو تو اس قول کو قرآن و سنت کے مطابق کیا جائے گا۔ یہی ان بزرگوں کا صحیح ادب و احترام ہے اور یہی درست اور اوت (زیادہ محتاط) راستہ ہے۔ اور جو شخص اس کے الٹ راستے پر گامزن ہوا۔ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوَى۔ ”تحقیق وہ گمراہ ہوا اور بھٹک گیا۔“

## علم و عرفان

حضرت حسین علیہ السلام علوم الہمیہ و نبویہ میں جو بلند مرتبہ رکھتے تھے اس کی تفصیل بعض موقع پر دی جا چکی ہے، یہاں صرف یہ لکھ دینا کافی ہے کہ جس ہستی نے حضور اکرم ﷺ سے تربیت حاصل کی ہو، جس کو ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین اور علی رضا علیہما السلام نے تعلیم دی ہو اور جس نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ علیہما السلام جیسی فاضلہ سے استفادہ کیا ہو، وہ ہستی علم دینی و دنیوی میں کیونکر تشنہ رہ سکتی تھی.....؟ آپ یقیناً علم و عرفان کے گہوارہ تھے۔ بعض لوگ علم و عرفان پر نازکرتے ہیں مگر علم و عرفان کو آپ علیہ السلام پر نازکھا۔

لیکن حضرت حسین علیہ السلام کی معرفت علم میں جو مبالغہ آمیزیاں اور باطل طرزیاں کی جاتی ہیں، وہ سخت افسوس ناک اور مُفھِّم دین و ایمان (یعنی دین و ایمان کو کمزور اور کھوکھلا کر دینے والی) ہیں، مثلاً ایک چیز ”مصحف فاطمہ علیہ السلام“ کا نام لیا جاتا ہے جس کے متعلق یہ ڈھکو سلام مشہور کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک ہزار باب ہیں اور ہر باب میں ایک ہزار فصول ہیں، اس کو رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی علیہ السلام نے مل کر تحریر کیا تھا، کیونکہ

دونوں کا رسم الخط اس میں موجود ہے، یہ چیز و راشتاً سیدنا حسین علیہ السلام کو ملی جس سے ان پر چودہ طبق روش ہو گئے۔ پھر دوسری چیز ”جفر جامد“ کے نام سے مشہور کی گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی بدولت حضرت حسین علیہ السلام کو جفر و نجوم میں دستگاہ کامل حاصل ہو گئی تھی۔ علاوہ بریں ”نور لامع“، کتاب کو علی المرتضی علیہ السلام سے منسوب کر کے حضرت حسین علیہ السلام کے سپرد کیا گیا ہے، جس کے بارے میں مشہور کیا گیا کہ اس میں ایک ہزار سات سوابوں متعلقہ علوم سیارگان و افلک و غیب دانی وغیرہ ثابت ہیں۔ قارئین! یہ سب کذب بیانی اور دروغ بافی ہے۔ اسلام نے تو ہر مسلمان کو نجوم و جفر اور علم غیبیہ کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ اور سختی سے کہا ہے کہ عالم الغیب صرف ذات الہی ہے، پھر اسلام کے جلیل القدر فرزند ایسے باطل علوم کو کیونکر اختیار کر کے ان پر ایمان رکھ سکتے تھے؟ خوب سمجھ لیجیے یہ تمام باتیں لوگوں کی توجہ قرآن و حدیث سے ہٹانے اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے تراشی گئی ہیں۔

## حلم و رفت

رسول اللہ ﷺ خود بھی نہایت حليم و نرم خوتھے اور دوسروں کو بھی حلم اور نرم روئی کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے کہ لوگوں نے انتیار کرو، اللہ تعالیٰ حليم و کریم ہے اور نرم دل لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام نے بھی اپنے آپ کو بہت حليم بنالیا، قلب اطہر میں گداز پیدا کیا اور اپنے گرامی قدر نانا جان علیہ السلام کی اس بات میں بھی پوری پوری اطاعت و اتباع اختیار کر لی۔ اگر آپ علیہ السلام سے کوئی سختی کرتا، بد اخلاقی سے پیش آتا تو آپ علیہ السلام خاموش رہتے اور رنجیدہ نہ ہوتے۔ کسی نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: ”حضور! بعض لوگ آپ کے سامنے گستاخی کرتے اور ترش روئی سے پیش آتے ہیں، مگر آپ ان سے کوئی موافذہ نہیں کرتے؟“

## سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب

128

فرمایا: ”میرے نانا جان علیؑ نے درشتی کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور یہی سبق دیا ہے کہ لوگ بختی بر تیں تو تم نرمی بر تو، وہ پھر بنیں تو تم موم بن جاؤ۔“

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں باہر جا رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ ﷺ کی رفاقت میں تھی کہ ادھر سے ایک اعرابی آگیا۔ اس نے حضرت حسین بن علیؑ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ لوگوں نے کہا: ”یہ حسین بن علیؑ ہیں۔“ اب وہ اعرابی حضرت حسین بن علیؑ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: ”تم ہی ہو ابو طالب کے پوتے؟ تم حمارا باپ تو بڑا خوزیریز اور فتنہ انگیز تھا۔“ (نعوذ باللہ) حضرت حسین بن علیؑ مسکرا دیے، مگر آپ ﷺ کے ہمراہ یوں کو یہ بات سخت ناگوار گزرنی، انہوں نے چاہا کہ اس اعرابی کو گستاخی کا مزہ چکھا میں اور عبر تناک سزا دیں، مگر حضرت حسین بن علیؑ نے منع کیا اور اعرابی سے فرمایا: ”اے وجیہہ عرب! کیا بات ہے کہ میں تجھے غضناک دیکھتا ہوں۔ اگر تجھے بھوک گئی ہے تو چل میں تجھے کھانا کھلاوں، پیاسا ہے تو شربت سے تیری پیاس بجھاؤں، سفر سے تھک گیا ہے تو تجھے ماش اور مٹھی چاپی کرواؤ، مقروض ہے تو تیرا قرضہ ادا کروں، گھر سے لٹک رہا یا ہے تو تیری صلح کرادوں، کوئی اور حاجت ہے تو اس کو پورا کروں، بتا تجھے کس چیز کی طلب ہے .....؟“ فرزند رسول اللہ ﷺ کا یہ علم اور حوصلہ دیکھا تو اعرابی شرم سار ہوا اور معافی مانگنے لگا، پھر آپ نے ساتھیوں سے فرمایا:

«إِنَّا جِبَالُ الْحِلْمِ بِحَمْدِ اللَّهِ.....»

”الحمد للہ ہم نرمی کے پہاڑ ہیں، پکھلتے ہیں، مگر صبر و حوصلہ نہیں چھوڑتے۔

حضرت علیؑ نے یہیں یہی تعلیم دی ہے۔“

سبحان اللہ! کیا شان رفق ہے کہ مخالف آپ ﷺ کے والد گرامی سیدنا علیؑ کرم اللہ و جہہ کی ہٹک کر رہا ہے مگر آپ ﷺ اس کی ضرورتیں پوری کرنے پر تیار ہو رہے ہیں۔ اسی

① ”حسین بن علیؑ سب کا“ صفحہ: 108، تھوڑے اختلاف کے ساتھ، شہید ابن شہید ﷺ: 47۔

طرح ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت حسین بن علیؑ کے سامنے آتے ہی آپؑ کو، آپؑ کے برادر اکبر حضرت حسن بن علیؑ کو اور آپؑ بن علیؑ کے والد ماجد سیدنا علیؑ کو نازیبا الفاظ میں یاد کرنے لگا۔ آپؑ بن علیؑ سن کر بنے اور فرمانے لگے: ”بھائی! تیری حالت پتلی نظر آتی ہے، یہ لے اس وقت میرے پاس چالیس درہم ہیں، ان سے اپنی ضرورت پوری کر، مگر یہ بات نہ بھول کر رسول اللہ ﷺ نے بدگوئی اور گالی گلوچ سے سخت منع کیا ہے۔“ وہ گستاخ آپؑ بن علیؑ کا حلم و رفق دیکھ کر معذرت خواہ ہوا اور آئندہ سب و شتم سے باز رہنے کا عہد کیا۔<sup>①</sup>

ان واقعات سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو اصحاب رسول اللہ ﷺ اور بزرگان دین پر تمہارا بازی کرتے اور حضرت حسین بن علیؑ کی تعلیمات کے خلاف چلتے ہیں، اہل بیت ہوں یا اصحاب رسول ﷺ، سب کو احترام کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، کسی سے بغرض روا رکھنا ایمان کے خلاف ہے۔ اللہ ہمیں جملہ صحابہ اور اہل بیت ﷺ کی محبت عطا کرے۔ (آمین)

### عفو و کرم

آپؑ بن علیؑ اس تغیر اعظم ﷺ کے نواسے ہیں جو بڑے سے بڑے مجرموں کو معاف فرمادیتے تھے، اُس اسد اللہ کے بیٹے ہیں جس نے اپنے قاتل کو مخفیاً شرہت پلایا تھا، اور آپؑ اس عبقری (یعنی حضرت حسن بن علیؑ) کے برادر اصغر ہیں جس نے خبر ہو جانے کے باوجود زہر دینے والے کا پتہ نہ بتایا تھا تاکہ اس کو قتل نہ کر دیا جائے۔

<sup>①</sup> وفيات الأعيان: 67-68. مگر اس میں یہ واقعہ حسن بن علیؑ کے متعلق مذکور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اور جگہ یہ واقعہ حضرت حسین بن علیؑ کو بھی پیش آیا ہو۔ کئی واقعات ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں۔  
والله اعلم

آپ ﷺ کو اپنے نانا جان ﷺ کا یہ ارشاد یاد تھا کہ کسی کے قصور کو معاف کر دیا جائے تو اللہ غفور و رحیم اس کی عزت بڑھادیتے ہیں اور اسی لیے آپؐ بھی مجرموں کو معاف کر دیا کرتے تھے، کسی نے سچ کہا ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا

اگر مردی ”احسن الی من اساء“

”برائی کا جواب برائی سے دینا آسان ہوتا ہے اگر تم جوانمرد ہو تو اس شخص سے حسن سلوک سے پیش آؤ جو تم سے براسلوک کرتا ہے۔“

ایک دفعہ حضرت حسین بن علیؑ کی خادمہ سے کچھ رقم گم ہو گئی جب آپ ﷺ نے وہ رقم طلب فرمائی تو خادمہ کا پعنے اور خوف کھانے لگی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا بات ہے کیوں ڈرتی ہے؟“ اس نے کہا: ”رقم فلاں جگہ رکھی تھی مگر بہت کوشش کے باوجود ملتی نہیں ہے۔“ پوچھا: ”معلوم ہے کتنی رقم تھی؟“ خادمہ نے عرض کیا: ”دو سو دس درہم۔“ فرمایا: ”غم نہ کر! جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ہو گیا۔“ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ باہر تشریف لے گئے تو کسی نے آپؐ کی خدمت میں آکر چار سو درہم پیش کیے۔ آپ ﷺ اسی وقت گھر آئے، خادمہ سے فرمایا: ”دیکھ! اللہ نے گمشده رقم کے بد لے دو گناہ رقم بھیج دی ہے۔“ یہ کہہ کر آپؐ نے جس قدر رقم گم ہوئی تھی اسی قدر یعنی دو سو دس درہم خادمہ کو عطا کر دیے۔ اور فرمایا: ”یہ ایک سونوے درہم بھی لے لے، رقم ضائع ہونے سے تجھے جو خوف اور غم پہنچا ہے، یہ اس کا معاوضہ ہے۔“

ایک روز سیدنا حسین بن علیؑ نے اپنے دوستوں کو کھانے پر بیا، جب دسترخوان بچایا گیا تو ایک خادم جو گرم شور بے کا پیالہ بھر کر لایا، آپ ﷺ کی وجہت اور مجلس کے وبدبے کو دیکھ کر لرز گیا۔ اس کا پاؤں لڑکھرا یا اور کھٹ سے زمین پر آ گرا۔ پیالہ چھوٹ کر حضرت حسین بن علیؑ پر پڑا، آپ ﷺ کے کپڑے شور بے سے لھڑر گئے، آپؐ نے ذرا

۔ 131۔ سیدنا حسین (علیہ السلام) کے فضائل و مناقب

غصیل نظر سے خادم کی طرف دیکھا تو وہ خوف سے لرزنے لگا مگر فوراً ہی رحم کا خواستگار ہوا اور ساتھ ہی قرآن کی یہ آیت پڑھ دی: ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾ ”مومن غصہ پی جاتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”فکر نہ کرو میرا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔“ خادم بولا: ﴿وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ ”اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔“ سیدنا حسین (علیہ السلام) نے کہا: ”عَفَوْتُ عَنْكَ“ میں نے تیری خطا بخشن دی۔“ وہ کہنے لگا: ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ <sup>①</sup> آپ نے فرمایا: ”جاؤ میں نے تمھیں آزاد کیا اور تمھارا تمام خرچ بھی اپنے ذمے لے لیا۔“ اللہ اللہ! ذرا آں رسول ﷺ کا خلق اور عفو و کرم ملاحظہ کیجئے کہ غلام سے جنم سرزد ہوتا ہے تو اس کو سزا دینے کے بجائے نہ صرف معافی دے دیتے ہیں بلکہ آزادی بھی بخش دیتے ہیں اور اس کے مصارف کے کفیل بھی بنتے ہیں۔ سبحان اللہ، آج بھی آل محمد ﷺ موجود ہے، سعادات کا وجود نظر آتا ہے۔ مگر کیا وہ اپنے بزرگوں کا طریق اختیار کرتے اور ان کی پیروی کرتے ہیں.....؟ نہیں اور ہرگز نہیں! دعا ہے کہ اللہ ہمیں ایسا ہی خلق عطا فرمائے۔ آمین!

### جود و سخا

حضرت حسین (علیہ السلام) بھی اپنے نانا جان ﷺ، اپنے والدہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کی طرح بہت متیر، جواد اور سخی تھے اور ﴿أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ ”رسول سے احسان کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔“ <sup>②</sup> کے حسب فرمان ہر ایک کے ساتھ احسان و مرمت سے پیش آتے تھے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

<sup>①</sup> سورہ آل عمران آیت: 134. <sup>②</sup> حسین (علیہ السلام) سب کا، صفحہ: 102, 101، سوانح عمری حضرت حسین (علیہ السلام)، صفحہ: 20. <sup>③</sup> القصص، 28: 77.

سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

نے کیا خوب فرمایا ہے:

جو ان مرد و خوش خلق و بخشنده باش  
چوں حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش  
محاجوں کے لیے آپ علیہ السلام کا دستِ کرم بہت کھلا رہتا تھا، کسی سوالی کو خالی لوٹانا برا  
سمجھتے تھے، ضرورت مندوں کو ان کی حاجت سے زیادہ دیتے تھے، بھوکوں کو روٹی، بے  
لباسوں کو کپڑا، ناداروں کو روپیہ دینے میں انھیں خاص لطف آتا تھا، کوئی قرض دار ہوتا  
تو آپ اس کا قرض ادا کر دیتے۔ تیموں اور مسکینوں کی پروش فرماتے، ضعیفوں اور  
بیواؤں کی مدد کرتے اور جس وقت آپ کو کوئی رقم وغیرہ ملتی تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں  
خرج کر کے قرار پاتے۔

ایک دفعہ کسی سفر میں ایک غریب عورت نے آپ کو کھانا کھلایا اور آپ کی خاطر  
بکری کا گوشت بھون کر آپ کی خدمت میں پیش کیا، پھر جب وہ خدمت کے بعد کسی  
کام سے مدینہ منورہ آئی تو حسین علیہ السلام نے اسے ایک ہزار درهم اور ایک ہزار بکریاں  
مرحمت فرمائیں۔<sup>①</sup>

ایک بار سیدنا اسماء علیہ السلام بیمار پڑ گئے، حضرت حسین علیہ السلام کی عیادت کے لیے  
تشریف لے گئے، تو وہ ”ہائے غم ہائے غم“ پکار رہے تھے، حضرت حسین علیہ السلام نے پوچھا:  
”کس بات کا غم ہے.....؟“ اسماء علیہ السلام بولے: ”سائبھ ہزار درهم کا مقروض ہوں اور  
اس کی ادائیگی کا اس وقت کوئی ذریعہ نہیں۔“ حضرت حسین علیہ السلام نے فرمایا: ”فلکرنہ کرو،  
یہ قرض میں ادا کر دوں گا۔“ اسماء علیہ السلام نے عرض کیا: ”بس یہی وہ قرض تھا جس سے  
خائن ہوں اور ڈرتا ہوں کہ مقروض حالت میں نہ مرجاوں۔“ چنانچہ آپ نے جس سے  
طرح ہو سکا ان کی زندگی ہی میں ان کا قرض چکا دیا۔<sup>②</sup>

<sup>①</sup> حسین علیہ السلام سب کا، صفحہ: 104, 105، بحوالہ صواتع محرقة۔ <sup>②</sup> ”حسین علیہ السلام سب کا“

۱۳۳۔ سیدنا حسینؑ کے فضائل و مناقب

واقعی قرض کا مسئلہ ہذا ہم ہے مگر عام لوگ اسے معمولی جانتے ہیں۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسا قرض لینے سے نہ لینا بہتر ہے جس سے حالت قرض میں موت آجائے اور آدمی پچھلوں پر خواہ مخواہ بھاری بوجھ ڈال کر رخت سفر باندھ لے۔ آنحضرت ﷺ نے پچھلوں کو صاحب کشائش چھوڑ کر جانے کا حکم دیا ہے نہ کہ اس کے عکس زیر بار کر کے سفر آخرت پر روانہ ہونے کا۔ مگر افسوس، اس حکم کی نافرمانی کر کے بہت سے مرنے والے پچھلوں کی بلا کیں لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ کوئی غریب شاعر مدینہ کی گلیوں میں گھومتا پھرتا اور حضرت حسینؑ کا پتہ پوچھتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت نماز میں مصروف تھے، وہ آپ کی مدح میں شعر پڑھتا رہا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے علام قمبر سے پوچھا: ”میں نے جو رقم تمہیں خرچ کے لیے دی تھی، اس میں سے کچھ باقی ہے؟“ علام نے عرض کیا: ”حضور، دوسرا درہم موجود ہیں۔“ فرمایا: ”وہ رقم لا کر سائل کو دے دو کہ یہ اہل بیت سے زیادہ مستحق ہے۔“ پھر سائل سے مذکور کرتے ہوئے کہا: ”افسوس ہے کہ اس وقت یہی کچھ موجود ہے ورنہ زیادہ دے دیتا۔“<sup>①</sup>

اسی طرح ایک دیہاتی اونٹی پر سوار مسجد نبوی میں پہنچا، سیدنا عبداللہ بن زبیرؑ سے ملا اور ان سے کہا: ”میں نے خون بھا ادا کرنا ہے، کچھ دیکھیے۔“ انھوں نے سو درہم دیے۔ اس نے کہا: ”میں نے دس ہزار درہم ادا کرنے ہیں اس سے کیا بنتا ہے؟“ مگر وہ خاموش رہے، پھر وہ عتبہ بن ابوسفیانؑ کے پاس گیا، انھوں نے دو سو درہم دیے، پھر اس نے حضرت حسینؑ کا رخ کیا اور عرض کی کہ میں نے اپنے پچھیرے بھائی کو قتل کر دیا ہے اور دس ہزار درہم دیت ادا کرنی ہے، میری مشکل دور کیجیے، حضرت

<sup>۱۰۴</sup> صفحہ: 35، ابن عساکر: 7/130۔

سیدنا حسین (علیہ السلام) کے فضائل و مناقب

134

نے اس کو دل ہزار درہم دیت کے لیے اور دل ہزار درہم اس کے دوسرا مصارف کے لیے عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ ایک لوٹدی آپ کی خدمت میں چنیلی کے پھولوں کا گلدستہ لائی، آپ نے خوش ہو کر اس کو آزادی بخش دی۔ سیدنا انس (علیہ السلام) کہتے ہیں: ”میں نے پوچھا: آپ نے اتنی سی بات پر کہیز کو آزاد کر دیا؟“ فرمایا: ”قرآن و سنت کی یہی تعلیم ہے۔“<sup>①</sup>

آپ (علیہ السلام) کی سخاوت کے بے شمار واقعات کتابوں میں مذکور ہیں، یہاں صرف بطور شمونہ دو چار درج کیے گئے ہیں، جن کے بیان کرنے کا مقصد آپ (علیہ السلام) کی جود و سخا کو بیان کرنے کے علاوہ یہ بتانا بھی ہے کہ وہ دوست جو بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی دوسروں کے کام نہیں آتے، انھیں سیدنا حسین (علیہ السلام) کی جود و سخا پیش نظر رکھنی اور ان کی مبارک روشن پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اللہ کی رضا نصیب ہو۔ جو دوسروں کے کام آتے ہیں اللہ ان کے کام آتا ہے۔ پھر مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

### اسراف سے نفرت

قرآن و حدیث میں جگہ جگہ اسراف اور فضول خرچی سے روکا گیا ہے اور ہمیشہ اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «ما عَالَ مَنِ افْتَصَدَ» ”جس کسی نے خرچ کے بارے میں میانہ روی اختیار کی وہ کبھی غربت و افلاس سے دو چار نہ ہوگا۔“<sup>②</sup> جہاں تک ہم نے مطالعہ کیا ہے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سیدنا حسین (علیہ السلام) کا اس معاملے میں بھی سنت پر پورا پورا عمل تھا۔ آپ (علیہ السلام) فضول خرچی کو بہت برا سمجھتے تھے، لوگوں کو اسراف و تبذیر سے روکتے رہتے تھے۔

<sup>①</sup> ”حسین (علیہ السلام) سب کا“، صفحہ: 101.

ایک دفعہ ایک شخص نے کسی دکان سے بہت سامال خریدا اور اس میں کئی چیزیں ایسی تھیں جو غیر ضروری تھیں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے دیکھا تو فرمایا: ”اے شخص! کیا تو مسلمان ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں! اللہ کے نبی کے نسل سے مسلمان ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کا کلر گو ہوں۔“ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”پھر تم شریعت کے خلاف عمل کر رہے ہو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَبْدِّلْ رَبِيعًا ۝ إِنَّ الْمُبَدِّلِ رِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ ۝

”مال و زر کو بے جا خرچ نہ کرو، کیونکہ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔“<sup>①</sup> اس شخص پر آپ کی نصیحت کا بہت اثر ہوا اور اس نے غیر ضروری اشیاء واپس کر دیں۔ حضرت حسین علیہ السلام تجارت بھی کرتے تھے، جاسیداد کی کچھ آمدنی بھی تھی، بیت المال سے بھی معقول و نظیفہ ملتا تھا اور امیر معاویہ علیہ السلام بھی خطیر رقم صحیح رہتے تھے، پھر دوسرے لوگ بھی آل رسول علیہ السلام کو سمجھ کر اچھی خدمت کرتے تھے مگر حسین علیہ السلام تو سب کچھ فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے تھے اور جو کچھ باقی بچتا، اس کو بے ضرورت اور اندر حادہند مصرف میں نہ لاتے تھے۔ بلکہ بڑی احتیاط سے خرچ کرتے تھے۔ جب کسی کو عطا فرماتے تو نصیحت کرتے کہ میاں! مُسْرِف (یعنی فضول خرچ) نہ بننا، روپے کو یونہی نہ اڑا دینا۔ اسی طرح عوام کو سمجھاتے رہتے کہ لوگوں! آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرو کیونکہ قیامت کے دن تمہارے مال کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ جیسا کہ یہ سارا مضمون حدیث صحیح میں وارد ہے۔

آج کل مسلمانوں کا جینا بھی مشکل ہے اور مرنا بھی مشکل۔ مذہبی اور خاندانی رسومات کے جنہیں شمار کرنا آسان نہیں، سب پر پانی کی طرح روپیہ بھایا جاتا ہے۔ مگر ہماری یہ روشن اسوہ نبوی اور سیرت حسینی کے سراسر خلاف ہے جسے بدلتا ضروری ہے۔

① بنی إسرائیل، 27:26

## خدمت و تواضع

جگہ

ہر کہ خدمت کرو اور مخدوم شد

آنکہ خود را دید اور محروم شد

”جو خدمت کرتا ہے وہ مخدوم و محترم ہو جاتا ہے اور جو کوئی اپنے آپ کو دیکھتا رہتا ہے وہ مقام رفیع سے محروم رہ جاتا ہے۔“

مطلوب یہ کہ قوم کی خدمت ہی سے سرداری ملتی ہے اور بہ طابق حدیث: «سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ» قوم کی سیادت اسی خوش نصیب کو حاصل ہوتی ہے جو سچے دل سے قوم کا خادم بن جاتا ہے۔<sup>①</sup>

حضرت حسین علیہ السلام کو بھی خدمتِ خلق سے ہی زائد اور اضافی مرتبے ملے اور ہر لعزیزی حاصل ہوئی۔ آپ علیہ السلام بہت متواضع تھے۔ خاطر مدارات میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ایک دفعہ دس بارہ مہماں اچانک آؤ ہمکے۔ اس وقت گھر میں زیادہ راشن موجود نہ تھا۔ جوں توں کر کے گزارہ کیا۔ مہماںوں کی ہر ممکن تواضع فرمائی اور ان کا تو خوب پیش بھرا، مگر خود بمع اہل و عیال بھوکے سورہ ہے اور فرمانے لگے: ”کسی کے لیے بھوک برداشت کرنا بھی لذت سے خالی نہیں۔“

آپ علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جہاں کہیں دعوت پر جاتے اور کھانا کھاتے تو آپ اس دعوت پر کھانا کھانے والے تمام آدمیوں کو اپنے ہاں مدعو کرتے اور انھیں کھانا کھلاتے۔ ایک بار کسی دعوت میں شریک تھے جب کھانا کھا چکے تو صاحب خانہ سے فرمایا: ”فلان روز ان آدمیوں کو لے کر ہمارے گھر آؤ اور ہمیں مہماں نوازی کا موقع

<sup>①</sup> مشکوٰۃ العصایع، کتاب الجہاد، باب آداب السفر، حدیث: 3926.

۔ 137۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب

دو۔“ اس نے عرض کیا: ”جناب! کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بس! بس! زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”دعوت کاٹھکر ان محبت کوٹھکرنے کے برابر ہے۔“

ایک دفعہ کچھ آدمی عراق سے آئے اور آپ کا پتہ پوچھ کر دروازے پر دستک دی تو آپ ﷺ نے اسے ہر تشریف لائے، ہر ایک سے مصافحہ و معانقہ کیا۔ پھر ایک صاف مکان میں ان کو شہر لایا۔ فوراً دو بکریاں ذبح کرائیں اور کھانا تیار کرایا، جب کھانا تیار ہو گیا تو باوجود یہ کہ خدام حاضر تھے اور عوام بھی خادموں کی طرح آپ کے اشارہ ابرو پر چلنے تھے آپ ﷺ نے نفسِ مہماں کے ہاتھوں کو دھلانے لگے، مہماں نے آپ کا ہاتھ کپڑا لیا۔ خادم الگ برتن گھینٹنے لگے مگر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ”مجھے ثواب کیوں نہیں لینے دیتے؟“ حضرت رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو شخص متواضع ہے اللہ پاک اس کو عظمت اور رفعت بخشتا ہے اور جو تکبر کا مظاہرہ کرتا ہے وہ ذلیل و رسوایہ ہوتا ہے۔“<sup>①</sup>

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ کسی نے آواز دی، بھائی! ذرا بوجھ اٹھا دو۔ آپ ﷺ قریب گئے تو وہ شخص کہنے لگا: ”اوہ! آپ تو فرزندِ علیؑ ہیں، معاف کیجیے میں نے کوئی اور آدمی سمجھ کر آواز دی ہے۔“ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ”کوئی حرخ نہیں تھوڑی دیر کے لیے مجھے بھی آدمی سمجھ لو۔“ اس بات پر دونوں ہنس پڑے اور آپ ﷺ نے بوجھ اٹھانے میں اس کو سہارا دیا۔ ارشادِ نبوی ہے:

”خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ“

”تم میں بہتر وہ آدمی ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔“<sup>②</sup>

اس حدیث مبارکہ کہ پر آپ کا پورا پورا عمل تھا۔

ایک بار کوئی بوزھا آدمی بوجھ تسلی دبا ہوا بمشکل چل رہا تھا، آپ

① ”شعب الانیمان بیهقی“ حدیث: 8140. ② صحیح مسلم۔

### پھر سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

138۔

دوز کر اس کے پاس پہنچے، اس کا بوجھ اپنے سر پر اٹھالیا اور فرمایا: ”بڑے میاں! مجھے لے چلو جہاں جانا ہے۔“ مقامِ معصود پر پہنچ کر بوڑھے نے آپ کی طرف دیکھا، تو پہچان کر معدودت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: ”کوئی مضاائقہ نہیں، ہڑوں کی خدمت کرنا میرا اولین فرض ہے۔“

اب اس متواضع اور خادمِ الناس شہزادے کے ہم جیسے نام کے شیدائیوں کو دیکھا ہے کہ کیا وہ بھی آپ علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں؟ اور عوام کی خدمت کر کے حضرت حسین علیہ السلام کی مقدس تعلیمات اور خوبصورت اداوں کو اپناتے ہیں یا.....؟ اگر جوابِ نعمی میں ہے اور یقیناً نعمی میں ہے تو پھر سمجھ بجیے حضرت حسین علیہ السلام سے ہماری محبت صرف زبانی ہے، قلبی اور عملی نہیں۔ قلبی محبت یہ ہوتی ہے کہ آپ کے ایک ایک عمل کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی سیدنا حسین علیہ السلام کی طرح نبی کریم علیہ السلام کا اسوہ حسنة اپنا کر دئیوی و اخروی فلاح پائیں۔ (آمین)

### صبر و مقاعدت

المصیبت کے وقت صبر کرنا اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقت گزارنا حضرت حسین علیہ السلام کا خاصہ تھا۔ آپ علیہ السلام مصاحب میں بتلا ہو کر گھبرا تے، نہ مضطرب ہوتے۔ بلکہ بارگاہِ الہبی میں سر بسجد ہو کر خشوع و خضوع اور گرگری و زاری و انکساری سے دعا نہیں مانگتے تھے اور لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے کہ آپ علیہ السلام کس غم یا فکر میں بتلا ہیں اور کس مصیبت نے آپ علیہ السلام کو گھیرا ہوا ہے؟

ایک بار آپ علیہ السلام کسی مشکل میں پڑ گئے کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ آپ علیہ السلام پر کیا ابتلاء آئی ہے۔ جب وہ مشکل حل ہو گئی تو لوگوں کو اس کا علم ہوا، عرض کیا: ”حضرت! آپ نے ہمیں آگاہ کیوں نہ فرمایا؟ جہاں تک بس چلتا ہم آپ کی مدد کرتے۔ صابر و

۱۳۹

سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

شاکر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”بھائیو! میری اس مصیبت اور مشکل کو بجز ذات اللہی کے کوئی نال نہیں سکتا تھا، پھر میں دوسروں سے شکایت کر کے اس کا ناشکر گزار کیوں بنوں اور بے صبری سے کیوں کام لوں؟ اور اسی کے دربار میں کیوں نہ جھکوں جو مشکلات کو حل کرنے والا اور مصائب و آلام سے نجات دینے والا ہے۔“

اللہ اللہ! یہ ہے وہ صبر و قناعت جو حضرت حسین علیہ السلام نے سیکھی۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت موصوف پر کوئی مصیبت آن پڑتی تو آپ علیہ السلام فوراً نماز پڑھنے لگتے اور جب مصیبت دور ہو جاتی، پھر بھی نماز ادا فرماتے۔ کسی نے پوچھا: ”حضور! کیا نماز پڑھنے سے مصیبت دور ہو جاتی ہے؟“ فرمایا: ”ہاں! کیا تو نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا سُلْطَانًا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“<sup>①</sup>

قناعت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ ملتا اسی پر گزر بس رکر لیتے اور اس سے زیادہ کی خواہش نہ رکھتے، بعض اوقات روکھی روٹی چبائیتے، بعض دفعہ خشک چپاٹی پر قانع رہتے۔ ایسی حالتوں میں اکثر یہ آیت پڑھا کرتے:

فَإِذَا كُرُونَى آذُكْرُكُمْ وَأَشْدُرُوا إِلَى وَلَا تَكُفُرُونِ

”تم مجھے یاد رکھو میں تصحیح یاد رکھوں گا اور میرا شکر یہ ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔“<sup>②</sup>

یہ نہیں کہ حضرت حسین علیہ السلام متگدست اور نعمود باللہ غریب و بدحال تھے، آپ علیہ السلام کو

① البقرة، 2: 158. ② البقرة، 2: 153.

## ۱۴۰۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

اللہ کی رحمت سے بہت کچھ ملتا تھا اور وافر ملتا تھا۔ لیکن آپ علیہ السلام سارا مال اللہ کی راہ میں لٹا دیتے تھے۔ اور خود قوت لا یہوت کے مطابق کھاتے اور تھوڑے اتنا شے پر قیامت فرماتے تھے۔ ورنہ بعض دفعہ لاکھوں درہم آپ علیہ السلام کے پاس آئے۔ جس طرح آئے اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کر دیے۔ حاجت مندوں کے گھر بھر دیے۔ ناداروں کو بے نیاز کر دیا لیکن خود بھوکے رہے۔ یہ تھی آپ علیہ السلام کی شان استغنا۔ اللہ اکبر! اور یہ سب کچھ آپ علیہ السلام کو اپنے گرامی منزلت والدین اور اس سے بڑھ کر حضرت نبی کریم علیہ السلام کے فیض صحبت سے نصیب ہوا۔ کیا آپ کو مانے والے دوست آپ علیہ السلام کی سیرت مقدسہ کے اس پہلو سے کچھ سبق لیں گے؟

## آداب و اخلاق

از بَكَهْ حَسِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ :<sup>①</sup> کا باعظمت خطاب پانے والے عظیم نبی کے عظیم نواسے تھے، اس لیے خلق میں بھی رسول اللہ علیہ السلام کی اطاعت فرماتے تھے۔ اور نہ صرف خود بہترین اخلاق کے مالک تھے، بلکہ دوسروں کو بھی اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے کا درس دیتے تھے۔

ایک دفعہ کسی دیہاتی نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: ”جناب نبی کریم علیہ السلام سب سے زیادہ محبوب کس کو رکھتے تھے؟“ فرمایا: ”جو سب سے زیادہ با اخلاق ہوتا تھا۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی:

«أَحْسَنُكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا»

”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہیں۔“

کوئی شخص بد تہذیب سے پیش آتا یا اگھڑا بجھے میں بات کرتا تو آپ علیہ السلام سے

① القلم، 4: 68.

۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب ۔ 141

عمرہ اخلاق سے پیش آتے۔ اور حسن سلوک کا اظہار فرماتے۔ اور کسی صورت تہذیب و شرافت کا دامن نہ چھوڑتے۔

ایک بار مجلس میں تشریف فرماتے اور علم و عرفان کے قیمتی موتی بکھیر رہے تھے، ایک شخص نے سوال کیا: ”قیامت کے روز کون سا عمل سب سے بہتر سمجھا جائے گا؟“ آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلَ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»

”حشر کے روز میزان میں خوش خلقی سب عملوں سے زیادہ وزن رکھے گی۔“<sup>①</sup>  
 ایک دفعہ ایک گنوار نے آپ ﷺ کو بد تیزی سے بلایا اور بے ادبی سے باقی کرنے لگا۔ لیکن ہر بات کا جواب آپ ﷺ اخلاق و تہذیب اور بڑی نرمی سے دیتے رہے۔ جب وہ جانے کا ارادہ کرنے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو کھانا کھلایا اور اس کی ضرورت پوچھی، وہ چلا گیا تو لوگوں نے کہا: ”وہ تو آپ ﷺ سے بد خلقی کے ساتھ پیش آیا مگر آپ بہت احترام اور خلق و محبت سے گفتگو فرمائے تھے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ گنوار (بد) تھا اور میں رسول اللہ ﷺ کا نواسہ اور علی المرتضی علیہ السلام کا بیٹا ہوں، اس کا اپنا انداز تھا جس میں وہ بولتا تھا۔“ مگر میں نے اپنے انداز ہی سے بات کرنا تھی۔ ہر شخص کی عقل سمجھا اپنی ہوتی ہے جسے وہ استعمال کرتا ہے۔ میں گنوار کے ساتھ کیوں گنوار ہوں؟“ آپ ﷺ بہت مسود اور شاستر طبع تھے۔ بڑوں کا ادب کرنا فرض سمجھتے تھے اور کسی کی بے ادبی کرنا گناہ خیال کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے بھائی حضرت حسن علیہ السلام آپ سے صرف گیارہ ماہ بڑے تھے لیکن جب آپ ﷺ کے پاس تشریف لا تے تو آپ ﷺ ان سے احترام و تعظیم کے ساتھ پیش آتے۔ آپ ﷺ اپنے گرامی منزلت والدین کی بہت

① سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حدیث: 4799، وجامع ترمذی، البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، حدیث: 2003.

پھر... سیدنا حسین علیہ السلام کے نصائل و مناقب 142

تکریم کرتے۔ حضرت علی علیہ السلام کا آگے بڑھ کر استقبال کرتے۔ والدہ محترمہ سیدہ فاطمة الزهراء علیہما السلام کی تعظیم میں کوئی فرق روانہ رکھتے۔ صحابہ کرام علیہم السلام کی بہت عزت کرتے اور ان کے مرتبے کو خوب پہچانتے۔ حضرت ابو بکر علیہ السلام، حضرت عمر علیہ السلام اور حضرت عثمان علیہ السلام میں سے کسی کے پاس جاتے تو مودب ہو کر زانو بیک کر بیٹھتے۔ احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے سامنے بہت آہنگی سے بات کرتے۔ ان کی بات کوٹو کتے، نہ کاٹتے بلکہ حد درجہ احترام اور شاشنگی کا مظاہرہ فرماتے۔

ان واقعات سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور وہی اسوہ حسین علیہ السلام اختیار کرنا چاہیے جو مستند ہے اور جس پر چلنے سے ہر مسلمان نیکوکار بن کر جنت خرید سکتا ہے۔

### شجاعت و بسالت

حسین علیہ السلام خیر شکن کے نور نظر تھے جس کی بیبیت سے نامی گرامی پہلوان اور بڑے بڑے بہادر لرز جاتے تھے۔ آپ علیہ السلام میں قوت و ہمت، دلاوری و شہزادگانی کیوں نہ ہوتی۔ آپ بھی «الْوَلُدُ سِرُّ لَا يُبَيِّه» کے مطابق اپنے والد گرامی علیہ السلام کے اوصاف و کمالات کا پرتو تھے۔ آپ علیہ السلام جس لڑائی میں بھی شریک ہوئے، اس میں اپنی شجاعت و بسالت کے جو ہر دکھائے۔ اور لطف یہ ہے کہ جن جنگوں میں آپ علیہ السلام نے شرکت کی اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مجاہدین اسلام کو ان سب میں فتح و نصرت عطا فرمائی۔ تفصیل گز شنیت صفحات میں دی جا چکی ہے۔

لڑائیوں میں آپ علیہ السلام جس وقت دشمن سے مقابلہ کرتے تو بڑی بے جگری اور پا مردی سے لڑتے، خوف اور گھبراہٹ کے آثار کبھی چہرہ مبارک پر پیدا نہ ہوتے۔ خود اطمینان سے لڑتے اور دسروں کو حوصلہ دیتے جس پر ہاتھ ڈالتے وہ بھاگ نہیں سکتا تھا۔ جس پر وار کرتے اس کا پچنا محال تھا۔ جسے قابو کرتے وہ آپ کی گرفت سے نکل نہ سکتا

۔ 143 . سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب

تھا۔ شجاع ابن شجاع تھے۔ کائناتِ عالم کے اس پہ سالار اعظم علیہ السلام کے نواسے تھے جس نے فون جنگ میں اللہ تعالیٰ سے رہنمائی لی تھی۔ مختصر یہ کہ آپ کو اسد اللہی قتوں سے حصہ ملا تھا۔ اگر آپ علیہ السلام شجاعت میں بے مثل نہ ہوتے تو اور کون ہوتا؟ معز کہ کربلا میں آپ نے جو حیرت انگیز بہادری و کھانی ہے وہ تاریخ میں قیامت تک ثابت رہے گی۔ اور اس کا تذکرہ الگ صفات پر آرہا ہے۔

### جرأت و حوصلہ

سیدنا حسین علیہ السلام نہایت جریٰ بے مثل زعیم اور بے نظیر حوصلہ مند تھے، رائخ العزم تھے۔ بڑے نذر تھے۔ دل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ رکھتے تھے۔ کوئی ارادہ کرتے تو اس پر پہاڑ کی طرح قائم رہتے۔ ہربات جرأت مندی سے کہتے۔ جس کام کو شروع کرتے تو اس کو انجام تک پہنچا کر دم لیتے۔ دشمن سے کلام کرتے تو جرأت دے بے با کی سے کام لیتے۔ مخالف سے بولتے تو بے خوفی کا مظاہرہ کرتے، کسی بات میں رائے دیتے تو بہت صائب اور پختہ۔ ملوک و حکام، وزراء و سفراء، گروہ و فوجوں کو لوگ غیر ممالک سے آتے ان سے ایسی کمال گفتگو فرماتے کہ وہ ونگ رہ جاتے۔ امیر معاویہ علیہ السلام جیسے مدیر و سیاست وان کے سامنے احترام رکھتے ہوئے کھل کر اپنا مافی اضمیر بیان کرتے۔ دل میں کوئی بات چھپا کر نہ رکھتے۔ پھر عبید اللہ بن زیاد، شر اور ابن سعد جیسے لوگوں کے سامنے آپ نے جس جرأت و دلیری اور استقلال و حوصلے سے مافی اضمیر کا اظہار کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ علیہ السلام کی پاسیدار اور دوٹوک گفتگوں کر دشمن لرز جاتے اور ان کے ارادے بدلتے تھے مگر آپ علیہ السلام کی استقامت اور پختگی میں فرق نہ آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ ذہانت و ذکاوت، خلق و مردم اور جرأت و حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین!

## تلیغ حق و صداقت

حضرت حسین بن علیؑ تبلیغِ فرائض بھی بہت احسن طریقے سے ادا کرتے تھے۔ جہاں شرپسندوں یا فتنہ پروازوں کی کوئی جماعت دیکھتے تو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیؑ کا پیغام بے دھڑک سناتے اور دین حنفی کو صحیح طور پر اختیار کرنے کی دعوت دیتے۔ راہ چلتے کوئی زندگی و بدعتی مل جاتا تو اس کے ساتھ بہت زم اور نتیجہ خیز گفتگو کرتے اور پھر ایسے مدل طریقے سے تبلیغ کرتے کہ وہ لا جواب ہو کر چلا جاتا یا پھر اسلام کا خادم بن جاتا۔

ایک دفعہ آپ پا پیادہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے کہ ایسے ہی افراد کا ایک گروہ راستے میں مل گیا۔ ان لوگوں نے آپ کو پیدل چلتے دیکھا تو کہنے لگے: ”اے ابن علیؑ! تمہارے قرآن میں تو لکھا ہے کہ، لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ ”اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“<sup>①</sup> اور تم اسپ و شتر کی موجودگی میں پا پیادہ جا رہے ہو؟ آپؑ نے فرمایا: ”الحمد للہ، میں تندurst و توانا ہوں، دین کا ایک فرض ادا کرنے جا رہا ہوں، اللہ کے لیے خود کو تکلیف میں ڈالنا بہت بڑے ثواب کا موجب ہے۔ تم ہی بتاؤ! تم جو غیر اللہ کے سہارے بناتے اور ان کے بارے میں طرح طرح کے موهوم، ریت کے گھروندے اور کچے عقائد رکھتے ہو، ان کے آگے مجھکتے اور ان پر بڑا تکمیل کرتے ہو۔ اور ان کے نام پر نذریں دیتے ہو، یہ سب کام تکلیف میں داخل ہیں یا نہیں؟ تم بھی تکلیف کرتے ہو۔ اور ہم بھی تکلیف کرتے ہیں، مگر ہماری تکلیف باعث ثواب ہے اور تمہاری تکلیف باعث عذاب ہے۔“ یہ کہہ کر آپؑ نے انہیں اسلام کے ایسے احکام و مسائل سنائے کہ ان میں سے اکثر توحید خالص اور عظمت

<sup>①</sup> البقرة، 2: 286.

اسلام کے قائل ہو گئے۔ اور جو محروم رہ گئے وہ بھی صداقت اسلام کے معرف ہو گئے۔ ایک مرتبہ ایک تاجر جو اسلام کے بعض احکام پر نکتہ چینی کرتا اور مسلمانوں سے شمشمول کرتا تھا۔ وہ حضرت حسین علیہ السلام سے ملا تو کہنے لگا: "آپ کے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام ایک مکمل آئینِ الہی ہے اور اس میں دین و دنیا کے تمام اصول و قوانین موجود ہیں، بھلا بتاؤ تو! کیا ناپ تول کا اصول بھی قرآن میں آیا ہے؟" حضرت حسین علیہ السلام نے فرمایا: "کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَوْفُوا الْكِيلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ

"جب کوئی چیز ناپ تو پیانہ بھر کر دو۔ اور تو لنگوترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو،"<sup>①</sup> یہ آیت سنتے ہی وہ بے دین و بد مزاج آدمی آپ کی عظمت اور اسلام کی فضیلت کا قائل ہو گیا۔ الغرض آپ جب بھی موقع پاتے تبلیغ اسلام میں مصروف ہو جاتے، اللہ تعالیٰ کی توحید پر خاص زور دیتے، ہستی باری تعالیٰ کے دلائل سناتے، قرآنی تعلیمات اور اس کے محاسن سے آگاہ فرماتے، رسول اللہ علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور اس کی ضرورت و اہمیت اور آخرت کی صداقت و حقیقت سے روشناس کرتے۔ غرض آپ کی تبلیغی مساعی سے بہت سے غلط روا اور گم گشته راہ لوگ ہدایت پر آگئے۔ اللہ ہمیں بھی آپ علیہ السلام جیسا مقدس اور سچا جذبہ دعوت و تبلیغ عطا فرمائے۔ اور آپ کے لڑائی جنگوں میں اور صحابہ و اہل بیت علیہ السلام پر طعن و تشنیع کرنے سے بچائے۔ جس میں بجائے فائدے کے نقصان ہی نقصان ہے۔ دنیا کا بھی زیاد اور آخرت کا بھی نقصان۔ اور ہم اپنے تمیس سمجھتے ہیں کہ بڑی اچھی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اللہ ہمیں صحیح سمجھو عطا فرمائے۔ آمین

تیمارداری

رسول اللہ علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ علیہ السلام کو خبر ملتی کہ فلاں شخص یا مار

<sup>①</sup> بنی اسرائیل، 17:35.

ب) سیدنا حسینؑ کے فضائل و مناقب 146

ہے تو اس کی عیادت کے لیے ضرور تشریف لے جاتے۔ اس کی تیمارداری فرماتے، دوا دارو لا کر دیتے، اس کی ضرورت کے متعلق پوچھتے اور جہاں تک بس چلتا اس کی حاجت پوری کرتے۔ حضرت حسینؑ نے بھی ہر حال میں اپنے نانا جانؑ کی پیرودی کی۔ آپؑ لوگوں کی بیمار پرسی کے لیے جاتے۔ مریض کو تسلی دیتے۔ اس کی شفا کے لیے دعا فرماتے۔ قطع نظر اس سے کہ بیمار مسلمان ہوتا یا غیر مسلم، دوست ہوتا یا دشمن، اپنا ہوتا یا بیگانہ، آپؑ سب کے پاس پہنچتے۔ ایک دفعہ عبد اللہ بن عمرؓ سخت بیمار ہو گئے۔ مرض بڑا مہلک تھا اور ان کے جان بر ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ حضرت حسینؓ روزانہ ان کے پاس جاتے، تشفی دیتے اور خلوص دل سے ان کے لیے دعائیں مانگتے۔ کیونکہ وہ آپ کے گھرے دوست، آپ کے ہم مكتب اور بچپن کے ساتھی تھے۔ آپ کی دعاؤں کا یہ اثر ہوا کہ عبد اللہ بن عمرؓ صحت یاب ہو گئے۔

ایک دفعہ آپ ایک نادار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ کرب و اضطراب سے ترپ رہا ہے۔ آپؑ نے مخندہ اپنی منگوکرا اس پر دم کیا اور اس کو پلا یا جس سے اس کی بے چینی جاتی رہی، پھر کچھ رقم اسے عطا کی اور فرمایا: ”اس سے اپنی ضرورت پوری کرو۔“

کاش! امام موصوف کے اس نمونہ عمل کو ہم بھی اپنا میں تاکہ اسلام کے مخالفین سمجھ جائیں اور یقین کر لیں کہ دین اسلام واقعی خلق و محبت اور احسان و مروت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہ ہمارا کردار دیکھ کر اسلام کی جانب مائل ہونے لگیں۔ تبلیغ و دعوت کے لیے صالح کردار کا ہونا بہت ضروری ہے۔ دیکھ بیجے، عالی جناب حضرت حسینؑ کے صالح کردار نے تبلیغ و دعوت کے میدان میں کتنا کام کیا کہ لوگ آپؑ کے اخلاق عالیہ اور صفات جیلیہ کو دیکھ کر آپ کی دعوت کی طرف مائل ہو گئے۔

کیا ہمارے واعظین و ذاکرین بھی پرانی لکیر کو پیٹنے کی بجائے ادھر بھی کچھ توجہ دیں

سیدنا حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب 147

گے اور کیا اس گر انقدر اسوہ حیمتی کو اپانے کی کوشش کریں گے؟

### حیاداری

حضرت حسین علیہ السلام بہت شر میلے اور صاحب شرم و حیا تھے۔ چھوٹی ہی عمر میں برہنہ ہونے سے نفرت کرنے لگے۔ کوئی ناشائستہ بات اور غیر مہنگا بانہ لفظ منہ سے نہ نکالتے۔ کوئی شخص بُری بات کہتا یا گند الفاظ بولتا تو سخت نفرت کرتے اور گالی گلوچ کو تو بے حد برا جانتے۔ بلکہ اگر بس چلتا تو ڈانٹ دیتے۔ اور بے حیائی کسی طرح بھی ہواں سے دور رہنے کی بدایت فرماتے۔ آنکھیں پیچی رکھتے گویا۔ **يَعْصُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ**<sup>①</sup> کی پچی تصویر تھے۔ ایک بار آپ سے ایک شخص نے کوئی بے ہودہ سی بات کی۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تو نے رسول اللہ علیہ السلام سے سنائیں:

«الْحَيَاةُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ»

”حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔“<sup>②</sup>

اور حیا بھلانی اور نیکی کی سرمایہ دار ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی میں حیا نہیں وہ ایمان سے خالی ہے۔

آپ مستورات کے قریب سے گزرتے تو مذہ ایک طرف کر لیتے یا ڈھانپ لیتے۔ اگر بے پرده عورتوں کو دیکھتے تو انھیں پردے کی تاکید فرماتے۔ چند نوجوان لڑکیاں ننگے منہ باقیں کرتی جا رہی تھیں، آپ علیہ السلام نے دیکھا تو انھیں ڈانٹ پلائی اور فرمایا: ”مسلم زادیاں بے نقاب ہو کر باہر نہیں نکلتیں۔“

آہ! حضرت حسین علیہ السلام اگر آج کی مسلمان عورت کو دیکھتے تو حیران رہ جاتے کہ جس

<sup>①</sup> التور، 30:24 صحیح البخاری، الایمان، باب الحیاء من الایمان، حدیث: 24،  
وصحیح مسلم، الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان، حدیث: 36

بھر۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب

148

خاتون کو گھر میں رہنے، خانہ داری کے فرائض انجام دینے، پرداہ کرنے، غیروں سے الگ رہنے، نامحمرموں کی مجلس سے پرہیز کرنے کا حکم ملا تھا، وہ کس طرح سڑکوں اور بازاروں میں دندنارہی ہے؟ کس آزادی سے ننگے سر، ننگے منہ، شیم برہنہ لباس میں پھر رہی ہے؟ اور کس بے تکلفی سے اغیار کے ساتھ دوستی بڑھاتی، محبت کی پیشگیں چڑھاتی اور ان کی محفلوں کی زیست بنتی ہے؟ پھر وہ مسلمان مردوں کو دیکھتے تو اور بھی حریت زدہ ہوتے کہ انہوں نے خود عیاشی اختیار کر کے اپنی عورتوں کو بھی عیاش بنا دیا اور مادر پدر آزاد کر دیا ہے اور کتاب و سنت کے احکام اس طرح فراموش کر دیے ہیں جیسے ان کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ العیاذ بالله!

### امانت داری

حضرت حسین بن علیؑ بہت متدين (دین دار) تھے۔ آپؑ "الامین" کے شہرہ آفاق لقب سے مشہور اپنے محترم نانا جان علیؑ کی طرح امانتوں کا بہت خیال رکھتے اور ان کی ادائیگی میں عجلت سے کام لیتے۔ یعنی امانت کی ادائیگی میں ذرا بھی تاخیر پسند نہ فرماتے تھے۔ اور دوسرے کی رقم اپنے استعمال میں لانے کو منوع جانتے تھے، ہاں، اگر اجازت مل جاتی تو اور بات تھی۔ مگر آپؑ پھر بھی احتیاط فرماتے، اگر کوئی شخص آپؑ کے پاس امانت رکھ جاتا تو آپ اسے بہت سنجال کر رکھتے اور اس کی انتہائی حفاظت کرتے اور اپنے گھر والوں سے کہتے کہ میری غیر حاضری میں فلاں شخص اپنی امانت لینے آئے تو اس کو دے دینا اور ہرگز تسلیم سے کام نہ لینا۔

ایک بار کسی نے آپ سے پوچھا کہ نیک لوگوں کی کیا شناخت ہے؟ آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْيَنْتِهِمْ وَعَاهَدُهُمْ رَعُونَ

”اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا خیال رکھتے ہیں۔ یعنی انہی صفات والے لوگ سچے مومن ہیں۔“<sup>①</sup>

اسی طرح ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ منافق کیا علامات ہیں؟ آپ نے حدیث مبارکہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو آدمی امانت میں خیانت کرتا ہے وہ منافق ہے، حدیث کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں: «إِذَا ائْتَمِنَ خَانَ» ”منافق کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔“ اور فرمایا: ”اسی لیے حضور ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ کسی نے تمہارے پاس امانت رکھی ہو تو اس کو ادا کرو اور جو آدمی تم سے خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔“<sup>②</sup>

ایک مرتبہ آپ کسی طویل سفر پر جا رہے تھے۔ آپ نے عازم سفر ہونے سے پہلے تمام امانتیں اہل خانہ کے سپرد کر دیں۔ اور فرمایا: ”یہ فلاں فلاں آدمیوں کی امانتیں ہیں انھیں ادا کر دینا، کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کربلا کی طرف کوچ کرنے سے پہلے آپ نے تمام امانتیں واپس لوٹا دی تھیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے نام لیواوں کو بھی امانت داری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمين۔ اور خوب یاد رکھو! حضرت حسین علیہ السلام کا صرف نام لینے سے بات نہیں بنے گی بلکہ آپ علیہ السلام کا مبارک طریقہ اپنانے سے بات بنے گی، ہم ان کی امانت و دیانت دیکھیں اور آج اپنے حالات دیکھیں۔ اور پھر بتائیں کہ کیا ہمارے اندر ان کے اوصاف کی کوئی رمق موجود ہے؟ اگر نہیں ہے تو پیدا کریں۔ اور اگر ہے تو اللہ کا شکر بجا لائیں۔

① المؤمنون، 23: 8. ② سنن أبي داؤد، البيوع، باب فی الرُّجُلِ يَأْخُذُ حَقَّهُ مِنْ تَحْتِ يَدِهِ، حدیث: 3535، وجامع ترمذی، البيوع، باب 38، حدیث: 1264.

## قرابت داروں سے سلوک

حضرت حسینؑ اپنے اعزہ و اقرباء سے بھی حسن سلوک سے پیش آتے اور درج و مرتبہ کے مطابق ان کی خدمت کرتے، ان سے محبت روا رکھتے۔ جو سن رسیدہ ہوتے تو ان کی اور زیادہ عزت کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ”حضرت حسینؑ قربت داروں کو سمجھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں ہم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ کے تعلقات تھے حضرت حسینؑ ان سب کا خیال رکھتے تھے حتیٰ کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ کے متعلقیں و اعزہ کے حقوق کو بھی نظر انداز نہ کرتے تھے۔“

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کے خاندان اور برادری سے تعلق رکھتا ہوں، یعنی میں ان کا قریبی ہوں۔ حضرت حسینؓ نے اس کا احترام کیا، تعلیم سے بھایا، خاطر مدارات کی اور جب وہ جانے لگا تو اسے نقدی اور تحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے گھر کوئی مہمان آیا اور آپ کو پختہ چلا کہ وہ آپ کی نانی جان حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے کچھ تعلق رکھتا ہے، آپ نے اس کی دعوت کی اور اس سے حضرت خدیجہؓ کے متعلق کئی معلومات حاصل کیں اور دیر تک اس کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے اور اپنی نانی جان مختارہؓ کو یاد کرتے رہے، حالانکہ خدیجہؓ کی ولادت سے کئی برس پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ جب وہ آدمی رخصت ہونے لگا تو آپ نے اسے کچھ ملبوسات اور تحائف عنایت فرمائے۔

### جَدَاتِ شَائُعَةَ كَيْ فَرْمَانْبَرْدَارِي

حضرت حسین علیہ السلام کی حقیقی نافیٰ جان یعنی حضرت خدیجہ اکبری علیہما تو آپ کی پیدائش سے قبل ہی بہشت سدھار چکی تھیں، لیکن دوسری نانیاں یعنی حضرت فاطمة الزهرا علیہما کی سوتیلی مامیں آپ علیہ السلام نے بہت دیکھی ہیں، یعنی آٹھ نانیوں کی خدمت گزاری کا آپ علیہ السلام کو موقع ملا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ علیہما کی بھرپور خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ان کی فرمانبرداری بھی کرتے تھے اور ان سے علمی فوائد و منافع بھی حاصل کرتے تھے۔

حضرت انس علیہ السلام کہتے ہیں کہ حسین بن علی علیہما نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ علیہما کی پاک صحبوتوں سے نفع حاصل کیا۔ آپ ان سے مسائل پوچھتے اور حدیث سنتے تھے۔ سیدہ صدیقہ علیہما جو حکم دیتیں آپ خندہ پیشانی سے بجالاتے اور ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ام المؤمنین ام جیبہ علیہما جانب ابوسفیان علیہما کی بیٹی تھیں، حضرت حسین بن علیہما کی بھی بہت عزت کرتے تھے۔ غرض تمام جَدَاتِ شَائُعَةَ کی آپ نے بہت خدمت کی اور ان کی نافرمانی کو گناہ سمجھا۔ آپ کی سب نانیاں بھی آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ اور جس طرح نبی کریم علیہ السلام حسین علیہ السلام کے لاد دیکھتے اور ان کو چاہتے اور ان کو دیکھے بغیر جیسی نہ لیتے تھے اور جس طرح حضرت علی اور قاطلہ علیہما نے سے پیار کرتے تھے، اسی طرح آپ کی عظیم جَدَاتِ شَائُعَةَ بھی ان سے شفقت کرتی اور ان کے ناز اٹھاتی تھیں۔

### بہن بھائیوں سے محبت

حضرت حسین علیہ السلام اپنے بھائیوں اور بہنوں سے بھی بہت محبت رکھتے تھے، آپ علیہ السلام

پھر سیدنا حسین بن علیؑ کے فضائل و مناقب

۱۵۲

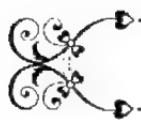
کے سوتیلے بھائی بھی تھے مگر آپ ﷺ اپنے برادر اکبر حضرت صن جنتؑ میں اور ان میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ کی ایک ہمیشہ سیدہ ام کلثوم بنتیؑ تھیں، جو سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ خلیفہ ثانی کے عقد میں تھیں۔ آپ ﷺ ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ جب عمر فاروق علیؑ وفات پا گئے اور ام کلثوم بنتیؑ یوہ ہو گئیں تو ان کا دوسرا نکاح سیدنا علیؑ بنیؑ کے ایماء سے عون بن جعفر ﷺ سے کر دیا۔<sup>①</sup>

پھر جب ام کلثوم بنتیؑ وفات پا گئیں تو حضرت حسین بن علیؑ اشکبار آنکھوں سے ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اور بعد میں ان کی قبر پر جا کر بہت دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ حضرت صن جنتؑ آپ کے بڑے بھائی تھے، حسین بن علیؑ ان کی بڑی عزت کرتے اور ان سے محبت رکھتے تھے، سفر کو جاتے تو ان سے معالقه کرتے، سفر سے آتے تو ان سے گلے ملتے۔ آپ ﷺ بہنوں کو تحفے تحائف سمجھتے رہتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ آپ کی بہنیں بھی آپ پر جان چھڑکتی تھیں، چنانچہ سیدہ زینب بنتیؑ تو معرکہ کر بلایا میں بھی آپ کے ساتھ رہیں اور ایسا ساتھ دیا کہ آپ کی خاطر اللہ کی راہ میں اپنے فرزند قربان کر دیے۔

اگر کوئی بہن بھائی یا بھائی بھائی آپس میں لڑ پڑتے تو آپ ﷺ فوراً ان میں صلح کر دیتے اور فرماتے کہ بہن بھائی کی محبت لڑنے کے لیے نہیں ہوتی، خوش رہنے اور اتحاد قائم رکھنے کے لیے ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی سیرت کے اس پہلو کو بھی اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ انسوں! ہم آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا یہ پہلو تقریباً فراموش کر چکے ہیں جبکہ ہمیں اسے فراموش نہیں کرنا چاہیے تھا۔

① یکچھی شیعی کتب، مگر شیعہ دوست پھر بھی اس رشتے کا انکار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس رشتے سے حضرت عمر فاروق ﷺ کی الہمیت شدائد سے رشتہ داری ظاہر ہوتی ہے۔ شاید اُنھیں یہ گوار نہیں۔



## حَلِيْه مبارک



### شَبَّيه اَقْدَس

جسم مبارک سیدہ سے ٹخنوں تک آنحضرت ﷺ سے مشابہت رکھتا تھا، چہرہ خوبصورت تھا اور اس سے وجہت پیکتی تھی، آنکھوں میں چمک تھی، نگاہ میں رعب تھا، پلکیں گھنی اور لمبی تھیں، دانت مقتدر سفید اور چمکیلے تھے، وہنہ زیادہ تنگ نہ زیادہ چوڑا، ہونٹ متوسط اور شیم گلابی، پیشانی کشادہ، ناک اوپنجی، بھویں ہلائی، کانوں پر باریک رُونیں، گردن مضبوط، داڑھی بڑی اور گھنی، موچھیں کتراتے تھے، لب دریش کی وضع جناب رسول اللہ ﷺ کی لب دریش مبارک جیسی تھی، قد میانہ تھا، رنگ نہ تو بالکل گندی تھا نہ بہت سفید، جوانی میں رخساروں پر سرخی جھلکتی تھی، لیکن بعد میں عمر کے لحاظ سے قدرے کی واقع ہو گئی، سر کے بال گاہے کترادیتے گاہے رکھ لیتے، لیکن سنت طریقہ کے مطابق بال رکھتے۔ سینے پر بال تھے، مگر بہت گھنے نہ تھے، شانے کشادہ اور موٹے، اعضاۓ بدن بہت مناسب اور گوشت سے گھنے ہوئے، جن سے قوت و ہمت، جرأۃ و شجاعت نمودار ہوتی تھی، اپنے والد معظم شیخزاد کی طرح جھوم کر چلتے تھے اور یہ رفتار عرب میں شریفانہ اور شجاعانہ سمجھی جاتی تھی، دست و پا میں مضبوطی اور پچھلی تھی۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر دبدبہ پیدا ہوتا تھا۔

① جامع ترمذی، المناقب: باب مناقب ابی محمد الحسن بن علی (رضی اللہ عنہما)، حدیث: 3779.

۱۵۴ جلیہ مبارک

## آواز

آپ ﷺ کی آواز میں کسی قدر غصہ تھا، یعنی ذرا ناک سے آواز نکالتے تھے، جو بہت پیاری لگتی تھی اور ایسی آواز عرب کے ہاں خوش کلامی، فصاحت اور شیریں پیانی کی دلیل بھیجی جاتی تھی۔ اسی آواز کی بدولت آپ ﷺ کی تلاوت قرآن تہایت مؤثر اور جاذب تھی۔ اور جو آپ ﷺ کی تلاوت سنتا وہ سنتا ہی رہتا۔ آپ آواز میں بختی اور تیزی کو ناپسند جانتے تھے۔ آپ کی آواز میں بہت سوز و گداز اور دھیما پن تھا۔

## خطاب

جب بال سفید ہو گئے تو سر اور داڑھی میں مہندی اور وسمہ لگاتے تھے، جس سے اور حسین و خوبصورت لگتے تھے۔

مسئلہ یاد رکھیے! بالوں کو سفید چھوٹنے کی بہت رنگنا بہتر ہے۔ صرف مہندی سے رنگنا بھی جائز بلکہ بہتر ہے لیکن مہندی اور وسمہ ملا کر رنگنا بھی درست اور جائز ہے۔ جو آدمی کو پسند ہو، اور جس سے اس کا موماناں پیکرو جیہے نظر آئے۔ اور دوسرا بھی اس جیسا بننے کی کوشش کریں یعنی داڑھی رکھنے کی خواہش کریں۔ لیکن یاد رکھیے بال سیاہ کرنا منع ہے۔

حضرت حسین ﷺ کو نگین داڑھی بڑی بھلی لگتی تھی۔ آپ ﷺ کے ماننے اور چاہنے والوں کو بھی ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ یعنی داڑھی پوری رکھیں اور ضرورت محسوس کریں تو آپ ﷺ کے مطابق اسے رنگ لیں، مگر سیاہ رنگ نہ کریں۔ کیونکہ سیاہ رنگ کرنا منوع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بختی سے اس سے منع فرمایا تھا۔ مگر جس کی داڑھی مونڈھی ہوئی یا جو کے ہر ابر ہو وہ غریب کیا خیال رکھے گا؟

داڑھی رکھنا کوئی معمولی یا عام سنت نہیں بلکہ اسے وجوب کا درجہ حاصل ہے۔ اس کا

مونڈھنا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کو داڑھی منڈھوانے والے شخص سے شدید نفرت تھی۔ ایک مرتبہ دربار کسری کا ایک سفیر جو داڑھی منڈھا تھا آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا، آپ ﷺ نے چبرہ اقدس دوسری طرف پھیر لیا اور اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ حضرت نبی کریم ﷺ، حضرت علیؑ، حضرت حسینؑ اور حضرت حسنؑ سب کی بڑی پیاری داڑھیاں تھیں۔ ایک بھی نبی، ایک بھی صحابی، ایک بھی ولی داڑھی کے بغیر نہ تھا۔ حیرت ہے کہ ان لوگوں پر جنہیں حضرت حسین و حضرت علیؑ سے بے پناہ محبت کا دعویٰ ہے مگر ان کے مبارک حلیوں اور حدد درجہ پیاری صورتوں سے نفرت ہے۔ معلوم نہیں ایسے کیوں ہے؟ شاید ہی کوئی ہوگا جس نے ان جیسی داڑھی سجائی ہو۔ ورنہ ہم نے تو 99% دوست بڑی موٹچھوں والے اور داڑھی کے بغیر دیکھے۔ خود کہیے یہ محبت کسی محبت ہے؟ ایسی محبت و عقیدت کو سچی محبت و عقیدت کہنا کہاں تک درست ہے؟

اللہ ہمیں اپنا اندر اور باہر ان جیسا بنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین  
ناراض ہونے کی بات نہیں ہمارے واعظین و ذاکرین کو اپنی صورتیں دیکھنی چاہئیں؟ اور انھیں حضرت علیؑ و حسینؑ جیسا بنانا چاہیے۔ لیکن افسوس کہ انھوں نے عام طور پر عظیم ہستیوں سے الٹشکلیں بنارکھی ہیں۔

## لباس

بچپن کا لباس کچھ اور تھا یعنی وہی تھا جو بچے پہنتے تھے۔ مگر بالغ ہونے پر آپ شرعی پوشان کے پابند ہو گئے، وہی پہنتے تھے جو آنحضرت ﷺ کی پوشان سے ملتی جلتی تھی، جبکہ پہنتے تھے، سر پر پگڑی ہوتی اور کبھی ٹوپی، چادر ہمیشہ پاس رکھتے، تہبند یا لانگی آدمی پنڈلیوں تک یا ذرا نیچے باندھتے۔ کبھی پاجام سہنے تو وہ بھی ٹخنوں سے اوپر ہوتا، کیونکہ یہ طریقہ سنت ہے۔ محبان الہ بیت شیعہ ہوں یا سنی سب کو اس طریقہ کا خیال رکھنا چاہیے۔ سچا محبت اپنے محبوب کی ہر ادا کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور وہ محبوب

سے بہتر کسی کی ادا کو نہیں سمجھتا۔ آپ ﷺ ہم سب کے نہایت محبوب ہیں۔ ہمیں آپ ﷺ کی اداوں کو بھی محبوب رکھنا چاہیے آپ ﷺ کے کپڑے عام طور پر سادہ ہوتے، ہاں! کبھی کہیں سے تختے میں قیمتی کپڑے آجاتے تو وہ بھی استعمال کر لیتے، بشرطیکہ وہ ریشمی یا زر کار نہ ہوتے، لباس ڈھیلہ ڈھالا ہوتا، تنگ پوشہ کو پسند نہ کرتے، کرتہ گھٹنوں سے نیچے قریب قریب ٹخنوں تک ہوتا مگر ٹخنوں کے نیچے ہرگز نہ ہوتا، کیونکہ منوع اور سنت کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے ایسا کرنا گناہ ہے۔

آج کل سعودیہ کے عام لوگ اس اہم مسئلے کی پروانہیں کرتے، جوان کی کمزوری ہی شمار ہو گی۔ انہیں اپنا لباس ٹھیک کرنا چاہیے حضرت حسین ﷺ جو لمبا کرتے استعمال فرماتے، بسا اوقات نیچے صدری بھی ہوتی۔

### خوبصورت

حضرت حسین ﷺ کو بھی اپنے نانا محترم ﷺ کی طرح خوبصورت ہوئی۔ اگر مل جاتی تو روزانہ استعمال فرماتے، ورنہ جمعہ کے روز اور عیدین کے موقع پر ضرور لگاتے، کربلا میں بھی خوبصورت ہے لے گئے تھے۔ آپ ﷺ کا حدیث: «کَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الظَّيْبَ» (نبی ﷺ خوبصورت ہے کہ کوئی پسند کرتے تھے) پر باقاعدہ عمل تھا۔ سنت رسول سمجھ کر جو بھی کام کیا جائے اس کا ثواب ملتا ہے۔

### سواری

حضرت حسین ﷺ کبھی اونٹ اور ناقہ کی سواری کرتے تھے اور کبھی گھوڑے کی، آپ ﷺ کے پاس تین گھوڑے تھے۔ ایک کا نام تکھوم، دوسرا کا لاحق اور تیسرا کا نام ذوالجناح تھا۔ یہ سفید تھے، محرم الحرام میں اہل تشیع اسی (ذوالجناح) کی نقل اتارتے اور ”ذوالجناح“ مع تابوت و علم نکالتے ہیں، جو ناجائز ہے۔ ان کے اس فعل

پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ اور اس کے بارے میں جو عقیدہ رکھا جاتا ہے اور ”فیض“، باñنا جاتا ہے وہ بسا اوقات شرک یا مفضی الی الشرک ہوتا ہے، جس سے بہت دور رہنا چاہیے، ڈلدل نام کا ایک خچر بھی آپ ﷺ کو ترکہ میں ملا تھا جو پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، ان سے سیدنا علیؑ کو ملا، ان سے سیدنا حسنؑ نے پایا اور ان سے حضرت حسینؑ کو مستیاب ہوا، سیدنا عثمانؑ نے بھی اس کی سواری کی ہے۔

### انگوٹھی

کہتے ہیں کہ حضرت حسینؑ چاندی یا کسی اور دھات کی انگوٹھی بھی پہننے تھے، جس پر کچھ الفاظ گندہ تھے۔ لیکن سونے کی انگوٹھی بھی نہیں پہنی۔ کیونکہ اس کا پہننا شرعاً حرام ہے۔ لہذا شیعہ سی کوئی بھی ہوا سے اس امر حرام سے یکسر اجتناب کرنا چاہیے۔ ورنہ اس کی حضرت حسینؑ اور نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت درست نہ ہوگی۔

وہ روایات قطعاً غلط ہیں جن میں ہے کہ آپ کو جرایل میلانے ایک انگوٹھی پہنانی تھی جس پر ”السید الشہید“، لکھا ہوا تھا اور وہ ایسی دھات سے بنی تھی جس کا دنیا میں وجود نہیں ہے۔ بھلا وہ کون سی دھات ہے؟ جھوٹ ہی بنا ہو تو ایسا بنا چاہیے جو مانے کے قابل ہو۔ ایسی روایات گمراہ کن ہیں، ہمیں اس قسم کی بے سرو پا باتوں کے بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جھوٹی اور خود ساختہ باتوں کو شہرت دینے سے احتیاط کرنی چاہیے۔ خصوصاً وہ باتیں جن کو روانج دینے سے شریعت مطہرہ کا حلہ بگڑنے اور عقائد کو دھچکا لگنے کا خطرہ ہو۔ اس بے احتیاطی سے بد اعقادی جنم لیتی ہے جو بالآخر آدمی کو جہنم میں لے جاتی ہے۔ اللہ سب مومیں اور مومنات کو جہنم سے بچائے۔ (آمین، ثم آمین)

### برتن

حضرت حسینؑ معمولی برتوں ہی میں کھاتے پیتے تھے، کوئی خاص برتن نہ بنوار کھے تھے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ آپ ﷺ کے لیے برتن آسمان سے اترے تھے۔ ایک طشت،

۱۵۸۔ طیب مبارک

۱۵۸۔

ایک کٹورا اور ایک آنچورہ تھا، یہ بے سرو پا اور من گھڑت با تیں اور تراشیدہ افسانے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے آپ کے واسطے شربت اور کھیر سے بھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے کوزے بھیجے تھے اور حکم دیا تھا کہ سب مسلمان ہر سال محرم میں ایسے ہی مٹی کے کوزے بنو کر شربت کھیر وغیرہ سے بھر کر اماموں کے نام پر دیا کریں، مگر یہ سب ذہکو سلے ہیں جو شرک و بدعت میں داخل ہیں، جو اسلام اور شریعت اسلام کے منافی ہونے کی بنا پر باعث عذاب ہیں۔ ایسے مسائل ظاہر ہے سامان خورد و نوش کو رواج دینے کے لیے گھڑے گئے ہیں۔ غالباً ہمارے ملک میں عاشورہ کے ایام میں اسی "حکم" کے تحت اماموں کے کوزے بھر کر تقسیم کیے جاتے ہیں اور نہ صرف شیعہ اس گناہ کے مرتكب ہوتے ہیں، بلکہ ان کی دیکھادیکھی بہت سے سنتی بھائی بھی ان خود ساختہ باتوں پر عمل کر کے اپنی نیکیاں بر باد کر لیتے ہیں۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جن ظروف میں حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے پیتے تھے، ان کو نہ کوئی ہاتھ لگا سکتا تھا، نہ استعمال کر سکتا تھا۔ یہ بھی اسلام کو ضعف پہنچانے والی بات ہے، کیونکہ اسلام تو اخوت و مساوات کا پیغام لے کر آیا ہے اور اس سے اسلامی برابری اور برادری کی تردید ہوتی ہے۔ ایسے نظریات سے بچنا اور گریز کرنا نہایت ضروری ہے۔ آپ خود کہیے جہاں اس قسم کے انکار و نظریات کی حکمرانی ہو وہاں قرآن و سنت کی کیا اہمیت یا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

افسوں! آج ہمارے کلمہ گو مسلمان ان خود ساختہ مسائل کو اپنا کر قرآن و حدیث کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ جہاں مسلمانوں کا یہ حال ہو وہاں اسلام سر بلند ہو تو کیسے ہو؟ قرآن و حدیث کی مخالفت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم و اہل بیت سے رشتہ جوڑنا اور اسلام کو سر بلند کرنا سب جھوٹ اور دھوکا ہے۔

ع..... ایں خیال است و محال است و جنوں

## سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ادبی محسن

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ایک بے عدل شاعر اور بے نظیر ادیب تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی تحریر مل کمکشان روشن و درخشان اور آپ رضی اللہ عنہ کی تقریر یوئے گل کی طرح معطر و جاذب ہوتی تھی جس میں دریا کی سی روانی، سرد و چمن کی سی شادابی اور شبتم کا سانکھار ہوتا تھا۔ مگر واضح ہے کہ آپ کا کلام، آپ کا قلم، آپ رضی اللہ عنہ کا علم و ادب اسلام کی خدمت و اشاعت اور اس کے حامد و مکارم بیان کرنے کے لیے وقف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ شعر و خن میں اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی صفات، اس کی کبریائی حضرت رسول کریم ﷺ کی سنت اور دوسرے مسائل کا ذکر فرماتے، خطابت اور کتابت میں بھی امور دینیہ ہی کا تذکرہ کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے علم و ادب اپنے شعر و خن کو بے جا استعمال میں نہ لاتے۔ جیسا کہ عام شعرا کا طریقہ بلکہ وظیرہ ہے۔

کاش! کہ زمانہ حاضر کے شاعر اور ادیب خصوصاً ”ترقی پسند“ شاعر اور ادیب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اسلوب و طریق پر چلیں اور اپنی زبان و قلم کو نجش گوئی اور عربیاں نویسی میں نہ تھھڑیں۔

افسوں! ہمارے اکثر شعرا و ادباء نے شعر و ادب کا مفہوم غلط سمجھا ہے اور اس کا معیار ایسا گھٹایا قائم کر لیا ہے، جس سے قوم کوئی نصیحت اور سبق لینے کے بجائے گمراہی و تباہی کی طرف پہنچ جاتی ہے۔

سیدنا حسین علیہ السلام کے ادبی محسن

160

ذیل میں حضرت حسین علیہ السلام کی گرفتاری اور بابرکت تحریر و تقریر اور شعر و نثر کے چند نمونے درج کیے جاتے ہیں:

ایک مکتب میں اہل بصرہ کو تحریر فرماتے ہیں:

”جناب محمد مصطفیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں برگزیدہ بنایا، حضور علیہ السلام کو بڑی عزت بخشی، رسالت کے انعام سے نوازا، آپ علیہ السلام نے اپنی امت کی بہتری اور نجات کے لیے پیغام الہی کی تبلیغ فرمائی۔ اس کے بعد واضح ہو کہ ہم ملت میں افراق و انتشار پھیلانا سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور سب لوگوں کی لغزشیں معاف فرمائے۔ میں اپنے اس خط کے ذریعے آپ لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ علیہ السلام پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اس وقت سنت مردہ اور بدعت زندہ ہو چکی ہے۔ میں آپ حضرات کو حق قائم رکھتے اور بدعتوں کو ملیا میث کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اگر آپ نے میرے کہنے پر عمل کیا تو آپ یقیناً سیدھی راہ پر چلنے لگیں گے اور صراط مستقیم کو پالیں گے۔“<sup>①</sup>

اس خط کا ایک ایک لفظ پڑھیے اور غور کیجئے کہ حضرت حسین علیہ السلام امت کے نفاق و عناد، افراق و انتشار، قتل و خوزیزی کو کس قدر ناپسند کرتے۔ اس سے خود بھی احتراز کرتے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین فرماتے اور سب کو قرآن مجید اور سنت نبوی پر چلنے کی دعوت دیتے اور ان دونوں پر عمل کرنے کو صراط مستقیم سمجھتے۔ نیز بدعات و محدثات سے سخت پیزار و تنفر نظر آتے ہیں اور بار بار تاکید فرماتے ہیں کہ جیسے بھی ممکن ہو، بدعتوں کو مٹایا جائے اور کلام حق و کلام نبی علیہ السلام کو زندہ رکھا جائے۔

اب آپ علیہ السلام کی تقریر کا ایک نمونہ دیکھیے! جس وقت سیدنا علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوفیوں کا ایک لگکر امیر معاویہ علیہ السلام کے خلاف لڑنے کے لیے روانہ ہوا، اس وقت

<sup>①</sup> تاریخ طبری: 5/357.

حضرت حسین علیہ السلام نے فوج کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے اہل کوفہ! آپ ہمارے مخلص اور قربی دوست ہیں، آپ کا اولین فرض یہ ہے کہ جنگ کی ہولناک آگ بھانے اور سرد کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ جنگ ہر حالت میں حد درجہ تشویش ناک ہوتی ہے، اس کا انجام ہلاکت نیز ہے، اس کا ذائقہ بہت برا ہے، جس نے بھی جنگ میں عجلت کی، اس نے قوم کو نقصان پہنچایا اور اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ فتح یاب ہو کرو اپس آئیں۔“<sup>①</sup>

حضرت حسین علیہ السلام کی اس مختصر مگر جامع تقریر کا ایک ایک فقرہ صلح و آشنا اور امن و سلامتی کا پیغام دے رہا ہے۔ فوج فریق مخالف سے جنگ کرنے جا رہی ہے لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اس کا کمانڈر اس کو مشتعل کرنے اور ابھارنے کی بجائے جنگ کو ختم کرنے، اس سے گریز کرنے، اس سے بچنے، اس میں عجلت نہ کرنے اور قوم کو اس سے بچانے کی نصیحت کر رہا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام جنگ کے حامی تھے نہ سیدنا حسن و حسین علیہما السلام جنگ کرنا چاہتے تھے اور نہ حضرت معاویہ علیہ السلام جدال و قتال کے طلب گار تھے بلکہ یہ سب کچھ فریقین کے ان سازشیوں اور فتنہ گروں کی شرارتوں سے ہو رہا تھا جو دونوں کو لڑا کر تماشا دیکھتے اور دین و ملت کو نقصان پہنچاتے تھے۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر سیدنا علی اور امیر معاویہ علیہما السلام کے بیان میں آ رہی ہے۔ اور حضرت حسین علیہ السلام کی تقریر و تحریر کے کچھ اور نمونے بھی وہیں مل جائیں گے۔ آپ کے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ کیجیے۔۔۔۔۔ مصائب و مشکلات میں اللہ کریم کی طرف رجوع کرنے سے متعلق فرماتے ہیں۔۔۔۔۔

<sup>①</sup> ابن عساکر: 4/327، 328، و شرح نهج البلاغة مصری، ج-3.

إِذَا مَا عَصَكَ الْدَّهْرُ فَلَا تَجْنَحْ إِلَى الْخَلْقِ

وَلَا تَسْأَلْ بِسْوَى اللّٰہِ تَعَالٰی لَا قَاسِمَ الرِّزْقِ

”اگر تجھے زمانہ مصیبت میں بتلا کروئے تو خلقت سے امداد نہ مانگ، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے دور کرنے کی التجاکر، کیونکہ رزق دینے والا وہی ہے۔“  
دنیا کی بے تکلفی اور قناعت واستغناہ کی نسبت کہتے ہیں ..... ۔

إِغْنِ عَنِ الْمَخْلُوقِ بِالْخَالِقِ تَعْنَ عَنِ الْكَادِبِ وَالصَّادِيقِ

وَاتْرَزِقِ الرَّحْمَنَ مِنْ فَضْلِهِ فَلَيْسَ غَيْرُ اللّٰہِ مِنْ رَازِيقِ

مَنْ ظَنَ أَنَّ النَّاسَ يَعْنَوْهُ فَلَيْسَ بِالرَّحْمَنِ بِالْوَاثِيقِ

وَظَنَ أَنَّ الْمَالَ مِنْ كَسِيهِ زَلْتُ بِهِ النَّعْلَانُ مِنْ خَالِقِ

”اگر تجھ کو جھوٹی اور پچی ہر قسم کی مخلوق سے بچنا ہے تو اس سے تعلق توڑ کر صرف اللہ سے لوگا لے۔

اللّٰہُ تَعَالٰی کے سوا کوئی بھی روزی رسان نہیں ہے، وہی رحمان ہے اور تو اسی رازق سے روزی کی التجاء کر۔

جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ دنیا کے لوگ اس کو بے نیاز کر سکتے ہیں، وہ غلطی پر ہے اور اس نے اللہ پر بھروسائیں کیا۔

اگر اس کا یہ خیال ہو کہ مال و دولت اپنی کمائی سے حاصل ہوتی ہے اللہ سے نہیں ملتی، تو وہ ہلاکت کی طرف چلا گیا۔“

فانی دنیا کی حقیقت یوں کھولتے ہیں ۔

قَدْ عَرَفْتَكَ يَا مُنْعِصَةَ الْعَيْشِ

وَيَا دَارَ كُلَّ فَانٍ وَوَبَالٍ

”اے دنیا! ہم تجھے خوب جانتے ہیں تو زندگی کو خراب کرنے والی ہے، تو وہ گھر

ہے جس کی ہر شے فانی اور و بال پذیر ہے۔“

جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں۔

وَإِنْ تَكُنِ الْأَبْدَانُ لِلْمَوْتِ أَنْسَثْ

فَقَتْلُ امْرِيٍ فِي اللَّهِ بِالسَّيْفِ أَجْمَلُ

”اگر انسان کا جسم بالآخرت سے فا ہونا ہے تو پھر مر نے کا بہترین طریق یہ

ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں تلوار چلاتا ہو اُنکل ہو جائے۔“

آخرت کی مرح میں لکھتے ہیں۔

لَئِنْ كَانَتِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نَفِسَةً

فَذَارُ ثَوَابِ اللَّهِ أَعْلَىٰ وَأَنْبِلُ

”دنیا اگرچہ بڑی نفس و مرغوب ہے لیکن اللہ سے اجر ملنے کا گھر دار الآخرت تو

اس سے کہیں بہتر اور بہت خوبیوں والا ہے۔“

کثرت حرص کے متعلق نصیحت فرماتے ہیں۔۔۔۔۔

وَإِنْ كَانَتِ الْأَرْضُ قَسْمًا مُقَدَّرًا

فَقِيلَةٌ حِرْصُ الْمَرءِ بِالْكَسْبِ أَجْمَلُ

”جب آدمی کی قسمت میں اس کی روزیاں لکھی جا چکی ہیں تو پھر یہی بہتر ہے

کہ وہ زیادہ مال کی حرص کو کم کر دے۔“

سیدنا حسین علیہ السلام کے ادبی محسن

164

اپنے دوستوں کی بے وقاری اور اپنے ساتھیوں کی بے محترمی اور اپنی مشکلات وغیرہ کے بارے میں یہ اشعار ارشاد فرمائے.....

ذَهَبَ الَّذِينَ أُحِبُّهُمْ وَبَقِيَتُ فِي مَنْ لَا أُحِبُّهُ

”میرے دوست رخصت ہو چکے اور جوز نہ ہیں وہ میرے دوست نہیں۔“

(مطلوب یہ کہ بعد والے لوگ پہلوں جیسے نہیں ہو سکتے۔)

فِي مَنْ أَرَاهُ يَسْبَبُنِي ظَهَرَ الْمَغِيْبِ وَلَا أَسْبَبُهُ

”یہ مجھے پیچھے پیچھے گالیاں دیتے ہیں، مگر میں انھیں گالیاں نہیں دیتا۔“

(ہر باکمال و باکردار شخص کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا رہا ہے۔)

يَبْغِي فَسَادِي مَا اسْتَطَاعُوا وَأَمْرَهُ مِمَّا أَرِبَّهُ

”وہ میری بربادی چاہتے ہیں..... اور میں ان کی بھلانی کا خواہش مند ہوں۔“

(کتنا بلند ہے حضرت حسین علیہ السلام کا کردار !!)

حَنَقَا يَدِبْ لِي الصَّرَا وَ ذَاكَ مِمَّا لَا أَدْبُهُ

”وہ میرے ساتھ دشمنی اور فریب کرتے ہیں..... لیکن میں ان سے ایسا نہیں کرتا۔“

وَيَرِي دُبَابَ الشَّرِّ مِنْ حَوْلِ يَطْئُنْ وَلَا يَدْبُهُ

”وہ مجھے شر و مصیبت میں دیکھتے ہیں..... مگر مجھے بچانے کے لیے نہیں آتے۔“

وَإِذَا خَبَا وَغُرُّ الصُّدُورِ فَلَا يَرَالُ بِهِ يَشْبُهُ

”وہ اپنا کلیج ٹھنڈا ہو جانے پر بھی آتش انتقام کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔“

أَفَلَا يَرِي مِنْ فِعْلِهِ مَا قَدْ يَسُورُ إِلَيْهِ غِبَّةً

”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کی بد عملیوں کا نتیجہ ان کے سامنے ہے؟“

حَسْبِيْ بِرَبِّيْ كَافِيْ مَا اخْتَشَى وَالْبُغْيُ حَسْبُهُ

”مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے اور ان کو ظلم وزیادتی کا سہارا ہے۔“

وَ لَقَدْ مَنْ يَبْغِي عَلَيْهِ فَمَا كَفَاهُ اللَّهُ رَبُّهُ

”جو شخص زیادتی سے کام لیتا اور چڑھاتی کرتا ہے کیا رب تعالیٰ اس کے لیے کافی نہیں ہے؟“

(وہ کون سا مظلوم ہے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ کافی نہیں ہوتا؟)

القصہ سیدنا حضرت حسین بن علیؑ نے اپنے کلام میں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسار کھنے، اسی سے فریاد و استمداد کرنے اور اسی کے دربار میں جھکنے کی ہدایت فرمائی ہے اور شرگ و بدعت کا استیصال کیا ہے۔

آپؑ کے کلام میں کس قدر اسرار و رموز پنهان ہیں۔ ملاحظہ کریں۔ آپؑ نے جو کچھ فرمایا، اس کا خلاصہ ہے:

”ہر دکھ، تکلیف میں اللہ ہی سے مدد چاہو، اس کے علاوہ بھلا کون دکھ دور کر سکتا ہے؟ مخلوق سے بے نیاز ہو کر خالق سے لوگاؤ۔ اس کے علاوہ کوئی رازق نہیں۔ لوگوں پر اعتماد کرنے والا غلطی پر ہے۔ ایسے شخص کا دراصل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں۔ مال و دولت کا انحصار اپنی محنت پر نہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہے۔ جو شخص صرف اپنی محنت پر انحصار کرتا ہے وہ ہلاکت کی طرف جاتا ہے۔“

مزید فرمایا: ”دنیا فانی اور بے حقیقت ہے۔ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ بہترین موت وہ ہے جو راہ حق میں لڑتے ہوئے آئے۔ دنیا اگرچہ بہت دلکش ہے، لیکن آخرت اس سے بہت بہتر اور عمدہ ہے۔ جب رزق آدمی کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے تو پھر حرص کم کر دینی چاہیے، مناسب حد تک محنت کرو جو مقدر میں ہو گا مل کر رہے گا۔“

۱۶۶۔ سیدنا حسین رض کے ادبی محسن

اور فرمایا: ”اصل لوگ دنیا سے جا چکے ہیں جو باقی ہیں یہ ان جیسے نہیں۔ جو لوگ مجھے برا کہتے ہیں میں انھیں برا نہیں کہتا۔ وہ لوگ میری بر بادی چاہتے مگر میں ان کی بھلائی چاہتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ دشمنی اور دغا کرتے ہیں مگر میں ایسا نہیں کرتا۔ وہ لوگ میری مصیبت دیکھتے ہیں مگر میری مدد نہیں کرتے۔ (ایک وہ مدد ہے جو اللہ کرتا ہے اور ایک وہ مدد ہے جو بندہ کرتا ہے یہاں دوسری مدد مراد ہے۔)

فتنہ پر داز لوگ آتش فساد بھڑکانے میں لگ رہتے ہیں ان کا مشن ہی یہی ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ان کے سامنے ہے؟  
ایک موقع پر یوں بھی فرمایا: ”مجھے رب کا سہارا ہے اور انھیں شرارت کا، کوئی ایسا مظلوم نہیں جسے اللہ کافی نہ ہو۔“

قارئین! حضرت حسین رض کا عقیدہ عمل، توحید، توکل، صبر، زہد، قناعت، دنیا کی بے شباتی، فکر آخوت کا غماز ہے۔

کاش! ہم عقائد و معاملات میں آپ رض کے اسوہ مبارک کو مشعل راہ بنائیں۔  
آمين اللہم آمين.



## سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال

- ① جب تو دیکھے کہ کوئی شخص لوگوں کی عیب جوئی کر رہا ہے، تو کوشش کر کہ وہ تجھے شناخت نہ کرے، کیونکہ اس کا پہچان لینا ہی اس کی بہت بڑی عیب گیری ہے۔
- ② جس کام کی طاقت نہ ہو اس کی کوشش کرنا عبث ہے۔
- ③ اپنی آمدن سے زیادہ خرچ نہ کرو۔
- ④ خطاء سے زیادہ بدلمہ نہ چاہو۔
- ⑤ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سوا اور کسی بات پر خوش نہ ہو، پچھی خوشی اس کی رضا سے حاصل ہوتی ہے۔
- ⑥ جس بات کی صلاحیت نہ ہو اس کو حاصل کرنا فضول ہے۔
- ⑦ جس فرمائزدا میں یہ تین عیب ہوں، وہ حکومت کے لائق نہیں: (1) دشمن سے خائف رہنا (2) کمزوروں پر ظلم کرنا (3) جودو کرم سے باٹھ کھینچنا۔
- ⑧ جس شخص کے مذہب میں وہم و قیاس کا داخل ہوگا، وہ تمام عمر شک و شبہ، ظلن و گمراہی اور کجر وی میں مبتلا رہے گا۔

① تاریخ کبیر۔

نوٹ: اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کی موجودگی میں ظرف و قیاس اور بے جا استدلال کی پرستش کرنے والے جری لوگ حضرت صیفیؓ کے اس ارشاد پر غور کریں کہ آپؓ نے اہل اسلام کو وہم اور مگان و قیاس کے قریب پہنکنے سے بھی منع کیا ہے، چنانچہ قیاس کو اختیار کر کے مذہب کا ایک جزو ۴۴

۔ سیدنا حسین بن علیؑ کے حکماء اقوال

168

﴿۹﴾ اللہ تعالیٰ کی تعریف خود اسی کے ارشادات سے ظاہر ہے، وہ حواس و اور اک میں نہیں لایا جاسکتا، وہ قریب ہے مگر متصل نہیں، دور ہے لیکن تصور نہیں کیا جاسکتا، وہ اپنی علامات سے پہچانا جاتا ہے، اس کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں، وہی سب سے عظیم و برتر اور اعلیٰ وارفع ہے۔<sup>①</sup>

﴿10﴾ ہم اہل بیت اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کرتے ہیں، وہ ہمیں عطا فرماتا ہے، اور اگر وہ ہمیں مصیبت میں دیکھ کر خوش ہے تو ہم بھی اس سے خوش ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہے کہ وہ جس حال میں رکھے اس سے خوش رہا جائے۔ (روایت امام شافعی)  
 ﴿11﴾ دنیا دار لوگ مال و دولت کے غلام ہیں اور دین کا نام بھی اس وقت لیتے ہیں جب اس سے انھیں کوئی دنیوی نفع حاصل ہونے کی امید ہو، لیکن جب انھیں دین سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں پہنچتا تو اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔

﴿12﴾ جو کچھ مالگنا ہے، اللہ سے مانگو..... اور اس کے سوا کسی کے آگے مت جھکو۔  
 ﴿13﴾ مشرک وہ بھی ہے جو شرک کا ذرا تصور بھی اپنے دل میں کرتا ہے، چاہے اس پر عمل کرے یا نہ کرے اور وہ بھی ہے جو زبان سے کوئی مشرکانہ لفظ بولتا ہے خواہ اس کو اختیار نہیں کرتا۔

﴿14﴾ کسی کو فریب دینے والا اس جیب کترے سے بھی زیادہ گناہ گار ہے جو دن دیہاڑے لوٹ لیتا ہے۔

» ہنالیا جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ نہ ہب کی بندیوں اس پر استوار کی جائیں۔ افسوس! آج کل یہ ”وحنة“ کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی سورج سے زیادہ روشن تعلیمات وہدیات ہمارے سامنے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انھی کی اتنا کریں۔ اور انھی کی نشوشا نشاعت کریں۔ عالی مقام حضرت مسیح بن یحییؑ اور جملہ صحابہ و اہل بیت ﷺ کا یہی موقف و مشن تھا۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صاحف اور صحیح تعلیمات اخصار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمين)

<sup>①</sup> تاریخ بکیر

۔۔۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے حکیمانہ اقوال 169

**[15]** ضلالت سے بچو، کیونکہ ضلالت نہ دین کا کچھ چھوڑتی ہے نہ دنیا کا، یہ برائیوں کی جڑ ہے۔ (قرآن و سنت کے ترک کا نام ضلالت ہے)

**[16]** غور کرنے والے عالم سے تواضع کرنے والا جاہل بہتر ہے۔ میرے والد محترم سیدنا علی علیہ السلام کا شعر ہے.....

كَمْ عَالِمٌ مُتَكَبِّرٌ سَرَّ التَّكْبِيرُ عِلْمَهُ

كَمْ جَاهِلٌ مُتَوَاضِعٌ سَرَّ التَّوَاضُعُ جَهْلَهُ

”کتنے عالم ہیں جو تکبر کرتے ہیں اور ان کا تکبر ان کے علم کو چھپا لیتا ہے اور کتنے جاہل ہیں جو تواضع کرتے ہیں اور ان کی تواضع ان کی جہالت کو چھپا لیتی ہے۔“

**[17]** لوگو! اللہ تعالیٰ کی توحید کو زندہ رکھو..... اور شرک کو مٹا دو..... توحید کا زندہ رکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور کسی کو اس جیسا نہ بنایا جائے اور شرک کو مٹانا یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جائے اسی سے ہر چیز طلب کی جائے اور غیر اللہ کا خیال تک نہ لاایا جائے۔ (غیر اللہ، اس کے دشمن ہی کو نہیں کہتے، دوست ہو یا دشمن بھی غیر اللہ اور ”من دون اللہ“ میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی بندگی کی اجازت نہیں، باقی سب کی بندگی منوع ہے)

**[18]** لوگو! جس بات کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا ہے، وہ مت اختیار کرو اور جس بات کا اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے وہ اختیار کرو۔ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و احکامات کا خلاصہ یہی ہے۔ (سبحان اللہ! کتنی پیاری تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر صحیح توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین)

**[19]** اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور دین کی خلوص قلب سے پیروی کرو، حق تعالیٰ

﴿ۚ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال ﴾

۱۷۰ .

قرآن مجید میں فرماتا ہے:

فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لِّهُ الدِّينَ ۝

”اللَّهُ كَيْ خَالِصُ الدِّينِ ۝ ہو کر عبادت کر۔“

[20] اچھا وہ ہے جسے سب اچھا کہیں اور بُراؤہ ہے جسے سب برا کہیں ..... کسی اچھے کو چند لوگوں کے برا کہنے سے اور کسی برے کو چند لوگوں کے اچھا کہنے سے اچھائی یا برائی میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

[21] مسلمانو! اللہ نے تصحیح اسلام جیسا دین دیا، قرآن جیسی کتاب دی، کعبہ جیسا حرم بخش..... محمد ﷺ جیسا رسول تفویض فرمایا، خلفاء راشدین ﷺ جیسے حکمران عطا کیے، تمہیں اس کا ہر وقت شکرگزار رہنا چاہیے اور آپس میں صلح و صفائی، مساوات، محبت و اخوت سے زندگی بسر کرنی چاہیے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان قیمتی اقوال پر توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!)

### حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذہانت و ذکاوت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذہانت و ذکاوت کے بارے میں ابراہیم بن رباح موصی ہاشمی سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان پر کچھ مال کا دعویٰ کیا۔ آپ کو قاضی کے سامنے لایا گیا (اسلامی حکومت میں مدعی کے ساتھ مدعی علیہ کو بھی عدالت میں حاضر ہو کر بمقابلہ قانون اپنی صفائی دینا پڑتی ہے) آپ قاضی کے سامنے آئے۔ اور بڑی بچی تلی بات کی۔ آپ نے فرمایا: ”یہ شخص اپنے دوے کی سچائی پر حلف دے دے یا مجھ سے حلف لے لے۔“ چنانچہ اس شخص نے ان الفاظ سے حلف کی ابتداء کی:

وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

① الزمر، 2:39. ② الخلافة في الإسلام

۱۷۱

حکم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال

”اللہ عظیم ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“  
 آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان الفاظ کی بجائے ان الفاظ کے ساتھ حلف کھاؤ۔“ ان الفاظ کا اردو ترجمہ یہ ہے:

”اللہ کی قسم! میں جس مال کا دعویٰ کرتا ہوں وہ حسین کے ذمے واجب ہے۔“  
 اس شخص نے انہی الفاظ کے ساتھ قسم کھالی۔ وہ کھڑا ہی ہوا تھا کہ یکدم اس کے پاؤں ڈگنگائے اور ایسا گرا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ (اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جھوٹا ثابت کرنا چاہا اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی لاج رکھی، آپ کو سچا کر دکھایا اور آپ کے سامنے اسے ذلت کی موت مار دیا۔) آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ نے حلف کے الفاظ کیوں بدلوائے؟“ فرمایا: مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی شان و بزرگی بیان کر رہا ہے اس کے ساتھ حلم کا معاملہ ہو جائے گا۔ <sup>①</sup> (الحمد للہ! آپ ﷺ کی یہ تدبیر کا رگ ثابت ہوئی اور وہ کیفر کردار تک پہنچ گیا)

آپ ﷺ کو ایسی ذہانت فطانت اپنے والدین محترمین رضی اللہ عنہم کی طرف سے منتقل ہوئی۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء!



<sup>①</sup> کتاب الاذکیاء لامام ابن الجوزی رحمه اللہ مترجم، المیزان: 76.

## سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اور ادو و طائف اور دعائیں

متعدد کتابوں سے ثابت ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دعائیں مسنون ہوتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی غیر مسنون دعائیں نہیں مانگی۔ آپ رضی اللہ عنہ صرف وہی دعائیں مانگتے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، ذیل میں چند مسنون دعائیں مسنون دعائیں درج کی جاتی ہیں:

آپ رضی اللہ عنہ جب کبھی خود یا بمار ہوتے یا کسی مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ دعا بکثرت پڑھتے:

«أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَأَشْفِ أَنْتَ الشَّافِيُّ، لَا شِفَاءَ إِلَّا  
شِفَائِكَ، شِفَاءٌ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا»

”اے لوگوں کے رب! ہم سے تکلیف دور فرماء، تو ہی شفا دینے والا ہے ہم سے تکلیف دور فرماء۔ تیرے علاوہ کوئی شفا نہیں دے سکتا، ہمیں ایسی شفا عطا فرماجس کے بعد کوئی بماری نہ رہے۔“<sup>①</sup>

جب امام مددوح رضی اللہ عنہ سفر کو جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اسی طرح جب آپ رضی اللہ عنہ سفر کر بلکے لیے روانہ ہوئے تو اس وقت بھی آپ کی زبان پر یہی دعا تھی۔ آپ نے تین بار اللہ اکبر کہا اور یہ دعا پڑھی:

«سُبْحَانَ الرَّبِّ الْعَظِيمِ سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا

<sup>①</sup> صحیح البخاری، الطب، باب مسع الرافق الوجع بيده اليمني حدیث: 5750۔ مسلم، السلام، باب استحباب رقية المریض، حدیث: 2191.

لَمْ نُنْقَلِبُونَ، اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبَرَّ وَالْتَّقَوَىٰ وَمِنَ  
الْعَمَلِ مَا تَرْضَىٰ اللَّهُمَّ هَوْنٌ عَلَيْنَا سَفَرُنَا هَذَا، وَاطْبُعْنَا بَعْدَهُ،  
اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اللَّهُمَّ  
إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَابَةِ الْمُنْظَرِ، وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ  
فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ

”پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے ماتحت کر دی ورنہ یہ ہمارے  
بس میں نہ تھی۔ اور ہم اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم  
آپ سے اپنے اس سفر میں یتکی، تقویٰ اور ایسے عمل کا جو آپ پسند کریں سوال  
کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان فرمایا اور ہمارے طویل سفر کو ہم پر  
پیش دے۔ اے اللہ! آپ سفر میں ہمارے ساتھی ہیں اور ہمارے پیچھے  
ہمارے اہل میں ہمارے نگران ہیں۔ اے میرے اللہ! میں آپ سے اپنے سفر  
کی پریشانی، کسی بھی تکلیف وہ منظر، اور مال اور اہل میں بدترین طریقے سے  
لوٹنے کی پناہ پکڑتا ہوں۔“<sup>①</sup>

ایک دفعہ کسی غیر علاقہ کے چند آدمی آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور  
عرض کیا: اے ابن علی! ہم خشک سالی میں بیٹلا ہیں، مدت سے بارش کی ایک بوند بھی  
نہیں پڑی، انسانوں اور حیوانوں کا حال ابتر ہو گیا ہے، نہ انانج پیدا ہوتا ہے نہ چارہ اور  
نہ پانی۔ ہمارے لیے دعا فرمائیے کہ خدائے کریم ہم پر رحم فرمائے اور اپنے فضل سے  
میں برسا کر ہماری مشکلات دور کر دے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں تمھیں وہ دعا  
نہ سکھا دوں جو رسول اللہ علیہ السلام خط باراں میں پڑھا کرتے تھے؟ اور اس کی برکت سے

<sup>①</sup> صحیح مسلم، الحج، باب استحباب الذکر اذا ركب دابته متوجهاً لسفر حج او غيره  
وبيان الأفضل من ذلك الذكر، حدیث: 1342.

۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے اور اد و نٹائف اور دعائیں ۔ 174

بادل امّا آتا اور برنسے لگتا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ضرور سکھائیے، اس سے بہتر اور کون سی دعا ہوگی، تب آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”تم لوگ نماز کے بعد یہ دعائیں کرو:

«اللَّهُمَّ أَغْثِنَا، اللَّهُمَّ أَغْثِنَا، اللَّهُمَّ أَغْثِنَا»

”اے اللہ! بارش نازل فرما، اے اللہ بارش فرما، اے اللہ بارش نازل فرما۔“<sup>①</sup>  
روایت ہے کہ ان لوگوں نے واپس جا کر دو تین روز یہ دعائیں کی تو اللہ کے حکم سے اتنی بارش ہوئی کہ ان کا علاقہ سیراب ہو گیا۔ (دعاؤں کو سننے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کی دعا کو جب چاہے وہ قبول فرمائے۔ البتہ نیک، اچھے اور زندہ لوگوں سے حدیث و سنت سے ثابت شدہ ذکر اذکار اور وظائف پوچھئے اور دعائیں کروائی جاسکتی ہیں، قرآن و حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔)

روایت ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام متدرجہ ذیل دعائیں بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے میدان طف میں ذریہ لگایا، تو شب و روز ہر نماز کے بعد اس کا وظیفہ کرتے، یہاں تک کہ بحالتِ سجدہ بھی اس کا ورد فرماتے، وہ دعائے متبرک یہ ہے:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَهُ وَجَلَهُ، وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ، وَعَلَانِيَةً وَسِرَّهُ»

”اے میرے اللہ! میرے بڑے چھوٹے، پہلے، پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ غرض سب گناہ معاف کر دے۔“<sup>②</sup>

آپ علیہ السلام ہر نماز کے بعد یہ دعا الترام سے پڑھا کرتے تھے:

① صحیح البخاری، الاستسقاء، باب الاستسقاء فی خطبة الجمعة، حدیث: 1014 اس طرح کا واقعہ کتاب ”حسین علیہ السلام کا“، ص: 112 میں بھی ہے۔ ② صحیح مسلم، الصلاة، باب ما يقال فی الركوع والسجود، حدیث: 483.

۱۷۵

۔ سیدنا حسینؑ کے اور اداؤ و ظائف اور دعائیں

«اللَّهُمَّ إِنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَلِ  
وَالْأَكْرَامِ»

”اے اللہ! تو سلام ہے، تیری طرف ہی سے سلامتی ہے۔ اے جلال و اکرام  
والے رب! تو بربکت عطا فرماء“<sup>①</sup>

لیکن روایت مذکورہ میں یہ نہیں لکھا ہے کہ آپ ﷺ اس دعا کے ساتھ یہ بھی پڑھتے تھے:  
«وَإِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ وَأَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا  
وَتَعَالَيْتَ يَا ذَالْجَلَلِ وَالْأَكْرَامِ»

”اے اللہ! تو ہی سلام کا مرتع ہے، ہمیں دارالسلام یعنی جنت میں داخل فرماء۔  
اے ہمارے رب! تو بربکت والا ہے، بلند ہے، صاحب جلال و جبروت ہے  
اور بہت عزت والا ہے۔“

یہ الفاظ اگرچہ اپنے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعا میں شامل نہیں ہیں، اس  
لیے ہمیں بھی مسنون دعا میں شامل نہیں کرنے چاہیئں۔ ہمیں ایسا کرنے کی اجازت  
ہے نہ اختیار۔ علماء اور صوفیاء کو زیادہ احتیاط کرنی چاہیے اگر وہ احتیاط نہیں کریں گے تو  
عوام کیسے احتیاط کریں گے؟ ورنہ ایک وقت آئے گا کہ مسنون اور غیر مسنون خلط ملٹ  
ہو کر اصل الفاظ ختم ہو کر رہ جائیں گے۔

## اور اداؤ و ظائف

آپ ﷺ کلمہ توحید کا بہت ورد فرماتے، فارغ اوقات میں اکثر یہ پڑھتے رہتے:  
«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ

<sup>①</sup> صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة، حدیث: 591.

۔ سیدنا حسین رض کے اور اد و ظاائف اور دعائیں

۔ 176

علیٰ کُلّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

”نبیں کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ، وہ ذات و صفات میں وحدہ لاشریک ہے، اسی کی باوشاہی ہے، اسی کی تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

اور اس درد کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رض کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن علی رض کو یہ وظیفہ بار بار پڑھتے سنًا:

«إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ التَّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الشَّنَاءُ  
الْحَسَنُ لَا إِلَهٌ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ»

”اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ وہی نعمت عطا کرتا ہے، وہی صاحب فضل و کمال ہے، اسی کی بہترین تعریف ہے، اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہم اسی کے لیے خالص الدین ہیں، یعنی ہمارا دین بھی خالص ہے اور نیت بھی خالص۔“

حضرت حسین رض کی ان دعاؤں اور ان وظائف سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے کہ آپ ہر کام میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کرتے اور غیر مسنون اعمال سے مکمل پرہیز فرماتے اور ہر چیز اللہ ہی سے طلب کرتے تھے۔

کاش! ہمارے دل میں بھی اتباع کتاب و سنت کا ایسا ہی شوق اور ایسا ہی جذبہ پیدا ہو جائے اور ہم ہر چیز سنت کے مطابق اللہ ہی سے مانگیں، کیونکہ اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اور دوسرا اس کا اپنا حکم بھی یہی ہے کہ مجھے ہی سے مانگو۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی روزی رسال اور مالک و مختار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی رازق ہے نہ قادر۔

ہمیں چاہیے کہ ہم وظائف و ادعیہ میں ملاوٹ کرنے سے بچیں۔ کیونکہ وظائف اور

۔۔۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے اور ادفو طائف اور دعا میں 177

دعاوں کو بدلنا یا ان میں ملاوٹ کرنا نبوی ہدایت اور صحابہ و اہل بیت علیہم السلام کے طریقے کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت حسین علیہ السلام کا با برکت طریقہ اور صاف سہرا عقیدہ جو خالص توحید و سنت پر تنی ہے دل و جان سے قبول و اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ پیشک جملہ اہل بیت علیہم السلام کا یہی منبع و مشن تھا۔ اس کا خاص الخاص خیال رکھنا ہمارا دینی و ملیٰ فریضہ ہے۔



## سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ چہارم اور بلند بخت داماد حضرت علی المرتضی علیہ السلام 19 رمضان 40 ہجری کی شب کے وقت مسجد میں نماز عشاء ادا کر رہے تھے یا بتول بعض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف جا رہے تھے کہ ایک نابکار عبدالرحمن بن ملجم نے آپ علیہ السلام پر ایسا بھر پور دار کیا کہ آپ علیہ السلام شدید رُغْنی ہو گئے، آپ علیہ السلام کو اٹھا کر گھر لا یا گیا۔ زخم مہلک تھا اور آپ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ جانبِ رُغْنی ہونا ممکن نہیں ہے۔ ”نهج البلاغة“ کے مطابق آپ نے صاحبزادگان سیدنا حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام اور محمد ابن حفیہ کو بلا یا اور انھیں یہ وصیت فرمائی:

”اے بیٹو! اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھنا، تقویٰ اختیار کرنا، شاید دنیا تمہاری طلب گار بہن جائے، مگر تم دنیا سے دور رہتا اور دنیا کی کوئی شے تم سے چھپن جائے تو اس کا افسوس نہ کرنا۔ ( غالباً خلافت مراد تھی) ہمیشہ اچھا اور شریف بنتا، ظالم کو دشمن اور مظلوم کو دوست سمجھنا، میرے قتل کو بہانہ بنا کر مسلمانوں میں خوزریزی نہ پھیلانا، میرے قاتل کے سوا کسی کا خون نہ بہانا، اگر میں اس ضرب سے شہید ہو جاؤں تو قصاص میں قاتل کو ایک ہی ضرب مارنا اور اس کا مثہلہ<sup>①</sup> ہرگز نہ کرنا، کیونکہ نبی ﷺ نے دیوانے کتے تک کے مثہلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اپنے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک

<sup>①</sup> مثہلہ کرنا ناک، کان وغیرہ کاٹنا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ جذب انعام میں آ کر بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ مگر عالی صب و نسب اور بلند مرتبہ لوگ انسانیت کی ایسی تزییل نہیں کیا کرتے۔

کرنا، آپ میں اتحاد رکھنا اور لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنا۔“ ایسی تفصیلات کے لیے ”نوح البلانۃ“ کا مطالعہ فرمائیے۔

پھر آپ ﷺ حضرت حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے ..... اور ان سے فرمایا:

”بیٹا! ہر حالت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، خوشی ہو کہ غم، تکلیف ہو کہ راحت، اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ خوش رکھنا اور اس کی رضا تلاش کرتے رہنا، صداقت کا دامن کسی صورت نہ چھوڑنا، سب سے انصاف کرنا۔ دوست اور دشمن، موافق اور مخالف سب کے ساتھ عمده برداو کرنا۔ جس برائی کا نتیجہ بہشت ہو وہ برائی نہیں اور جس نیکی کا انجام جہنم ہو وہ نیکی نہیں۔ اپنی براستیوں کو دیکھنے والا دوسروں کا عیب گیر نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام پر قناعت کرنے والا کسی شے کے کھو جانے پر مغموم نہیں ہوتا۔ جو ظلم کی تکوار چلاتا ہے، وہ خود اس سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کے لیے کنوں کھونے والا خود اس میں گرتا ہے، اللہ کی مخلوق پر ظلم کرنا آخرت کا بدترین تووش ہے۔“<sup>①</sup>

اسی طرح آپ ﷺ اپنی اولاد اور اپنے متعلقین کو تصییین فرماتے رہے اور دم واپسیں تک پند و مواعظ جاری رکھے، آخر قدرت کے اٹل قانون کے سامنے جھلکا پڑا۔ اور 21 رمضان المبارک 40 ہجری کی رات کو امت کے عالم بے بدل، عابد شب زندہ دار اور اللہ کے شیر نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ <sup>②</sup> إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

آپ ﷺ کی شہادت پر کسی نے کہا ہے:

ـ کے را میسر نہ شد ایں سعادت

بکعبہ ولادت مسجد شہادت

(کسی کو بھی یہ سعادت میسر نہیں آئی کہ اس کی ولادت کعبہ میں اور شہادت مسجد میں ہو سائے سیدنا علیؑ کے۔)

<sup>①</sup> الاعجاز والابجاز، ملخصاً. <sup>②</sup> البداية والنهاية: 7/340.

(جیہو) سیدنا علیؑ کی شہادت

180

انتقال کے بعد سیدنا حسن اور سیدنا حسین پیشہ نے آپ کو غسل دیا، محمد بن حفیہ پانی لاتے تھے۔ پھر کفن پہن کر خوشبو لگائی، آپؑ کو تین کفن پہنائے گئے، سیدنا حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھائی، جس میں خلق کثیر نے شرکت کی، سیدنا حسن، حسینؑ، محمد بن حفیہ اور عبداللہ بن جعفرؑ پیشہ نے آپؑ کو قبر میں اتارا۔<sup>①</sup> اور اس طرح اسلام کا یہ آفتہ علم و فضل اور پیکر شجاعت و بالالت اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ لیکن ایثار و قربانی اور اخلاص ووفا کی وجہ سے آپ کا نام مبارک قیامت تک کے لیے روشن ہو گیا۔

اب ذرا یہ بھی دیکھیے کہ سیدنا علیؑ کی رحلت کے بعد حضرت حسینؑ کو ”فضیلت“ کی کیسی کیسی سندیں دی جا رہی ہیں، حسینؑ کے نام نہاد عاشق کہتے ہیں کہ سیدنا علیؑ کی شہادت کے بعد جب ابن ملجم مردود کو قتل کیا گیا تو سیدنا حسینؑ نے اس کی لاش کا ملٹہ کر دیا، یعنی جوش انتقام میں آ کر آپ نے اس کے تمام اعضاء کاٹ دیے اور چند آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کی لاش کو جلا دیا۔ رَأَنَ اللَّهُ أَيْهَ حضرت حسینؑ پر الزام ہے۔ آپؑ ہرگز ایسے منقص مراج اور سخت گیر نہ تھے۔

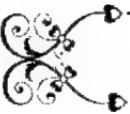
قارئین کے لیے دوسری نئی بات یہ ہے کہ ہمارے دوست اپنے بچوں کا نام عبد الرحمن نہیں رکھتے اور یہ نام محض اس لیے نہیں رکھتے کہ عبد الرحمن بن ملجم نے حضرت علیؑ کو شہید کیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جن اسماء کو پسند فرمایا ان میں ایک نام عبد الرحمن بھی ہے۔ عناد اور دشمنی کا بھی کوئی اصول و اسلوب ہونا چاہیے۔ دشمنی کسی دشمن سے رکھتے پھر بھی کوئی بات تھی، لیکن ان اللہ کے بندوں نے نام ہی سے بیرون کھلیا۔ جو حد درجہ نامناسب بات ہے۔ إِنَّا لِلَّهِ.....

معاذ اللہ! کس کس طریقے سے ہمارے ”محبان اہل بیت“ سیدنا حسینؑ کو بدnam کر رہے ہیں، گویا سیدنا حسینؑ نے ابن ملجم کی لاش کا حلیہ بگاڑ کر اپنے

والد معظمؑ کی وصیت کو بھی شکرا دیا اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی بھی خلاف ورزی کی.....

انصار سے کہیے کہ یہ حضرت حسینؑ کی تعریف کی جاری ہے یا تو ہیں؟ پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ سیدنا علی مرتضیؑ نے چونکہ مسجد میں شہادت پائی تھی اس لیے حضرت حسینؑ نے مسجد میں جانا اور اس میں نماز پڑھنا ترک کر دیا تھا اور یہ گروہ اسی لیے مسجد کو ”قتل گڑھ“ کہتا ہے، لاحول ولا قوۃ! اسی لیے یہ دوست مساجد کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ اگر کہیں بنوا بھی لیں تو وہ بھی نمازوں کی ادائیگی کے لیے نہیں بلکہ اسلام سے اپنا تعلق دکھانے کے لیے بناتے ہیں۔ یہ کوئی الزام نہیں آپ خود مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اندازہ سمجھئے بزرگان دین کو کس کس طریق سے رسوایا کیا جاتا ہے؟ اور کیسے کیسے الزام لگا کر ان کو اللہ اور اس کے دین کا دشمن قرار دیا جاتا ہے؟ العیاذ باللہ! حالانکہ حضرت حسینؑ کے بارے میں اس قسم کی گھٹیا سوچ کا تصور کرنا بھی حرام ہے۔






## سیدنا حسن بن علیؑ کی خلافت

سیدنا علیؑ کی رحلت کے بعد ان کے فرزند اکبر حضرت حسن بن علیؑ مند آرائے خلافت ہوئے اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی۔ بیعت کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ امیر معاویہ بن علیؑ نے عراق پر چڑھائی شروع کر دی۔ جب حضرت حسن بن علیؑ کو خبر پہنچی تو وہ بھی شام کی طرف روانہ ہوئے اور سا باط کے مقام پر آپؑ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں جدال و قتال سے اظہار نفرت کیا اور مسلمانوں کے نفاق و افتراق اور فساد و خوزیری کے مٹانے کی تلقین کی۔ اس قیام میں اگرچہ آپؑ لشکر معاویہ کے ایک آدمی کے نیزے سے شدید زخمی ہو گئے، مگر آپؑ کا ارادہ نہ بدلا۔ اور یہی چاہتے تھے کہ جیسے بھی ممکن ہو امیر معاویہ بن علیؑ سے مصالحت ہو جائے۔ ادھر قبائل کے ممتاز آدمیوں نے مجھنی طور پر امیر معاویہ بن علیؑ سے بیعت کر لی اور سیدنا معاویہ بن علیؑ جو پہلے امیر کھلاتے تھے، اب باقاعدہ خلیفہ بن گئے۔ اپنے اثر و رسوخ اور تمیز سے خلق کیش کو اپنے ساتھ ملا لیا، لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ شرائیگیزوں اور فتنہ خیزوں کی جماعت حضرت حسن بن علیؑ اور حضرت امیر معاویہ بن علیؑ میں صلح نہ ہونے دیتی تھی۔ دونوں بزرگ جب بھی ایک دوسرے کی طرف جھکنے لگتے، شرارتوں اور سازشیوں کی یہ یوں دونوں کو پھر بھڑکا دیتی۔ یہی وہ سازشی جماعت تھی جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور امیر المؤمنین علیؑ مرتضیؓ میں جنگ کا باعث تھی، یہی طاغوتی گروہ سیدنا علیؑ اور

۱۸۳

سیدنا حسن بن علیؑ کی خلافت

حضرت امیر معاویہ بن علیؑ میں لڑائی کا سبب بنتا رہا۔ اور یہی شیطانی گروہ حضرت حسن بن علیؑ اور امیر معاویہ بن علیؑ کو مصالحت سے باز رکھتا تھا اور انھیں باہم لڑا کر ان کے قبال سے فائدہ اٹھاتا اور تماد شادیکہ کر خوش ہوتا اور اپنے تیس یہ کہتے ہوئے بغلیں بجا تھا کہ اچھا ہے جو دین اسلام کو عظیم نقصان پہنچ رہا ہے اور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ رہی اور طاقت پارہ پارہ ہو رہی ہے۔

امیر معاویہ بن علیؑ اور حضرت حسن بن علیؑ صاحب ہوش و خرو، دانا وزیر ک، معاملہ فہم، دوراندیش اور بہت بڑے مدبر تھے۔ منافقین اور معاندین کی ہزار رکاوٹوں کے باوجود آخر کار دونوں بزرگوں نے صلح کی شہان لی۔ کچھ یہ جھکے اور کچھ وہ جھکے۔ اور سیدنا حضرت حسن بن علیؑ کا ایماء پاتے ہی امیر معاویہ بن علیؑ نے فوراً دو اپنی ان کی خدمت اقدس میں بھیج دیے، جنھوں نے امیر معاویہ بن علیؑ کی طرف سے صلح کی دعوت دی اور شرائط سے آگاہ کیا۔ حضرت حسن بن علیؑ فوراً رضا مند ہو گئے۔ صلح نامہ لکھا گیا اور حضرت حسن بن علیؑ نے چھ ماہ خلافت کرنے کے بعد 25 ربیع الاول 41 ہجری کو دستبرداری کا اعلان کر کے خلافت امیر معاویہ بن علیؑ کو سونپ دی۔<sup>①</sup> صلح کی جو شرائط مقرر کی گئیں ان میں ایک اہم شرط یہ تھی کہ امیر معاویہ بن علیؑ رائے عامہ کے بغیر کسی اور کو اپنا جانشین مقرر نہ کریں گے۔

### امیر معاویہ بن علیؑ کی بیعت

حضرت حسین بن علیؑ حضرت امیر معاویہ بن علیؑ سے مصالحت کرنے اور حضرت حسن بن علیؑ کی خلافت سے دستبرداری کے بہت خلاف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت حسن بن علیؑ صلح پر رضا مند ہوں اور قلمدان خلافت حضرت امیر معاویہ بن علیؑ کے سپرد کر دیں، غالباً یہ اس لیے تھا کہ دونوں فریقوں کو بھڑکانے اور لڑانے والی جماعت نے

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/18.

۔ سیدنا حسن علیہ السلام کی خلافت

184

آپ علیہ السلام کو زیادہ مشتعل اور مخالف بنارکھا تھا، لیکن جب حضرت حسن علیہ السلام نے انھیں سمجھایا اور دینی، قومی اور سیاسی نقصانات سے آگاہ کیا، تو وہ سمجھ گئے اور اپنے برادر بزرگ کی رائے سے متفق ہو گئے۔

مصالححت اور دستبرداری کے بعد سیدنا حسن علیہ السلام اور سیدنا حسین علیہ السلام نے حضرت معاویہ علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے تو تخلوق خدا انبوہ در انبوہ امیر معاویہ علیہ السلام کی خدمت میں آنے اور بیعت کرنے لگی اور حضرت حسن علیہ السلام اور امیر معاویہ علیہ السلام کی مصالحت و مفاہمت سے شرف و فتنہ اور فساو و عناد کا وہ سلسلہ کچھ عرصے کے لیے بند ہو گیا جس نے امت مسلمہ کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔

### امیر معاویہ علیہ السلام کا حسن سلوک

امیر معاویہ علیہ السلام حضرت حسن اور سیدنا حسین علیہما السلام کے درجہ و مرتبہ کو خوب جانتے تھے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور سیدہ فاطمہ علیہما السلام کے نور نظر ہونے کی وجہ سے جب بھی امیر معاویہ علیہ السلام کے پاس جاتے تو آپ محبت سے انھیں اپنے پاس بٹھاتے اور قیمتی تخفیف دے کر عزت سے رخصت کرتے۔

امیر معاویہ علیہ السلام نے دونوں بھائیوں کے ہڑے معقول و ظیفے مقرر کر کر لئے تھے اور اس کے علاوہ عطیات کی خطیر رقوم بھی سمجھتے رہتے تھے۔ ایک بار حضرت حسن و سیدنا حسین علیہما السلام کے پاس تشریف لے گئے، تو اب کثیر کی روایت کے مطابق انہوں نے دونوں کو دو لاکھ درہم کا عطا دیا، پھر ایک دفعہ گئے تو ایک ایک لاکھ درہم دیے۔<sup>①</sup> اگر دونوں میں کسی قسم کی ترش روئی یا سخت کلامی پاتے تو درگزر کرتے اور نرمی سے

① سیر اعلام النبلاء: 3/264.

سمجھاتے، صلح کے بعد بھی معاند لوگ امیر معاویہؓ کو کئی طرح کا اشتغال دلاتے رہے مگر انہوں نے ان عاقبت ناندیشوں کی باتوں پر کان نبیس دھرے۔ اور ان گرامی قد رشہزادوں کی تالیف قلبی کا ہر وقت خیال رکھا۔

### سیدنا حسن بن علیؑ کی وفات

امیر معاویہؓ سے مصالحت کرنے کے بعد حضرت حسن بن علیؑ کوئی آٹھ سال تک زندہ رہے، اس عرصے میں آپؑ کوئی دفعہ زہر دیا گیا، مگر آخری مرتبہ 49 ہجری میں تو آپؑ کو ایسا سخت زہر پلایا گیا کہ جگر کٹ کٹ کرنے سے حلق کے راستے نکلنے لگا۔ اللہ تعالیٰ۔

حضرت حسین بن علیؑ نے آپ سے دریافت کیا: ”برادر بزرگ ابتا یے تو کسی، آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟“ حضرت حسن بن علیؑ فرمائے لگے: ”حسین! تم کیوں پوچھتے ہو اور کیوں اصرار کرتے ہو؟ کیا تم زہر دینے والے کی گردن مارو گے؟“ سیدنا حسن بن علیؑ نے کہا: ”ہاں! میں ضرور اسے قتل کروں گا“ تب سیدنا حسن بن علیؑ نے فرمایا: ”بھائی! اگر زہر پلانے والا وہی ہے جس کا مجھے علم ہے تو خدا یہ متفق خود ہی اس سے بدلتے گا اور اگر وہ بے گناہ ہے تو پھر میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میری وجہ سے خواجوہ سزا پائے۔“<sup>①</sup>

اللہ اکبر! کتنا حوصلہ اور کیا دل گردد ہے کہ قاتل کا علم رکھنے کے باوجود اس کا پتہ نہیں بتایا اور بھید کو اس لیے چھپا رکھا کہ اس کو قتل نہ کر دیا جائے۔ ایسی عالمی ظرف و بلند حوصلگی کون دکھا سکتا ہے؟ سبحان اللہ! کتنا بڑا حوصلہ تھا اس نواسہ رسول کا۔ اللہُمَّ ارْفِعْ دَرَجَاتِهِ۔

حضرت حسن بن علیؑ اس سم مہلک سے فتح نہ سکے۔ آپؑ نے اپنے بھائی اور اہل و

① سیر اعلام النبلاء: 3/274، والمنتظم لابن جوزی: 5/225-226.

### ۶۔ سیدنا حسن شیعی کی خلافت

۱۸۶

عیال و اطفال کو وصیت فرمائی اور فقر و فساد سے بچنے کی تلقین کی..... پھر ذکر الہی میں مصروف ہو گئے اور داعی اجل کو لبیک کہہ دیا، إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔  
تاریخ کبیر اور دیگر کتب کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ماہ ربیع الاول 49  
ہجری میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، آپ ﷺ  
کو عاصم قبرستان میں دفن کیا گیا۔<sup>①</sup>

### سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا دعوائے خلافت سے انکار

سیدنا حضرت حسن شیعی کا انتقال فرمانا ہی تھا کہ مسلمانوں میں آتش تشیع  
بھڑکانے اور خرمن امن کو آگ لگانے والے لوگ حضرت حسین شیعی کے پاس آنے  
لگے اور ان کو یہاں تک چکما دیا گیا کہ اگر آپ مدعا خلافت بن کر کھڑے ہو جائیں تو  
نجد و جاز کے علاوہ شام و یکن اور عراق وغیرہ کے تمام لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہوں  
گے۔ کوفہ کے بعد عہد لوگ تو خصوصیت سے آپ ﷺ کو مشتعل کرنے لگے، لیکن  
سیدنا حسین شیعی نے ان کو صاف جواب دے دیا:

”امیر معاویہ شیعی اور میرے درمیان جو معاہدہ ہو چکا ہے جب تک امیر  
معاویہ علیہ السلام زندہ ہیں، وہ قائم رہے گا اور میں اس کو کسی حالت میں نہیں توڑ سکتا“<sup>②</sup>  
ناق انجیز لوگوں نے جب حضرت مددوح شیعی کا یہ جواب سننا اور ناکامی کا منہ دیکھا  
تو پھر وہ حضرت محمد بن حنفیہ شیعی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ اگر حسین انکار کرتے  
ہیں تو کرنے دیجئے۔ آپ خلافت کے مدعا بن جائیے، ہم سب آپ کے حامی و ناصر  
ہیں، مگر وہ بھی نہ مانے۔ انہوں نے سیدنا حسین شیعی سے جا کر کہا کہ یہ لوگ ہمیں تباہ

① الاستیعاب: 1/374، والمنتظم لابن جوزی: 5/226. ② سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: 1/403، بحوالہ أخبار الطوال، ص: 220. خلافت معاویہ اور یزید، ص: 71-72.

کرانا اور مسلمانوں کا خون بہانا چاہتے ہیں، جہاں تک ہو سکے ان سے بچ کر رہیں، یہ لوگ ہمارے خیرخواہ ہیں نہ دیگر مسلمانوں کے۔ بہر کیف فتنہ خیزوں نے چاہا کہ حسین بن علیؑ اور معاویہ بن ابی عوفؑ کو باہم لڑا کر اپنا اُلو سیدھا کریں، امت کے خون سے زمین کو رنگیں بنائیں، مگر حضرت حسین بن علیؑ کی دور رس نگاہ اور انجام شناس دماغ نے اس کا ہولناک نتیجہ بھانپ لیا اور وہ مفسد اور ضرر رساں لوگوں کے جھانے میں نہ آئے۔

### حضرت امیر معاویہ بن ابی عوفؑ اور سیدنا حسین بن علیؑ کے تعلقات

حضرت امیر معاویہ بن علیؑ جس طرح سیدنا حسن بن علیؑ سے سلوک کرتے تھے اس سے بھی زیادہ بہتر سلوک حضرت حسین بن علیؑ سے کیا، ان کے سالانہ وظیفے کو برقرار رکھا۔ اور جب تک زندہ رہے ہمیشہ آپ بن علیؑ کی خدمت میں بیش قیمت تھا اور بھاری رقومات بھیجتے رہے۔

یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت حسن بن علیؑ کی وفات پر امیر معاویہ بن علیؑ نے بے حد خوشی منائی تھی اور یہ رنجیدہ خبر سن کر سیدنا حسین بن علیؑ غصب ناک ہو گئے اور امیر معاویہ بن علیؑ کے دشمن بن گئے تھے، ایسی سب روایات باطل ہیں۔

امیر معاویہ بن علیؑ شاعر بھی تھے۔ آپ کا شعر ہے:

لَسْتَ إِلَيْأَقِي فَلَا تُشْمِتْ بِهِ كُلُّ حَيٍ لِلْمَنَابِيَ مُرْتَهِنُ  
”کسی کی موت کی خبر سن کر تجھے خوشی نہیں منانی چاہیے، کیونکہ تو نے بھی باقی  
نہیں رہنا ہے اور ہر زندہ چیز موت کے ہاتھ میں رہن ہے۔“

سیدنا حسین بن علیؑ ان لشکروں میں بھی شرکت فرماتے رہے، جن کو امیر معاویہ بن علیؑ غیر ممالک روانہ کرتے تھے، چنانچہ غزوہ قسطنطینیہ میں کئی بار شریک ہوئے اور نہ صرف

۱۸۸ سیدنا حسن بن علیؑ کی خلافت

خود شریک ہوئے بلکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن زیر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہوتے تھے اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تو قسطنطینیہ میں وفات پا گئے۔<sup>①</sup>

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اکثر جایا کرتے تھے اور کبھی وہ بھی آپ کے پاس آجاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے تو ہزاروں درہم نقد اور بہت سے پارچات اور دوسرے تھائے عطا فرمائے۔ اور یہ کہہ کر رخصت کیا: ”اے ابن رسول اللہ! آپ آل محمد رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور اسی وجہ سے آپ کی تعظیم کرتا ہوں، آپ آیا کیجئے آپ کو جس چیز کی طلب ہو میں ان شاء اللہ وہ حاضر کروں گا، مگر اللہ کے لیے منافقوں کی باقیں نہ سنا کیجئے۔“<sup>②</sup>

منبر معاویہ رضی اللہ عنہ پر خطبہ حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے: ”آل محمد وہ ہیں جو ابوکبر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، علی رضا رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو گالیاں نہیں دیتے۔“ ایک مشہور ترین سوانح نگار لکھتا ہے: ”ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر منع کا خطبہ دے رہے تھے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، لوگوں نے انھیں دیکھا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ”یا امیر المؤمنین! حضرت حسین رضی اللہ عنہ آگئے ہیں، انھیں منبر پر خطبہ دینے دیجئے۔“ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ذرا میں اپنی نسبت کچھ کہہ لوں پھر خطبہ حسین رضی اللہ عنہ دیں گے۔“ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے بعد حسین رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: ”حسین رضی اللہ عنہ! تم اللہ کا حلف اٹھا کر بتاؤ کیا میں سنگالخ

<sup>①</sup> سیر أعلام النبلاء، 412/2، البداية والنهاية: 8/61، المنتظم لابن جوزي: 5/250. تاريخ طبرى: 5/232. <sup>②</sup> البداية والنهاية: 8/51-150 اباختلاف يسير.

۔ سیدنا حسن بن علیؑ کی خلافت

189.

مکہ کی اولاد نہیں؟“ سیدنا حسین بن علیؑ نے کہا: ”درست ہے، مجھے اس اللہ کی قسم جس نے میرے نانا علیؑ کو پیغام حق دے کر مامور فرمایا!“ پھر امیر معاویہؓ نے پوچھا: ”حسینؓ تھیں اللہ کی قسم؟ کیا میں مسلمانوں کا ماموں نہیں ہوں؟“ حضرت حسینؓ نے جواب دیا: ”اللہ کی قسم! جس نے میرے نانا جان بن علیؑ کو رسول بنا کر بھیجا، بالکل ٹھیک ہے۔“ امیر معاویہؓ پھر بولے: ”حسین! تھیں رب العالمین کی قسم، کیا میں کاتب وحی نہیں ہوں؟“ حضرت حسینؓ نے فرمایا: ”مولائے واحد کی قسم، جس نے میرے نانا جان علیؑ کو خلق کے لیے نذر بنا کر مبعوث کیا، آپ صحیح کہتے ہیں۔“ بعد ازاں امیر معاویہؓ منبر سے نیچے آگئے اور ان کی خواہش پر حضرت حسین بن علیؑ ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت حسینؓ نے اللہ کریم کی ایسی تعریف و توصیف بیان فرمائی کہ خلفائے راشدین بن علیؑ کے بعد کبھی کسی نے ایسی حمد و شانہ کی تھی.....، پھر فرمایا: ”اے مسلمانو! مجھ سے میرے والد ماجد نے اور میرے والد بزرگوار سے میرے محترم نانا جان علیؑ نے اور میرے مقدس نانا جان علیؑ سے حضرت جبرايلؑ نے اور جبرايلؑ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کرسی عرش کے پایہ کے نیچے حتائے سبز کا ایک پتہ ہے۔ جس پر لا إله إلا الله محمد رسول الله مرقوم ہے۔ پس آل محمد علیؑ کے گروہ میں سے جو کوئی حشر کے دن کلمہ طیبہ پڑھتا ہوا آئے گارب قدوس اس کو بہشت میں داخل کرے گا۔“ امیر معاویہؓ نے پوچھا: ”آل محمد علیؑ اور ان کے گروہ کون ہیں؟“ حضرت حسینؓ نے جواب دیا: ”جو لوگ حضرت ابو بکر بن علیؑ، حضرت عمر بن علیؑ، حضرت عثمان بن علیؑ، حضرت علیؑ اور آپؑ (معاویہ) کو گالیاں نہیں دیتے وہی آل محمد علیؑ اور ان کے گروہ ہیں۔“<sup>①</sup>

حضرت حسین بن علیؑ کے ارشاد مذکورہ بالا میں مہندی کے پتے پر کلمہ ثبت ہونے والی روایت اصلی ہو یا وضی۔ اور اصل خطبہ میں کیا اور کیوں گذشت کی گئی ہے، اس کو تو رہنمی

190

### سیدنا حسن بن علیؑ کی خلافت

وتبخے۔ اور دیکھئے یہ کہ حضرت حسین بن علیؑ آپ رسول اللہؐ اور آپ علیؑ کے ساتھیوں کی تعریف کیا فرماء ہے ہیں۔

حضرت حسین بن علیؑ کے بیان الفاظ کا مطلب یہ ہوا کہ ابو بکر صدیق علیؑ، عمر فاروق علیؑ، عثمان ذو ال نورین علیؑ اور امیر معاویہ علیؑ کی مدح کرنے اور ان بزرگوں کے قدح سے بچنے والے ہی آل نبی علیؑ اور ان کے رفیق و ہمراہی ہیں۔ اب یہ فیصلہ آل محمد علیؑ اور ان کے معتقدوں کے ہاتھ میں ہے کہ جو لوگ آل رسول علیؑ اور ان کے محبت و معتقد ہو کر اصحاب ثلاثہ علیؑ اور امیر معاویہ علیؑ پر سب و شتم کرتے اور انھیں برہنہ گالیاں دیتے ہیں اور سب و شتم کے بغیر ان کی کوئی تقریر مکمل نہیں ہوتی انھیں کیا کہنا چاہیے؟ ذرا سوچ لیں، کہ مذکورہ ارشاد حسین ابن علیؑ کا ہے کسی اور کا نہیں۔

### حسین بن علیؑ کے ایفائے عہد کا ایک واقعہ

ایک دفعہ چند لوگوں کا ایک وفد حضرت حسین بن علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت حسین بن علیؑ نے مہمان سمجھ کر ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ دو بکریاں ذبح کر کے ٹھندا ہوا گوشت ان کو کھلایا۔ جب وہ لوگ کھا پی کر فارغ ہوئے تو آپ علیؑ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ”اے فرزند رسول اللہؐ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم کس غرض سے آپ کے پاس آئے ہیں؟“ حضرت حسین بن علیؑ نے لامعی ظاہر کی۔ تو انہوں نے کہا: ”ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ معاویہ بن ابی سفیان کی بیعت توڑ دیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیں۔ اللہ کی قسم! ہم سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور دل و جان سے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔“

حضرت حسین بن علیؑ نے جواب دیا:

(3) ابن عساکر: 4/315.

”اچھا، یہ بات ہے تو آپ لوگ فوراً واپس چلے جائیں اور اپنے آپ کو ناکام و نامراد سمجھیں، یعنی جو مراد اور خواہش آپ لوگ لے کر آئے ہیں اسے نہیں پاسکتے، کیونکہ میں بد عہد بننا نہیں چاہتا۔ رسول اللہ ﷺ نے معاهدہ شکنی سے سخت منع فرمایا ہے۔ نہ آپ ﷺ نے کبھی عہد شکنی کی تھی نہ اسے پسند فرماتے تھے۔ خوب سن لو! مجھے خلافت کی کوئی طلب نہیں۔ جب تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ ہیں میں اُن سے وفا کروں گا کیونکہ میں حلف اور بیعت کرچکا ہوں۔“<sup>①</sup>

ان واقعات کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ جو لوگ یہ مشہور کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علیؑ کی وفات کے بعد حضرت حسین بن علیؑ نے خلافت کا دعویٰ کر دیا اور بیعت معاویہ رضی اللہ عنہ توڑ دی تھی، وہ کس طرح حضرت حسین بن علیؑ کو بد عہد اور معاهدہ شکن بنانے کی تحریر کر رہے ہیں!! حق تو یہ ہے کہ جاہل لوگ حضرت حسین بن علیؑ کی اپنے پاس سے بنا بنا کر جو تعریف کرتے ہیں اس میں ہٹک اور بدنامی ہی کا پہلو نکلتا ہے کوئی فضیلت نہیں پائی جاتی۔ جھوٹ آخر جھوٹ ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ و اہل بیت ﷺ دونوں کا صحیح مقام سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔ ایک گروہ کی حد سے زیادہ عزت بجالانا اور حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر ان کا ذکر و بیان کرنا اور ان کی تعریف کے ڈنگرے بر سانا اور دوسرے فریق کی عزت کو داغدار کرنا عقل، نقل اور تعلیمات اسلامیہ اور عقائد دینیہ کے سراسر خلاف ہے۔



① سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ: 401/3، بحوالہ اخبار الطوال۔

## سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت

حالی مرحوم نے کہا ہے

نیکوں کو نہ تھہرائیو بد، اے فرزند!      ایک آدھ ادا ان کی اگر ہو، ناپسند  
 کچھ نقش انار کی لطافت میں نہیں      ہوں اُس میں اگر گلے سڑے والے چند  
 انبیاء ﷺ کے سوا وہ کون شخص ہے جو مخصوص اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے؟  
 اگر کسی مخلص اور نیک نیت آدمی میں دو چار ستم بھی ہوں تو قابلِ مٹوا غذہ نہیں ہے  
 خصوصاً باب اجتہاد میں غلطی عنده اللہ بھی معاف ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ایسے  
 ہی بزرگ ہیں جن کی صالحیت اور تقویٰ میں کوئی شک نہیں، مگر ان سے اگر بتقا ضائے  
 بشریت یا بر بنائے اجتہاد کچھ غلطیاں صادر ہوئی ہوں تو انھیں ہدف ملامت نہیں بنایا  
 جاسکتا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ غلطیوں سے مبراء انبیاء ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ یہی  
 درجہ مخصوصیت ہے جو اہل سنت کے نزدیک بجز انبیاء ﷺ کسی ولی بزرگ کو حاصل  
 نہیں۔ اگر ہم عیوب جوئی اور حرff گیری کا سلسلہ شروع کر دیں تو پھر کوئی بڑے سے بڑا  
 آدمی بھی نہیں بچ سکتا۔ لہذا ہمیں اس موضوع کو چھیڑنا ہی نہیں چاہیے۔ ان کی  
 فروگذاشتوں کو اجتہادی فروگذاشت سمجھ کر اعراض سے کام لینا چاہیے۔ خصوصاً بے  
 مقصد اور بے جا تقید کا ہمیں سوائے نقصان و خرaran کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ  
 ہوگا۔ جبکہ بہ طابق قرآن مجید اللہ نے انھیں معاف بھی کر دیا ہو۔ اللہ ہمارے خواہ مخواہ  
 کے ناقدین کو شعور اور سمجھ دے۔ بہت سے اچھے بھلے لوگ بھی اس ”دریائے سور“ میں

بہرہ ہے ہیں۔ اور لاشوری میں علم و تحقیق اور عدل و انصاف کے نام پر مسلک اعتدال سے دور چلے گئے ہیں۔

امیر معاویہ بن عقبہ حضرت نبی کریم ﷺ کے مخلص صحابی ہیں۔ آپ کے والد ابوسفیان بن عقبہ اور آپ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔<sup>①</sup> اور اصحاب رسول ﷺ کی صفوں میں جگہ حاصل کر لی تھی۔ حضرت ابوسفیان بن عقبہ حضور نبی کریم ﷺ کے خر ہیں۔ اور حضور ﷺ امیر معاویہ بن عقبہ کے بہنوئی ہیں۔ یعنی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان بن عقبہ جو قدیم الاسلام ہیں، حضور پر نور ﷺ کے نکاح میں تھیں، ابوسفیان بن عقبہ بعض غزوات میں حضور ﷺ کے ہمراہ رہے۔ اور معاویہ بن عقبہ نے تو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کافی جہاد کیے۔ امام بخاری و مسلم بن حیش نے صحیحین میں حضرت ابوسفیان اور معاویہ بن عقبہ کے فضائل و مناقب میں الگ الگ باب باندھے ہیں جن سے ان صناید کا عظیم واقع مقام واضح اور متعین ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ بن عقبہ اپنی بہشیرہ ام المؤمنین ام حبیبہ بن عقبہ کی ملاقات کے لیے آئے کیونکہ ان کی آپس میں بہت محبت تھی۔ وہ دونوں باہم گفتگو میں مصروف تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ”ام حبیبہ! کیا تمہیں معاویہ بن عقبہ سے بہت محبت ہے؟“ ام المؤمنین بن عقبہ نے جواب دیا: ”جی ہاں! یہ میرے حقیقی بھائی ہیں مجھے بہت پیارے ہیں۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اگر تمہیں ان کے ساتھ محبت ہے تو میں بھی انھیں محبوب رکھتا ہوں۔“

تائیے! جسے سرورِ کائنات ﷺ محبوب رکھیں اسے دوسرے لوگ کیوں ناپسند کریں؟ اور اگر ناپسند کریں تو گناہ کار بھہریں۔<sup>②</sup> ناقدین اور عیب بولوں جد سے بڑھ گئے ہیں وہ ایک ہی لائھی سے سب کو ہائکتے ہیں مگر ہم تو ایسا نہیں کر سکتے بلکہ ہم ایسی

<sup>①</sup> سیر اعلام النبلاء: 3/129-130. <sup>②</sup> سیر اعلام النبلاء: 3/129-130.

۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت

194

شخصیات کے بارے میں اہانت و بے ادبی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔ جو افراط و تفریط سے مبرا اور غایت درجہ محتاط ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام دوستوں کو ان عظیم ہستیوں کا زیادہ سے زیادہ ادب و احترام روا رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بلند قامت اور ممتاز شخصیت کو سمجھنے کے لیے درج ذیل حلقہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے..... سب جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی کاتب و حجی مقرر فرمایا تھا۔ یعنی آپ بھی قرآن کریم کی کتابت کیا کرتے تھے اور یہ منصب کوئی معنوی منصب نہ تھا۔ اور یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایماء کے بغیر نبی کریم ﷺ نے کو وحی کی کتابت پر کیسے تعینات فرمائے تھے؟ کاتبین وحی کی امامت و دیانت پر شبہ درحقیقت اللہ اور نبی پر شبہ کے ہم معنی ہے۔ اگر ان باعزمت ہستیوں کا قرآن مجید کی کتابت و تدوین کرنا مخلوق ہوتا تو اللہ تعالیٰ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ  
وَإِنَّا لَهُ لَحْفَظُونَ ۝ کا آفاقی اعلان نہ فرماتا۔ کتابت وحی کے علاوہ حضور ﷺ کی طرف سے سلاطین و ملوک کو خطوط و مراسلات تحریر کرنا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ کتابت حدیث بھی کیا کرتے تھے اور وہ باقیں بھی شبہ کرتے تھے، جو رسول اللہ ﷺ اور فود و قبائل کے درمیان ہوا کرتی تھیں۔ اور جن سے حضور ﷺ کی سیرت اور اسلامی احکام کی تدوین میں مدد ملتی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کی بہت خدمت کی اور متعدد جنگوں میں شرکت فرمائی۔ حضرت فاروق عظم رضی اللہ عنہ جیسے عدل گستر اور نڈر امیر المؤمنین نے آپ کو حاکم دمشق مقرر کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کا گورنر بنادیا۔

ان مذکورہ خدمات جلیل کے علاوہ آپ راوی حدیث بھی ہیں۔ اگرچہ آپ نے کم روایت کی ہے مگر کتب حدیث میں آپ کی چند روایتیں مرقوم ہیں۔

اس بات کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ بن عقبہ بہت بڑے مدبر، اعلیٰ پایہ کے سیاستدان تھے۔ معاملہ فہمی اور انجام شناسی میں یہ طولی رکھتے تھے۔ بیاضِ ملت تھے، نفیتیات کے ماہر تھے، ہوا کا رُخ جانے پہچانتے اور حالات پر قابو پانے میں اپنی مثال آپ تھے۔ بہت رُعب و دُبُد ب رکھتے تھے۔ عوام کو زیر کر لینا اور با اثر تدبیر سے دشمن کو ہمتو بنا لینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ فوجوں کی کمانداری خوب کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اپنی امارت اور خلافت کے عہد میں عظیم الشان فتوحات حاصل کیں، اور وسیع و عریض علاقے اسلام کے زیر نگین کر دیئے۔ آپ شاعر نے اپنے عہد حکومت میں 56 لاکھ مرلع میل پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔

خود فرمائیے! کیا یہ باتیں حضرت امیر معاویہ بن عقبہ کے کمال جهانیانی پر شاہد ہیں یا نہیں؟ بے شک یہ آپ بن عقبہ کا بہت بڑا کارنامہ ہے جس کا کوئی مخالف سے مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ بن عقبہ کو اور بھی بڑے کمالات حاصل تھے، مثلاً: آپ بن عقبہ تقریباً تحریر میں بہت ماہر تھے۔ شعر و سخن سے بھی شغف رکھتے تھے۔ دینی اور دینوی علوم مربوطہ سے کما حقہ بہرہ مند تھے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ آپ بن عقبہ قرآن کریم کی حلاوت کر رہے تھے کہ ایک مقام پر سمندروں کا بیان پڑھ کر بھری معلومات حاصل کیں۔ اور اسی قرآن کریم کے بیان کے مطابق جہازوں کا ایک بیڑا بنالیا۔ جس نے فتوحات اسلامیہ میں کام دیا۔ اسلامی حکمرانوں میں بھری بیڑا ایجاد کرنے اور بھری فوج تیار کرنے کا سہرا آپ بن عقبہ ہی کر سر ہے۔<sup>①</sup>

حضرت امیر معاویہ بن عقبہ کے پاس کچھ سائنس دان بھی تھے۔ امریکہ کی بھری اور

سیدنا امیر معاویہؓ کی شخصیت

۱۹۶

ہوائی فوج کے افسر اعلیٰ مسٹر جے کے سپر نے عین تحقیقات کے بناء پر لکھا ہے کہ جب امیر معاویہؓ کے لشکر نے قسطنطینیہ کا محاصرہ کیا تو ان میں ایک مسلمان ماہر سامنہ داد ایسا بھی تھا جس نے ایک ہوائی جہاز تیار کیا اور اس پر چڑھ کر پرواز کی۔ مگر تھوڑی دور جا کر طیارہ گرا اور اپنے موجود سہیت پاش پاش ہو گیا۔<sup>①</sup>

حضرت امیر معاویہؓ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئے۔ اور ماہ ربیعہ 60ھ میں وفات پائی اِنَّا إِلَهٌ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ<sup>②</sup> یہ ہیں مختصر حالات اس جری، ذکی اور صاحب بصیرت انسان کے جس کے فضل و کمال کے اپنے اور غیر بھی معرفت ہیں! ہماری دعا ہے اور ہوئی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے درجات بلند کرے۔ اور لغزشیں معاف فرمائے۔ (آمین) نبی کریم ﷺ نے خود انھیں دعائیں دیں، یقیناً وہ شرف قبولیت پاچکی ہیں، جسے اللہ اور اس کے نبی ﷺ نے معاف کر دیا، ہم بھی انھیں معاف کر دیں۔ اگر ہمارے دوست معاف نہ کریں گے اس سے ان کا کچھ نہیں بگڑے گا، ہمارے اپنے ہی ایمان کا نقصان ہو گا، جو معمولی نقصان نہیں، غور سے دیکھا جائے تو ایمان کا نقصان ہی بہت بڑا نقصان ہے۔



<sup>①</sup> امریکی رسالہ بکریت ہسٹری بابت ماہ جولائی 1928ء مأخوذاً زیرت شہید کربلا، جلد اول۔

<sup>②</sup> سیر اعلام النبی: 162/3

## یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ

حضرت رسول کریم ﷺ کی رحلت کے بعد ڈور صدیقی میں مختلف فتنوں نے سر اٹھایا، جن میں منکرین ختم نبوت، مانعین زکاۃ اور مرتدین<sup>①</sup> پیش پیش تھے، لیکن حضرت صدیق اکبر ﷺ کی ڈور اندیشی، مستقل مزاہی اور ایمانی قوت نے ان فتنوں کو دبادیا، ڈور فاروقی میں بھی کوئی فتنہ سرنہ اٹھا سکا۔ کیونکہ ایک تو تھوڑا عرصہ قبل حضرت ابو بکر ؓ نے فتنوں کی سرکوبی فرمادی تھی، جس نے آنے والے خلیفہ کی مشکل آسان کر دی تھی، دوسرا یہ کہ خلیفہ علیؑ حضرت عمر فاروق ؓ خود بڑے عادل، منصف، زیریک، معاملہ فہم، اور صاحبِ جلال و جبروت تھے، البتہ ڈور عثمانی کے آخری حصے میں مختلف فتنوں نے پر پڑزے نکالے اور سر اٹھایا، اس میں شک نہیں کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ بڑے معاملہ فہم اور صاحبِ ایمان و تقویٰ تھے مگر آپ ؓ نہایت رقیق القلب، صاحب رفق و حلم اور حد سے زیادہ طیم و بُردبار تھے۔ بس شہادت عثمان ؓ کے بعد حالاتِ گرگوں ہو گئے اور پھر ایسے تلپک ہوئے کہ بگڑتے ہی چلے گئے۔

حضرت علیؓ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو تملیٰ امن غارت اور ملکی سکون

<sup>①</sup> مرتدین سے مراد اسلام سے کفر کی جانب لوٹ جانے والے لوگ ہیں۔ اسلام کے مطابق ارتداو ہر درجہ موصیٰ اسلام اور بڑا جرم ہے کہ جس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں۔ مرتد شخص کافر سے بھی برآ ہے یہ شخص والد کا وارث نہیں بن سکتا، یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کے لیے باعث بنائی بننے کی بنا پر پدرتین کافرشاہر ہوتا ہے۔ جیسے قادیانی وغیرہ۔

۱۹۸۔۔۔۔۔

بھر۔ بیانی کی ولی عہدی کا مسئلہ

کافی حد تک بر باد ہو چکا تھا۔ آپ کا تقریباً پورا عرصہ خلافت ہنگاموں اور شورشوں میں گزرا، اور حالات اس قدر نازک صورت اختیار کر چکے تھے کہ آپ ﷺ جیسے مدبر، عالی حوصلہ، پارسا اور عقیل و فہیم سے حل نہ ہو سکے، اور صورت یہ بن گئی کہ ”مرض بڑھتا گیا ہوں جوں دوا کی۔“

سیدنا علیؑ کے رونے اور ناپسندیدہ ترین جانے کے باوجود آپ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے مابین مسلح جنگیں ہوئیں جن میں ہزاروں آدمی تباخ ہوئے۔ اور ان اسباب کی بنا پر سیدنا علیؑ کوئی پیش قدی نہ فرماسکے۔ جبکہ آپ سے قبل خلافائے شیعہؑ کے عہد میں پیش قدی ہوئی اور اسلامی قلمرو میں اضافہ ہوتا رہا۔

حضرت امیر معاویہؑ، حضرت عمر اور حضرت عثمانؑ کے دور میں شام، فلسطین اور اردن وغیرہ کے گورنر رہ چکے تھے، اور آپؑ کی باریک بین اور دوراندیش لگاہ ان تمام واقعات کو پکش خود دیکھ چکی تھی۔ آپ نے حضرت حسنؑ سے صلح کے بعد جب اسلامی قلم رو سنبھالا تو جس کام کی طرف اولین توجہ دی وہ ملکی امن و امان تھا۔ آپؑ نے قلیل مدت میں خدا داد صلاحیت اور انتظامی قابلیت کی بدولت اپنے زیر حکومت علاقے کو امن و سکون کا گھوارہ بنادیا۔ آپؑ کے قلمرو میں پیار و محبت کے پھول کھلنے اور اخلاص و ایثار کی کلیاں چلتے گیں۔

آپؑ کا یہی وہ تدریج تھا جس کے پیش نظر پہلے خلفاءؑ نے آپؑؑ کو اعلیٰ منصب دیا تھا۔ فاروقؑ اعظم شیعہؑ جیسا دوراندیش اور دانا و بینا، عدل گستر، صاحب تدبیر حکمران آپؑ کے حسن انتظام کاملاً حداچ تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؑ نے فرمایا:

”اے لوگو! تم میرے بعد آپؑ میں میں گروہ بندی سے بچو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو تو

سمجھ رکھو کہ معاویہؑ شیعہ شام میں موجود ہیں۔“<sup>①</sup>

① الإصابة: 3/414، مطبوعہ مصر۔

اسی طرح حضرت عثمان بن علیؓ جسے صاحب تقویٰ اور بالغ النظر حکمران کو آپ ﷺ پر اعتماد کرنا۔ اگر دو رفاقتی میں حضرت امیر معاویہ بن علیؓ شام کے گورنر تھے تو حضرت عثمان بن علیؓ نے آپ ﷺ کو شام کے علاوہ قصرین، اردن اور فلسطین کی گورنری بھی سونپ دی تھی، کیونکہ سیدنا عثمان بن علیؓ نے دیکھ لیا تھا کہ وہ جس علاقے کا نظم و نسق چلاتے ہیں وہاں امن و سکون کی کلیاں مسکرا نے لگتیں اور کسی کے چراغ جلنے لگتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہی آپ ﷺ کے مددگار اور قضا کے معترض تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ”میں نے عثمان بن علیؓ کے بعد کسی کو معاویہ بن علیؓ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں پایا۔“<sup>①</sup>

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہی جسے حضرت الامم کے آپ ﷺ کے بارے میں تاثرات یہ ہیں:

«لَيْسَ أَحَدٌ مِنَا أَعْلَمُ مِنْ مُعَاوِيَةَ»

”ہم میں معاویہ بن علیؓ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔“<sup>②</sup>

اور امام بخاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اور امام بخاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

”إِنَّهُ فَقِيهٌ“ پیشک معاویہ بن علیؓ فقیہ ہے۔<sup>③</sup>

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”میں نے معاویہ بن علیؓ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کوئی آدمی نہیں پایا۔“<sup>④</sup>

یہ چند حوالے بطور مشتبہ از خوارے، پیش کیے ہیں جن سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت معاویہ بن علیؓ علم و بصیرت، تدبیر و سیاست، ذہانت و فطانت، حلم و شرافت اور ملکی، قوی اور دینی خدمات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

سیدنا امیر معاویہ بن علیؓ حضور ﷺ کے محبوب صحابی تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اور اصولی جہانبانی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے عہد حکومت

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/135۔ <sup>②</sup> سنن کبریٰ بیہقی: 3/26، ذکر۔ <sup>③</sup> البداية والنهاية: 8/131،

مطبوعہ مصر۔ اور <sup>وکی</sup> پیسے صحیح البخاری، کتاب الوتر۔ <sup>④</sup> البداية والنهاية: 8/135، مصر۔

۶۰۰۔ زینبی کی ولی عہدی کا مسئلہ

200.

میں اسلامی مملکت نے بے حد ترقی کی، جو ہر اعتبار اور ہر پہلو سے پرداں چڑھی، اور مملکت اسلامیہ کی ساکھ قائم ہو چکی تھی۔ سیدنا امیر معاویہ رض چاہتے تھے کہ اسلامی ترقی رُک نہ جائے، بلکہ کسی طرح اسلامی سلطنت بڑھتی اور پھیلتی پھولتی چلی جائے۔ اس کام کے لیے آپ کی نگاہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید پر پڑی۔ اور اپنے بیٹے پر نگاہ اس لیے نہ پڑی کہ وہ آپ کا پرستھا بلکہ اس لیے پڑی کہ وہ آپ رض کے خیال میں اپنے اندر حکمرانی و جهانبانی کے جملہ ضروری اوصاف رکھتا تھا، اور یزید کی ساکھ بھی اچھی تھی۔ کسی بھی قابل ذکر شخص کے اس کے بارے میں برے خیالات یا منفی جذبات نہ تھے۔ ایک روز امیر معاویہ رض نے بطور آزمائش یزید سے پوچھا کہ اگر تھیں حکومت دے دی جائے تو اسے کس طرح چلاوے گے؟ یزید نے جواب دیا:

**كُنْتُ وَاللَّهِ يَأْبَتِ عَامِلًا فِيهِمْ عَمَلٌ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ**

”بحمد اللہ! ابا جان! میں عمر بن الخطاب رض کے طریقے پر نظام حکومت چلاوں گا۔“<sup>①</sup> اس دُور اندیشانہ اور پُرمغز جواب سے یزید کی اس وقت کی فکری صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خیال رہے اس زمانہ میں یزید کی ساکھ اچھی اور شخصیت قابل اعتقاد تھی۔ ہمارے عام لوگ شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں جو ان کے تعصب اور کوتاه نظری پر دلالت کرتا ہے۔ ہمارے بہت سے سنی احباب بھی امیر معاویہ رض اور یزید دونوں کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے، شیعہ تو ایسا نظریہ رکھتے ہی تھے۔ شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر وہ بھی نسل ابعد نسل امیر معاویہ رض کو بدعتی اور یزید کو شریانی کبابی، زانی، فاسق، فاجر بلکہ بعض کافرنک کہہ دیتے ہیں، بڑے بڑے علماء اور واعظین اپنی کتب میں یزید کو ملعون علیہ اللعنة ”یزید پلید“ اور پتہ نہیں کیا کیا لکھتے ہیں۔ اور ”یہ حادثہ کربلا“ اور ”واقعہ حرہ“ وغیرہ کی بنا پر کہتے اور لکھتے ہیں۔ وہ یہ قطعاً غور

① البداية: 229/8

نہیں کرتے کہ بھلا امیر معاویہ رض جیسا ممتاز صحابی جس کے بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ نے ”ہادی و مهدی“ بننے کی دعا کی ہو، بدعت کا کیسے ارتکاب کر سکتا ہے؟ اور بیزید جس کے ہاتھ پر ننانوے فیصلہ مسلمانوں نے بیعت کی ہوجن میں ایک بہت بڑی تعداد اصحاب رسول ﷺ اور تابعین کرام رض کی تھی، جس میں امت کے عظیم لوگ شامل تھے، بھلا کیونکر فاسق و فاجر ہو سکتا ہے؟ کچھ دریہ دہن لوگ ذرا نہیں جھکھتے اور شرماتے۔ وہ جماعت صحابہ رض کو ڈرپوک اور منافق پتہ نہیں کیا کیا کہہ دیتے ہیں نعوذ باللہ ممن ذالک۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بلند بخت اور عظیم لوگ ہرگز ڈرپوک تھے نہ منافق۔ وہ بڑے دلیر، پکے مومن، خالص مسلمان اور حامل قرآن و سنت تھے۔ خصوصاً اہل سنت کو صحابہ رض اور ان کے انتخاب کردہ امیر کو ہرگز مورد الزام نہیں تھہرانا چاہیے۔ ذرا دل تھام کر اکابرین دین و ملت کے کچھ افکار و خیالات ملاحظہ کجیے۔ شاید آپ کے الجھے ہوئے مسئلے کے لیے کوئی واضح اور اچھی راہ نکل آئے۔

بیزید کے بارے میں حضرت ابن عباس رض کا مشہور ارشاد ہے:

«وَإِنَّ أَبْنَهُ يَزِيدَ لَمِنْ صَالِحِي أَهْلِهِ»

<sup>①</sup> ”اور بلاشبہ امیر معاویہ رض کا بیٹا بیزید، ان کے صالح افرادِ خانہ میں سے ہے۔“  
حضرت علی رض کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رض کی چشم دید شہادت ملاحظہ ہو، آپ نے فرمایا:

«قَدْ حَضَرْتُهُ وَأَقْمَتُ عِنْدَهُ فَرَأَيْتُهُ مُوَاطِبًا عَلَى الْصَّلَاةِ مُتَحَرِّيًّا  
لِلْخَيْرِ، يَسْتَأْلُ عَنِ الْفِقْهِ، مُلَازِمًا لِلْسُّنْنَةِ»

”میں اس کے پاس گیا ہوں اور قیام پذیر رہا ہوں، میں نے اسے نماز کا پابند اور بھلانی کا طلب گار پایا، وہ فقد و انش کی باقیں پوچھتا ہے، اور سنت مطہرہ کا

① انساب الاشراف بلاذری: 2/4,3.

بِرَيْدِکی ولی عہدی کا مسئلہ

عامل و حامل ہے۔<sup>①</sup>

امام ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: «فَجَاءَ نَجِيبًا ذَكِيرًا حَادِقًا»  
”بِرَيْدِ پیدائشی طور پر شریف الطبع، ذہین اور فہیم تھا۔“  
اور اس کے دو تین صفحات کے بعد لکھتے ہیں:

«وَقَدْ كَانَ يَزِيدُ فِيهِ خِصَالٌ مَحْمُودَةٌ مِنَ الْكَرَمِ وَالْجِلْمِ  
وَالْفَصَاحَةِ وَالشِّعْرِ وَالشَّجَاعَةِ وَحُسْنِ الرَّأْيِ فِي الْمُلْكِ وَ كَانَ  
ذَا جَمَالٍ حُسْنِ الْمُعاشرَةِ»

”بِرَيْدِ عَمَدَہ صفات کا بیکر تھا، وہ حلم و کرم، فصاحت و شعر گولی، شجاعت و بسالت  
کا جامع تھا، امورِ سلطنت میں عَمَدَہ رائے رکھتا تھا، حسین، وضع دار اور خوش  
کردار تھا۔<sup>②</sup>“

محقق علمائے اہلی سنت اور جملہ ارباب تحقیق کا یہی موقف ہے جو ہم نے مختصرًا  
بیان کیا ہے، اور جنہوں نے اس کے برعکس لکھا ہے وہ اپنے پرانے صدیوں پرانے  
پروپیگنڈے سے حد درجہ متاثر ہیں۔ اور باوجود یہ اعلم ہونے کے گھرائی میں نہیں گئے۔  
اور محقق یا ابوالحقائق کہلا کر تحقیق کی وادی میں قدم نہیں رکھا۔ معلوم نہیں وہ یہ کیوں نہیں  
دیکھتے کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی شہبہ نے جب بِرَيْدِ کو خلافت کے لیے نامزد کیا تھا، اس  
وقت تو شہادت حسین بن علیؑ کا حادثہ ابھی پیش ہی نہ آیا تھا، بلکہ یہ حادثہ اس کے سریر  
آرائے خلافت ہونے کے عرصہ بعد پیش آیا تھا۔ لیکن وہاں بھی امر واقعی اور ثابت شدہ  
بات یہ ہے کہ جیسا کہ آئندہ آپ پڑھیں گے کہ شہادت حسین بن علیؑ میں بِرَيْدِ کا ہاتھ یا  
ایماء کچھ نہ تھا، اس سلسلے میں بِرَيْدِ کا کوئی اشارہ، ترغیب، فیصلہ یا حکم نہیں ملتا، ہاں،

① البداية والنهاية: 8/233. ② البداية والنهاية: 8/228.

بدقمقتی سے یہ واقعہ اس کے آور حکومت میں ہوا جس کی بنا پر وہ بدنام ہو گیا، اور دنیا جہان کے جملہ عیوب اس میں جمع ہو گئے، اور وہ شرابی، زانی، کبابی، فاسق، فاجر، کافر اور پتہ نہیں کیا کیا بن گیا؟

آئیے! اگر آپ کو اپنے مزاج کے خلاف بھی کچھ دیکھنے پڑھنے، سننے اور برداشت کرنے کا سلیقہ اور حوصلہ ہے تو ذیل کے متاخر اہلسنت علمائے ذی وقار کی تحقیقات بھی ملاحظہ فرمائیے۔ صحیح آدمی وہ ہوتا ہے جو طرفین کی تحقیقات و آراء کا بے لارگ مطالعہ کر کے رائے قائم کرے ..... الحمد للہ! اب آہستہ آہستہ ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو وادی تحقیق و تحسیں میں قدم رکھنا پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب دوستوں کو ظرف کی کشاوگی اور زگاہ کی وسعت عطا فرمائے۔ آمین۔

اہل تشیع کے ساتھ اہلسنت کا ایک طبقہ بھی بیزید کی مخالفت کے پروپیگنڈے میں شریک ہو گیا۔ انھی کی زبان استعمال کی۔ اور وہ بھی ان کی طرح شر بار بن گیا۔ اب ماہ محرم کی مجالس میں یہ فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ شیعہ کون ہیں اور سنی کون۔ اب ذرا ججۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ (جن کا اپنا ایک علمی مقام ہے ان) جیسی نابغہ روزگار شخصیت جو بھی کے نزدیک نہایت واجب الاحترام ہے کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے:

«وَمَا صَحَّ قَتْلُهُ الْحُسَيْنٌ وَلَا أَمْرَهُ بِهِ وَلَا رَضِيهُ»

”بیزید کا حسین کو قتل کرنا یا قتل کا حکم دینا یا اس پر راضی ہونا ثابت نہیں۔“

حضرت ملا علی قاری رضی اللہ عنہ نے ”شرح فتاویٰ اکبر“ میں یہی نظریہ پیش کیا ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربي رضی اللہ عنہ جیسی شہرہ آفاق شخصیت نے بیزید کے فتن و فجور کی تردید کی ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی ”كتاب الزهد“ میں بیزید کو پرہیزگار اور دین

ب). بیزید کی ولی عہدی کا مسئلہ

دار لوگوں میں شمار کیا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ماہر ناز شاگرد علامہ حافظ عبد الغنی مقدسی رضی اللہ عنہ نے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے:

”بیزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے، جن ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیزید کی بیعت کی ان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا کبار صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیزید کو نامزد کیا تھا تو یہ آپ نے کوئی ناقابل معافی اور لشتنی جرم نہیں کیا تھا، بلکہ آپ نے نیک ارادے اور پاکیزہ جذبات لے کر اسے نامزد کیا تھا۔ جہاں تک سمجھ آتی ہے آپ کے سامنے پہلے دور کے تمام نازک حالات تھے، آپ یہ چاہتے تھے کہ میں اپنی زندگی ہی میں مسئلہ خلافت و امارت حل کر جاؤں تاکہ بعد میں ملت اسلامیہ انتشار کا شکار نہ ہو، اور جانشین اسلام کو کسی سازش اور ریشه دواني کا موقع نہ مل سکے، بس یہ تھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیت۔ اور یہ تھا آپ کا نیک ارادہ، یعنی آپ نے ملک و ملت کو محض اختلاف و انتشار سے بچانے اور اسلامی قلمرو میں لا الہ الا اللہ کا پرچم لہرانے کے لیے بیزید کی نامزدگی کی تھی، ورنہ اس لیے اس کی نامزدگی نہیں کی تھی کہ بیزید بیٹا تھا، میں اسے حکومت دے کر خوش ہو کر جاؤں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دُور رَس اور جہاں میں نگاہ میں بیزید آپ کی جگہ سنبھالنے کی خوبی بیعت رکھتا تھا، جیسا کہ پیچھے آپ حوالہ جات ملاحظہ فرمائچے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برسر منبر یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ عَهَدْتُ لِبَيْزِيدَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ فَضْلِهِ .....»

”اے اللہ! اگر میں نے بیزید کو اس کی خوبی و کمال دیکھ کر ولی عہد بنایا تو اسے منزل تک پہنچا دے اور اس کی مدد فرم۔ اور اگر میں نے اسے محبت پدری کی بنیا پر ولی عہد بنایا ہے تو تختِ خلافت پر متمکن ہونے سے قبل اس کی روح قبض فرمائے۔“<sup>①</sup>

اب بھی اگر کوئی شخص حقیقت حال اور امر واقعہ سے صرف نظر کر کے حضرت امیر معاویہ رض کو مطعون گردانے اور ان کی نیت پر حملہ کرے تو اس کی مرضی ہے، ہم نے تو نفس مسئلہ کی وضاحت کی کافی حد تک کوشش کی ہے۔ آگے لوگوں کی اپنی اپنی سوچ اور اپنی اپنی مرضی ہے۔

یہاں یہ بات ضرور پیش نظر ہے کہ صحابہ رض کے بارے میں ہمیشہ بہتر رائے رکھنی چاہیے کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں بہتر اور اچھی رائے رکھنے کا حکم ہے۔ یہ مسئلہ دین، ایمان اور عقیدے سے تعلق رکھتا ہے اور بہت حساس ہے۔ یاد رکھیے! جمع صحابہ رض اخیارات تھے۔ اللہ نے انھیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت اور نفرت و حمایت کے لیے خود چنا تھا، ان کے بارے میں برا سوچنا یا کسی مفہوم کی اچھی تعبیر کی بجائے گھٹیا تعبیر اختیار کرنا جس سے ان کی توہین و تنقیص یا ذم کا پہلو نکلتا ہو اچھا اور مقاطط طریقہ نہیں، اس طریقے سے ان کے بارے میں عدم عقیدت بلکہ غایت درجہ نفرت کے ردیل جذبات پیدا ہو کر پروان چڑھتے ہیں، جو کسی شخص کے ایمان کے لیے شدید نقصان دہ ہیں۔ اس سے بڑا نقصان کیا ہو سکتا ہے کہ بندے کے لپٹے ایمان نام کی کوئی شے ہی باقی نہ رہے۔ اور اس کا خاتمه برآ اور انجام تباہ کرن ہو۔<sup>②</sup>

① تاریخ الاسلام للذهبي و طبقات المشاهير والاعلام: 2/268.

② اس سلطے میں ہماری کتاب زیر ترتیب ”گستاخان صحابہ رض کا بر انجام“ کا مطالعہ فرمائیے۔ (مؤلف رحمۃ اللہ علیہ اصلاح امت کے لیے کچھ سوچتے یا لکھتے رہتے تھے۔ انہوں نے جس زیر ترتیب کتاب کا ذکر کیا ہے شاید ان کے مسودے سے مل جائے تو اسے شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ (ناشر)

## یزید کی جائشی اور بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد ہی میں یزید کی خلافت کا اعلان فرمادیا تھا۔ کوئی بات انھا اور پردوے میں نہ رکھی۔ اور بنام اللہ حکومت اسے سونپ دی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی اس کی بیعت کی۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمانوں نے بھی اس کی بیعت کی۔ اور ان کا یزید کی بیعت کرنا بلا سوچ سمجھے نہ تھا بلکہ خوب غور و فکر کر لینے کے بعد تھا، وہ یزید سے بے خبر نہ تھے۔ اس کے عادات و خصائص سے آگاہ تھے، اس کی رائے اور تدبیر سے واقف اور شجاعت و بسالت سے باخبر تھے۔ کئی بزرگ اصحاب یزید کی زیر قیادت جہاد قسطنطینیہ میں شریک ہو چکے تھے، اور جو شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس کی حرب و ضرب اور فن سپر گری، شجاعت و تہذیب سے خوب آشنا تھے۔ دنیاۓ اسلام میں ایک بھی صاحب علم اور ذمہ دار شخص ایسا نہیں ملتا جس نے حادثہ کر بلے سے قبل یزید پر لے دے یا نقد و جرح کی ہو یا علانیہ یاد بے الفاظ میں اسے فاسق، فاجر، شرایبی، بدقاش، بے عقل، یا بزدل وغیرہ کہا ہو۔ نہ اس نے کبھی ریچھ پالا تھا نہ بندر۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر پہلے زمانے کے لوگ خاموش رہے تو بعد میں آنے والے لوگ کیوں مضطرب ہیں؟ انھیں بھی خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔ اگر خاموشی اختیار نہ کریں گے تو اسلاف کا کیا نقسان ہو گا ہمارا اپنا ہی نقسان ہو گا۔ اور ملیٰ امن و سکون متأثر ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ لیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور

اسلاف اور جملہ اہل اسلام نے ترک اولی سے کام لیا۔ وہ اجتہادی لغزش سے دو چار ہوئے۔ وہ اگر یوں نہ کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا وغیرہ وغیرہ، مگر اب وقت پلٹ کر تو نہیں آ سکتا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اور پھر صحابہ رض کوئی عام بزرگ تو نہیں تھے جنہیں نقد و جرح کی سان پر چڑھایا جائے۔ جن کی تو ہیں تحقیر کا مشغل۔ اختیار کیا جائے اور انھیں تمثیل و تفسیک کا تختہ مشق بنایا جائے۔ یہ برائی پہلی برائی سے از روئے انجام کئی گنا زیادہ ہے۔ فافهم ولا تکن من الغافلين۔

بعض احباب جہاد قسطنطینیہ میں بیزید کی امارت کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اگر وہ اس جہاد میں بیزید کی شرکت کو تسلیم کر لیں تو بیزید کا مغفور لہ ہوئا مانتا پڑتا ہے اور یہ انھیں شدید ناگوار بلکہ ان کی برداشت سے بھی باہر ہے۔ مگر کیا کیا جائے، اس سلسلے میں صحیح اور صریح حدیث نبوی موجود ہے، جو شارحین حدیث کے نزدیک تھیک بیزید پر چسپاں ہوتی ہے، وہ حدیث، **اصحُّ الْكُتُبُ، صحیح بخاری میں ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:**

«أَوَّلُ جِيَشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَّهُمْ»

”میری امت کا پہلا شکر جو قیصر کے دارالحکومت قسطنطینیہ پر چڑھائی کرے گا وہ بخشنا ہوا ہے۔“<sup>①</sup>

حضرت محمود بن رجع رض فرماتے ہیں:

«وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمْ بِأَرْضِ الرُّومِ»

”اس شکر کا امیر بیزید بن معاویہ تھا۔“<sup>②</sup>

علامہ ابن حجر عسقلانی، اور علامہ بدرا الدین عینی خنفی اور علامہ قسطلانی رض جیسے چوٹی

<sup>①</sup> صحیح البخاری، الجہاد و السیر، باب ماقبل فی قتال الروم، حدیث: 2924.

صحیح البخاری، التهجد، باب صلاة النوافل جماعة جماعة، حدیث: 1186.

۶۰۸۔ یزید کی جائشی اور بیعت

208.

کے علماء و محدثین و مستند و معترض شارصین بخاری جن کی علمی ثقاہت کے سامنے سب کی گرد نیں جھکی ہوئی رکھائی دیتی ہیں، فرماتے ہیں:

«إِنَّ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ غَرَّاً بِلَادَ الرُّومِ حَتَّىٰ بَلَغَ الْقُسْطُنْطِينِيَّةَ وَمَعَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ سَادَاتِ الصَّحَابَةِ»

”یزید بن حضرت معاویہؓ سرز میں روم میں جہاد کرتا رہا، یہاں تک کہ سرز میں قسطنطینیہ تک جا پہنچا، اور اس کے ساتھ اکابرین صحابہؓ کی ایک جماعت تھی۔“<sup>①</sup>

علامہ قسطلانیؓ اجلہ علماء میں سے ہیں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

«كَانَ أَوَّلُ مَنْ غَرَّاً مَدِينَةَ قَيْصَرَ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ وَمَعَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ سَادَاتِ الصَّحَابَةِ.....»

”سب سے پہلے جس نے سرز میں قیصر (روم) میں جہاد کیا وہ یزید بن معاویہؓ تھا۔ اور اس کے ساتھ اجلہ صحابہؓ کی ایک جماعت تھی۔“<sup>②</sup>

امام ابن کثیرؓ سے کون نا آشنا ہے؟ آپ فرماتے ہیں:

«فَسَارَ مَعَهُ، خَلْقٌ كَثِيرٌ مِّنْ كُبَرَاءِ الصَّحَابَةِ حَتَّىٰ حَاصِرَ الْقُسْطُنْطِينِيَّةَ»

”اس جہاد روم میں بہت سے کبار صحابہؓ یزید کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ اس نے آگے پہنچ کر قسطنطینیہ کا حاصرہ کر لیا۔“<sup>③</sup>

اور اسی الہمیہ جلد 8، صفحہ 151 میں ہے: ”حضرت حسینؑ بھی اس لشکر میں شریک تھے۔“

<sup>①</sup> فتح الباری: 6/78، و عددة القاري: 14/199. <sup>②</sup> قسطلانی بحوالہ حاشیہ صحیح البخاری: 1/410. <sup>③</sup> الہمیہ والنهایہ: 8/32.

امام ان تمیہ وَلِلَّهِ فَرَمَّاَتْ فرماتے ہیں:

«أَوَّلُ جَيْشٍ غَرَّاهَا كَانَ أَمِيرُ هُنْمَ يَزِيدُ»

<sup>①</sup> «پہلا لشکر جس نے وہ جہاد کیا ان کا امیر یزید تھا،»

<sup>②</sup> امام ذہبی وَلِلَّهِ کا بھی یہی ارشاد ہے.....

مورخ طبری لکھتا ہے:

<sup>③</sup> «یزید بن معاویہ نے روم میں جنگ کی، یہاں تک کہ قسطنطینیہ تک پہنچ گیا،»

<sup>④</sup> علامہ سید سلیمان ندوی وَلِلَّهِ کی بھی یہی تحقیق ہے.....

یہ تھوڑی سی تفصیل ہم نے اس لیے دی ہے تاکہ حدیث کا مذکورہ مفہوم سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ وہ لوگ جو وسیع مطالعے سے عاری اور علمائے تحقیق کی مجالس سے محروم ہیں بوجہ تقليد و جمود کے وہ بے سند قصہ کہانیاں سن سن کر بہک جاتے ہیں۔ وہ ان دلائل کا باطنظر غائر مطالعہ فرمائیں۔ شاید ان کے دل و دماغ کے دریچے کھل جائیں اور وہ کچھ حاصل کر سکیں جو انھیں حاصل ہونا چاہیے۔ ورنہ فی زمانہ بڑے بڑے اصحاب جب و دستار ہیں جن کا مطالعہ اور تحقیق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور ہر دلیل کے سامنے نہیں میں سرہادیتے ہیں۔ لیکن اولہ و بر اہین کے مقابلے میں انکوں کا سہارا کام نہیں دیتا۔ اسی جہاد قسطنطینیہ کے موقع پر حضرت ابوالیوب انصاری وَلِلَّهِ، جو شریک جہاد تھے، انتقال فرمائے، ان کی نمازِ جنازہ یزید نے پڑھائی اور سب مجاہدین نے، جن میں متعدد اصحاب محمد وَلِلَّهِ بھی تھے، اس کے پیچے نمازادا کی۔

قیصر روم کو جب معلوم ہوا کہ ابوالیوب وَلِلَّهِ کو قسطنطینیہ کے دامن میں دفن کیا گیا تو اسے ناگوار گزرا، اور اس نے ابوالیوب انصاری وَلِلَّهِ کے بارے میں چند نازیبا الفاظ

① منهاج السنۃ: 2/252. ② المستنقی: 288. ③ تاریخ طبری اردو: 5/56. ④ سیرة النبی:

5/601. ⑤ البداية والنهاية: 8/58.

۶۰۰۔ یزید کی جائشی اور بیعت

210 م ۶۰۰

کہے۔ یزید نے جب صحابی رسول ابوالیوب النصاریؓ (جنهیں میر باñی رسول ﷺ کا شرف بھی حاصل ہوا) کی شان القدس میں قیصر روم کے گستاخانہ الفاظ سے، تو جوش و جذبے سے اپنے ہاتھ میں گرز لے کر قلعہ قسطنطینیہ کے صدر دروازے پر زور زور سے ضرب میں لگا میں اور کہا:

«يَاهُلُّ الْقُسْطُنْطِينِيَّةِ هَذَا رَجُلٌ مِّنْ أَكَابِرِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ نَّبِيًّا  
وَقَدْ دَفَنَ حَيْثُ تَرَوْنَ، وَاللَّهُ لَئِنْ تَعَرَّضْتُ لَهُ لَأَهْدِمَنَّ كُلَّ كَنِيسَةٍ  
مِّنْ أَرْضِ الْإِسْلَامِ وَلَا يُضْرِبُ نَاقُوسُ بِأَرْضِ الْعَرَبِ أَبَدًا»

”اے ساکنان قسطنطینیہ! ابوالیوب النصاریؓ (جنهیں میر) ہمارے نبی، حضرت محمد ﷺ کے عظیم صحابی ہیں۔ اور تم دیکھتے ہو ہم نے انھیں اس جگہ دفن کیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کی قبر کو کوئی نقصان پہنچایا تو یاد رکھو! میں اسلامی مملکت میں ہمارے تمام چرچ گراؤں گا، پھر سر زمین عرب میں (تمہارا) ناقوس کبھی نہ بخ سکے گا۔“<sup>①</sup>  
ہمیں معلوم ہے کہ مضمون میں قدرے طوالت ہو گئی ہے، مگر یہ طوالت ہم نے اس لیے اختیار کی تاکہ ہمارے وہ دوست جو پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یزید کو بے دین، بے غیرت، فاسق، فاجر، بزدل، نبیؓ اور صحابہ کرامؓ کا دشمن اور پتہ نہیں کیا کچھ کہہ دیتے ہیں، ان کے سامنے اس پروپیگنڈے کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔ اور انھیں خبر ہو جائے کہ یزید کا کردار کیسا تھا.....؟

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو جائش بنایا تو کیوں بنایا..... صحابہؓ اور تابعینؓ اور تمام اہل اسلام نے جو اس کی بیعت کی تو کیوں کی.....؟ اس قسم کے سوالات کا جواب گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

① ناسخ التواریخ: 2/66.

یہ ہم نے جو تحقیق اور موقف پیش کیا یہ قرین الصاف بھی ہے اور قرین صواب بھی، کیونکہ اسے اختیار کرنے سے امیر معاویہ رض، صحابہ رض، تابعین اور خانوادہ اہل بیت رض کے بقیۃ السلف ارکان رض اور جملہ اہل اسلام کی پوزیشن صاف رہتی ہے اور ان پر کسی قسم کا حرف نہیں آتا، نہ کسی کو حرف گیری کا موقع ملتا ہے۔ بصورت دیگر یہ سب بزرگ مطعون اور مورِ الزام ٹھہر تے ہیں جو یقیناً درست نہیں۔

ہاں دو تین صحابہ رض ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے زید کی بیعت نہ کی تھی۔ ان میں نمایاں نام حضرت ابن عمر رض، حضرت ابن زبیر رض اور حضرت حسین رض کے ہیں، مگر ان میں ابن عمر رض نے بعد میں بیعت کر لی تھی۔ اور خوف سے نہیں کی تھی بلکہ اپنی کامل رضاۓ کی تھی۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رض جیسے متذمین اور متقدی صحابی کا اپنا ارشاد ہے، جسے کچھ شہبہ ہو وہ آپ کا یہ ارشاد گرامی پڑھ لے:

إِنَّا قَدْ بَأَيْعَنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

”بے شک ہم نے اس شخص (زید) سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔“

ابن عمر رض نے یہاں بَأَيْعَنَتُ کے بجائے بَأَيْعَنَافرمایا، یعنی بجائے واحد متكلم کے جمع متكلم کا صیغہ استعمال کیا ہے جو آپ کے رفقاء صحابہ رض کو بھی شامل ہے۔ دوسرے عبداللہ بن زبیر رض تھے جنہوں نے زید کی بیعت نہ کی مگر آپ کی بیت اللہ (مکہ مکرمہ) میں حکومت قائم ہو چکی تھی، یہ الگ بات ہے کہ وہ دری پانہ رہی۔

بیعت زید کا انکار کرنے والے تیرے اہم فرو خود سیدنا حضرت حسین رض تھے۔ بیشک آپ رض اپنے موقف پر ایک عرصہ تک قائم رہے۔ ”ایک عرصہ تک“ کے الفاظ ہم نے اس لیے استعمال کیے کہ آپ رض پر ایک وقت ایسا بھی آگیا تھا جب

① صحیح البخاری، الفتنه، باب إذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه، حدیث: 7111.

بیرونی جائشی اور بیعت

66. 212

آپ نے اپنے موقف میں تبدیلی فرمائی تھی، جس کا مفصل بیان آگے اپنی جگہ پر آئے گا۔ ہمارے بہت سے سئی بھی اس بات سے بدکتے ہیں۔ مگر حقیقت حقیقت ہے جسے جوش، جذبے اور نعروں کی بلکار و لکار سے جھٹایا نہیں جاسکتا۔ مگر جی کڑا کر کے الگے صفحات کا ایک بار ضرور مطالعہ فرمائیں، بفضلہ غلط پروپیگنڈے کے بادل چھٹ کر مطلع صاف ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

قارئین! پہلے بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے، اب ایک مرتبہ پھر اس بات کی وضاحت کر دینانا مناسب نہ ہوگا کہ بعض کتب میں امیر معاویہ رض کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ جن سے ان کی تتفیص ظاہر ہوتی ہے، لیکن اسی باتوں کو ذہن میں لانے سے پہمیز کرنا چاہیے، کیونکہ حضرت امیر معاویہ رض جماعتِ صحابہ رض کے ایک اہم رکن تھے۔ آپ رض کی صحابیت سے صحابہ و اہلبیت رض تابعین اور ائمہ اربعہ و ائمہ دوازدہ رض اور حاملینِ حدیث و سنت کے کسی افراد کو بھی اختلاف نہیں رہا۔ انھیں صحابہ رض کی صفت سے خارج کرنا سراسر ہٹائی اور سمجھی ناتمام اور لا حاصل ہے۔ یہ بات نہ بھولیں کہ قرآن و حدیث نے صحابہ رض کا جو مقام بیان کیا ہے یہ نظریہ اور سوچ اس کے یکسر منافی ہے، نیز آپ رض کے خلاف منفی حوالے مستند تو ارنخ کے مقابلے میں وارد ہونے کی وجہ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، علاوہ ازیں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب کسی صحابی کے بارے میں دو متصاد بیانات یا نظریات ملیں تو اس بیان اور نظریے کو اختیار کرنا چاہیے جس سے ان کی حیثیت محروم نہ ہوتی ہو۔ بلکہ اگر ان کی شان سے بعيد کوئی قول ملے تو اس کی ایسی تاویل کرنی چاہیے جس سے ان پر کوئی حرفاً نہ آئے۔ کیونکہ صحابہ و اہلی بیت رض کا احترام ملحوظ رکھنا ہمارا جزا ایمان ہے۔ دراصل صحابہ پر حرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف اللہ پر حرف ہے، یعنی بات بہت دور چلی جاتی ہے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے عام مصنفوں، مضامین

نگار اور داعظین و ذاکرین کرام ان اہم اور بنیادی باتوں کی جانب توجہ نہیں کرتے، یا ان حقیقت طراز اور قابل توجہ نکات کی جانب ان کا مخصوص ذہن اور تنگ مزاج مائل نہیں ہوتا۔ کوئی ایک بات ضرور ہے۔

اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "منہاج الشیعہ" شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" قاضی ابو بکر کی "العواصم" مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوئی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خلافت راشدہ" اور دیگر بہت سے رائخ علماء کی کتب موجود ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ یا برائے راست علمائے رائخین سے تبادلہ خیال کریں، بفضلہ فائدہ ہوگا اور شکوک و شبہات کا غبار مھٹ جائے گا۔ مولانا حافظ صلاح یوسف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت" مولانا حکیم عبدالرحمن بدولیہ کی "امیر المومنین معاویہ رحمۃ اللہ علیہ"، مولانا مفتی احمد یار خاں گجراتی کی "امیر معاویہ رحمۃ اللہ علیہ"، مولانا عبد الشکور لکھنؤی، مولانا اللہ یار (جہلم)، مولانا محمد صدقیق (فیصل آبادی)، مولانا نور الحسن بخاری، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا محمد نافع، مولانا مہر محمد میانوالوی کی روح پرور کتب کا مطالعہ بھی خوب رہے گا۔ متفقہ میں و متاخرین کی اور بھی بہت سی کتب ہیں جن کی بابت اہل علم سے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ گھسی پٹی تقریروں اور تحریروں پر اور آباء و اجداد کے رنگارنگ اور سیئیت لائیں سے متفاون نظریات پر اکتفا کرنے کی بجائے وسیع النظری سے اپنے دائرة معلومات میں ہر ممکن اضافے کی کوشش فرمائیں۔ اور یہی اہل علم کے شایان شان ہے۔ جب تنگ نظر و تنگ ظرفی سے دور ہو کر مطالعہ فرمائیں گے تو بفضلہ ہربات حقیقت کی آنکھوں سے نظر آئے گی اور جملہ اشکالات و حجابت آپ سے آپ اٹھ جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

### امیر معاویہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

ماہ ربیعہ 60ھ میں حضرت امیر معاویہ رحمۃ اللہ علیہ بیمار پڑ گئے۔ آپ نے انتقال سے

۶۷۔ یزید کی جائشی اور بیعت

214

پہلے یزید کو بلایا اور وصیت فرمائی، وصیت کے اہم حصے یہ ہیں:

”اے یزید! ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خلافت کا یہ معاملہ تمہارے پسرو ہوا ہے، اور اب تم ان تمام معاملات پر با اختیار ہو جن پر میں تھا..... لوگوں کے ساتھ نرم بر تاؤ کرنا۔ اگر ان کی طرف سے تمہارے لیے تکلیف ہے اور تنقیص آمیز با قسم سرزد ہوں تو ان سے چشم پوشی کرنا..... خبردار!! صالح اور بزرگوں کا ہمیشہ خیال رکھنا، ان کے ساتھ تو ہیں اور سکبر سے پیش نہ آنا..... جب کسی کام کا ارادہ کرو تو نیک، پر ہیز گار، عمر سیدہ اور آزمودہ کار لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنا..... ہر وقت مستعد رہنا، اپنے لشکر کی حفاظت رکھنا، نیز اپنے آپ کی اصلاح کرتے رہنا..... اپنے متعلق لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا ہرگز موقع نہ دینا، کیونکہ عام لوگ عیب جوئی میں بڑے جلد باز ہوتے ہیں..... نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا..... یاد رکھو! اہل کمہ و مدینہ کے عز و شرف پر آج چ نہ آنے دینا..... مختلف بلاد سے آنے والے وفد کے ساتھ اچھا بر تاؤ کرنا..... بدخواہوں اور چغل خوروں کو اہمیت نہ دینا۔“<sup>①</sup>

اس کے علاوہ سیدنا اسیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ اپنی تجهیز و تکفین کے بارے میں وصیتیں کیں، یہ ہے آپ کا اصل وصیت نامہ۔

گر مقام افسوس ہے کہ عام مسنونین نے اپنی کتب میں دوسرا وصیت نامہ لکھ دیا ہے کہ جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت مجرور ہوتی ہے۔ وہ نمونہ بھی دیکھ لیجئے:

”یزید! میں نے تمہارے لیے سارے میدان ہموار کر دیے ہیں، تمہارے خلاف بھی صرف چار آدمیوں کا خطہ ہے، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زیر اور حسین بن علی۔ بس آخری دونوں کا خیال رکھنا، حسین رضی اللہ عنہ“

① البداية والنهاية: 8/230.

بزرگ بیزید کی جائشی اور بیعت

215

کو لوگ تمہارے مقابلے میں لا کھڑا کریں گے، تم ان کی قرابت کا لحاظ رکھنا،  
لیکن اگر باز نہ آئیں تو قتل کر دینا وغیرہ وغیرہ۔“

مگر یہ وصیت نامہ ابو مخنف شیعہ کا خود تراشیدہ ہے، صحیح وہی ہے جو پہلے بیان  
ہو چکا ہے۔ اور بعض نے آپ ﷺ کا ایک اور وصیت نامہ بھی لکھا ہے، مگر اس میں بھی  
گزبر ہے، اس میں صحیح کے ساتھ غلط کی ملاوٹ کرنے کے علاوہ چاہک وستی کا مظاہرہ  
کیا گیا ہے، ہم وہ وصیت نامہ بھی لکھ دیتے ہیں:

”اے بیزید! تم اہل حجاز کی عزت کرنے اور ان کے حقوق کی حفاظت و ادائیگی  
میں کوئی کسر اٹھانہ رکھنا۔ کیونکہ یہی لوگ دین کی جڑ اور بنیاد ہیں۔ اور عراق  
والے اگر ہر روز ایک امیر طلب کریں۔ تو ان کا مطالبہ پورا کرنا اور اہل شام  
کے ساتھ محبت اور عمدہ سلوک رکھنا۔ قریش میں حسین بن علی، عبد اللہ بن زیر  
اور عبد اللہ بن عمر ؓ سے خبردار رہنا۔ حسین بن علیؑ کے متعلق میرا خیال  
ہے کہ عراقی لوگ ان کو خروج پر اسکا کمیں گے۔ اگر ایسا ہو اور تم حسین پر غلبہ  
پاؤ تو عفو و درگذر سے کام لینا کیونکہ وہ قرابت دار بھی ہیں اور ان کا حق بھی  
بہت ہے۔ عبد اللہ بن عمر کو تو عبادت سے فرصت نہیں ہے وہ شاید تمہارے  
خلاف نہ اٹھیں۔ لیکن عبد اللہ بن زیر سے ہوشیار رہنا۔ اگر وہ بغاوت کریں تو  
قتل کر ڈالنا اگر صلح کر لیں تو مصالحت کر لینا اور جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو  
خوزریزی سے محفوظ رکھنا۔“<sup>①</sup> اور ”تاریخ طبری“ میں ہے کہ امیر معاویہ ؑ  
نے عبد اللہ بن زیرؑ کو چالاک لومڑی سے تشیہ دی۔

ہمارے مقررین اور مضمون نگاروں کو ایسی محل نظر اور غیر معیاری باتوں کے بیان  
سے، خصوصاً جن سے صحابہ یا اہلیت ؑ کی پوزیشن مجرور اور شخصیت و اندار ہوتی ہو،

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/ 118-119.

۱۰۶۔ یزید کی جائشی اور بیعت  
مکمل پر ہیز کرنا چاہیے۔

۲۱۶

### امیر معاویہ علیہ السلام کا انتقال

وصیت کرنے کے بعد امیر معاویہ علیہ السلام نے 22 ربیعہ 60ھ میں وفات پائی۔<sup>۱</sup>  
جب حضرت حسین علیہ السلام نے ان کی رحلت کی خبر سنی تو دونوں ہاتھ اٹھا کر مغفرت کی دعا  
کی اور فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے وہ بڑے بلند مرتبہ آدمی تھے اور بہت سی خوبیوں  
کے مالک تھے۔“<sup>۲</sup>

حضرت امیر معاویہ علیہ السلام کی مندرجہ بالا وصیت پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں  
نے یزید کو حضرت حسین علیہ السلام کے بارے میں ہر طرح کی اذیت دی اور بے حرمتی سے  
ہر قسم کی سختی سے باز رہنے اور ان پر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھانے کی تاکید کی تھی۔

اس بات کی مسلم، غیر مسلم سب شہادت دیتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ علیہ السلام  
بہترین مدمر اور ممتاز سیاستدان تھے۔ ملکی حالات پر خوب نظر رکھتے تھے۔ اپنی سیاسی  
تجربہ کاری اور بصیرت الہی سے انہوں نے معلوم کر لیا کہ حسین علیہ السلام لوگوں کے  
درغلانے اور بھڑکانے سے حکومت یزید کے مقابلے میں اٹھیں گے۔ مگر انہوں نے یزید

۱) یہ 22 ربیعہ دی تاریخ ہے کہ جس میں کھنوکے الی تشیع نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام کے  
کونڈے بھرنے شروع کئے۔ اور صحابی رسول حضرت امیر معاویہ علیہ السلام کی وفات کی خوشی میں لوگوں سے  
چھپ چھپ کر طوف پوری پانچھ لگے۔ جن کی دیکھا دیکھی ہمارے سیدھے سادھے سختی بھی کونڈے  
بھرنے لگے..... حالانکہ 22 ربیعہ کا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ سرے سے کوئی تعلق ہی  
نہیں۔ یہ دن تو حضرت امیر معاویہ علیہ السلام کا یوم وفات ہے۔ الی سنت کوہش کے ناخن لینے چاہئیں۔  
اور اس دن کونڈے بھرنے بھر کر ”صحابہ دشمن تحریک“ میں حصہ نہیں لیتا چاہیے۔ علمائے حق کو کھانوں پر گرنے  
کے بجائے ایمانی جرأت سے کام لے کر کلمہ حق بلند کرتے رہنا چاہیے۔ یہی ان کے شایان شان ہے۔  
اللہ توفیق مرحمت فرمائے۔ آمين ۲) البداية والنهاية، مختصرًا: 143/8.

بیزید کی جائشی اور بیعت

217

کو تنبیہ کی کہ اگر وہ ایسا کریں تو تم بہر صورت درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ ہمارے قرابت دار اور رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں..... لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بیزید سے کہا تھا کہ جب بھی موقع ملے انھیں قتل کر دینا..... وہ لوگ دراصل تاریخی حقائق سے بے خبر ہیں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہتان لگاتے ہیں اور غالباً ان عظیم ہستیوں کو اپنے موجودہ لوگوں جیسا سمجھتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعی پروپیگنڈے کا شکار ہیں اور اپنا ذہن صاف نہیں رکھتے۔ کچھ لوگ تعصُّب کے دام میں گرفتار ہیں، کچھ لوگ تاریخی حقائق پر صحیح نظر نہیں رکھتے اور محض لکیر کے فقیر ہیں، کچھ دوست مقام صحابیت سے نا آشنا ہیں اور انھیں مطلق یہ معلوم نہیں کہ قرآن و حدیث نے اصحاب رسول ﷺ کا کیا مقام بتایا ہے۔<sup>①</sup> اور بعض کو آل ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف ذہن رکھنے کی بدولت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرے سے کوئی خوبی نظر ہی نہیں آتی۔ خوبیاں بھی عیب دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ جہاں نفرت اور سوئے ظن کو دخل ہو، وہاں بھلا کوئی خوبی کیسے نظر آ سکتی ہے؟

قارئین! اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے محبوب صحابی تھے، اور قرآن حکیم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جوشان بتائی ہے، یقیناً امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس کے مستحق ہیں، حضور اکرم ﷺ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ صرف عظمت بیان فرمائی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا بھی فرمائی، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ اجْعِلْهُ هَادِيًّا مَهْدِيًّا وَاهْدِيهِ»

اس سلسلے میں ”مناقب صحابہ و اہلیت نبی ﷺ“ پر ہماری منفرد و ممتاز تری کتاب منتظر عام پر آنے والی ہے۔ اس پر کام ہو رہا ہے جس کا اسلوب الگ اور انداز یہاں منفرد ہو گا۔ یہ کتاب بفضلہ الکریم قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے عجیب دلائل اور دلکش نکات پر مشتمل مطالعہ کے لائق ہو گی۔

۔ بیزید کی جائشی اور بیت

218

”اے اللہ! معاویہؓ کو راہنمائی کرنے والا اور ہدایت پانے والا بنا اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت کی توفیق عطا فرماء۔“<sup>①</sup>

دوسری جگہ فرمایا:

«اللَّهُمَّ عِلْمْكَ الْكِتَابَ وَمَكِنْ لَكَ فِي الْبِلَادِ وَوَقِهِ الْعَذَابَ»

”اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اللہ کا علم عطا فرماء اور انھیں دیار و امصار میں شوکت و قوت عنایت فرماء اور عذاب سے محفوظ فرماء۔“<sup>②</sup>

حضرت حسنؑ آنحضرتؑ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

«لَا تَذَهَّبُ إِلَيْ أَيَامٍ وَاللَّيَالِيِ حَتَّى يَمْلِكَ مُعَاوِيَةُ»

”ایام ہائے لیل و نہار کی گوش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہؓ خلیفہ نہ ہو جائیں۔“<sup>③</sup>

صحابہؓ و تابعینؓ کی نگاہ میں بھی امیر معاویہؓ کا ممتاز مقام تھا۔ اور کیوں ممتاز نہ ہوتا، جبکہ خود سرورِ کوئینؓ نے ان کی شان و منقبت بیان فرمائ کر لوگوں کو ان کے ادب و احترام پر توجہ دلائی۔ اور دیگر صحابہؓ کی طرح ان کی محبت و تعظیم کو بھی سب کے لیے فرض واجب قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جس کی بنا پر جملہ صحابہؓ حضرت امیر معاویہؓ کو بڑا مقام دیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت فاروقؓ عظمؓ کے سامنے کسی نے معاویہؓ کی عیب جوئی کی تو آپ نے فرمایا:

”قریش کے اُس جوان کی بُرائی مت بیان کرو جو غصے کے وقت ہوتا ہے، اور

① جامع الترمذی، المناقب، باب مناقب معاویة بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ، حدیث: 3842. ② المعجم الكبير للطبراني: 439، حدیث: 1066، وتهذیب تاریخ دمشق: 7/25، وابن عدی فی الكامل: 1810/5، البدایة والنہایة: 1218. ③ البدایة: 131/8.

۶۰۔ یزید کی جائشی اور بیعت

219

جو کچھ اس کے پاس ہے بغیر اس کی رضا مندی کے حاصل نہیں کیا جاسکتا، یعنی ان سے بزور بازو کچھ نہیں لیا جاسکتا، اور اس کے سر پر پڑی چیز کو حاصل کرنا چاہو تو اس کے قدموں میں جھکنا پڑتا ہے۔<sup>①</sup>

حافظ ابن کثیر رض نے حضرت علی رض کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

«أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَنْكِرُهُوا أَمَارَةَ مُعاوِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَوْ فَقَدْتُمُوهُ رَأَيْتُمُ الرُّءُوسَ تَنْدُرُ عَنْ كَوَافِلِهَا كَأَنَّمَا الْحَنْظُلُ»

”اے لوگو! تم معاویہ رض کی امارت و حکومت کو ناپسند نہ کرو، کیونکہ اگر تم نے انھیں گم کر دیا تو تم دیکھو گے کہ سراپے کندھوں سے یوں کٹ کر گریں گے جیسے حنظل پھل اپنے پودے سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔“<sup>②</sup>

یعنی ان کی عدم موجودگی میں عام قتل و غارت شروع ہو جائے گی۔

امن عباس رض کا قول ہے: ”میں نے معاویہ رض سے بڑھ کر سلطنت اور حکومت کے لائق کسی کو نہ پایا۔“<sup>③</sup>

حضرت عمر رض نے جب حص کی گورنری سے عمير بن سعد رض کو معزول کر کے امیر معاویہ رض کو متعین کیا تو کچھ لوگوں نے امیر معاویہ رض کے بارے میں باقیں کیس، عمر رض نے انھیں ڈالنا اور فرمایا:

«لَا تَذَكِّرَا مُعاوِيَةَ إِلَّا بِخَيْرٍ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ مُصَلِّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ اهْدِنِي»

”معاویہ رض کا جب بھی ذکر کرو اچھا ذکر کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

الاستیعاب 3/377، مطبوعہ مصر۔ ② البداية والنهاية: 8/131، ونهج البلاغة: 3/836.

البداية والنهاية: 8/135، والكامل لأبن الأثير: 4/5.

۲۲۰۔ بیان و جائزیت اور بیعت

۲۲۰.

سن، آپ ﷺ فرماتے تھے: ”اے اللہ! اے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔“<sup>۱</sup>

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”میں نے معاویہ بن ابی شہبہ سے بڑھ کر سیاست و قیادت کے لائق کسی کو نہیں پایا۔“<sup>۲</sup>

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ما رأيْتُ أَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ أَفْضَلَ مِنْ صَاحِبِ هَذَا الْبَابِ يَعْنِي مُعاوِيَةً“

”میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو معاویہ بن ابی شہبہ سے بڑھ کر حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں پایا۔“<sup>۳</sup>

قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ما رأيْتُ أَحَدًا أَعْظَمَ حِلْمًا.....“

”میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو معاویہ بن ابی شہبہ سے بڑھ کر بردبار، سیاست کے لائق، باوقار، نرم دل اور نیکی میں ان سے زیادہ ہو۔“<sup>۴</sup>

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور عدل سے کون واقف نہیں، تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں کبھی کسی کو کوڑوں کی سزا نہیں دی مگر ایک شخص کو آپ نے کوڑوں کی سزا دی، کیونکہ اس نے حضرت امیر معاویہ بن ابی شہبہ کے متعلق زبان درازی کی تھی۔<sup>۵</sup>

حضرت عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ امیر معاویہ بن ابی شہبہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ؟ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا، اور فرمایا:

<sup>۱</sup> جامع الترمذی، المناقب، باب مناقب معاویہ بن أبي سفیان: 3843. <sup>۲</sup> البداية والنهاية: 135/8.

<sup>۳</sup> البداية والنهاية: 133/8. <sup>۴</sup> البداية والنهاية: 8/135، وتاريخ الخلفاء، ص: 149.

<sup>۵</sup> الاستیعاب: 3/383.

«وَاللَّهِ، إِنَّ الْغُبَارَ الَّذِي دَخَلَ فِي أَنْفِ فَرَسٍ مُعَاوِيَةَ مَعَ رَسُولِ  
اللهِ أَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ وَالْفَلَّ مَرَّةً»

”اللہ کی قسم! امیر معاویہؑ حضور ﷺ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے رہے عمر بن عبدالعزیزؑ تو اس غبار کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے جوان کے گھوڑے کی ناک میں یڑا۔ اور وہ ان سے ہزار بار افضل ہے۔“<sup>①</sup>

آپ کا مطلب یہ تھا کہ امیر معاویہ رض صحابی رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رض سے بہت بلند مرتبہ ہیں۔

احف بن قیس رض حلم و بردباری میں بہت مشہور تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ زیادہ حلمیم و بردبار ہیں یا امیر معاویہ رض؟ آپ نے فرمایا:

”تم سے بڑا نادان کوئی نہیں دیکھا، معاویہ میں قدرت رکھتے ہوئے بردبار تھے اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بردبار ہوں۔ میں ان سے کیسے بڑھ سکتا ہوں؟“

مشہیر اسلام کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو رائے تھی اس کی چند جملے کیاں آپ نے ملاحظہ کیں۔ علاوه ازیں یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی اور قریبی رشتہ دار، یعنی ام المؤمنین حضرت ام جبیہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے، گویا اس اعتبار سے آپ خالِ اُسلمین (مسلمانوں کے ماموں) تھے اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی رشتہ دار بھی تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تھے دادا عمد مناف سے نسب میں مل جاتے ہیں۔

خالص کامپیوٹر آن سسی میں ممتاز مقام رکھتے تھے، اعلیٰ اخلاق اور

علات است که ایک تجربہ حلسوں کے شکار فریض تھے، کہ اس کے کثافت خواہ

۲۰۷۳-تھ-غرض-جیا لکھا ہے اس کو کہ یاد گز نہ بنت کی گلگ-کچھ کان

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/139، وبستان المحدثين، ص: 45.

بزرگ بزرگ کی جائشی اور بیعت  
انہجاں اونچا مقام دیتے تھے۔

ہاں، اس بات سے انکار نہیں کہ حضرت علیؓ کا آپ ﷺ سے سیاسی مجاز پر اختلاف رہا، لیکن بڑے لوگوں کے مابین نظر یہ، سوچ، فکر، سیاست اور ترجیحات وغیرہ میں اختلاف رونما ہو جاتا کوئی انہوںی اور ناممکن بات نہیں۔ بالخصوص جہاں طرفین عالی دماغ ہوں، عموماً اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس قاعده کے مطابق ان عظیم ہستیوں میں اختلاف واقع ہوا۔ جسے اشتعال پسند لوگوں نے ہوا دی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں بزرگ اپنی اپنی جگہ مغلص تھے اور صحیح نیت رکھتے تھے، یہ اختلاف پیش آمدہ مسئلہ میں فکر اور سوچ کا اختلاف تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا موقف تھا پہلے قاتلین عثمانؓ کو کیفر کردار تک چہنجا کیں، پھر حکومت چلا کیں، حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ پہلے میری حکومت قدم جمالے، پھر میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص لوں گا، بزرگوں کا اپنا اپنا موقف تھا، جو اپنی اپنی جگہ صحیح تھا۔ اور اس پر وہ برا بر قائم رہے، ان کی نیت میں کوئی فرق نہ تھا۔ بہر حال ہم تو یہی کہیں گے کہ یہ ان کا اپنا اپنا اجتہاد تھا۔ اور ان کے اس اختلاف کو اجتہادی اور فکری اختلاف کہا جائے گا، باہم کافی فرق ہونے کا باوجود دونوں فقیہ تھے، دونوں بڑے عالم تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ مغلص تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ مقابلۃ حضرت علیؓ کا مقام و مرتبہ اور علم و فقہ میں پایہ بہت بلند تھا۔

بہر کیف ہمیں دونوں عظیم ہستیوں میں باہم فرق ہونے کے باوصف ان کا ایک سا احترام ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ کسی کے بارے میں ہرگز دل میں میل یا ملال رکھنا روا نہیں۔ اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر حضرت علیؓ ہماری دائیں آنکھ ہیں تو حضرت معاویہؓ ہماری بائیں آنکھ ہیں، اگر حضرت علیؓ ہماری آنکھوں کا تارا ہیں، تو امیر معاویہؓ ہمارے جسم کی راحت ہیں، دونوں بزرگ قوم کی آبرو، ملت کا سرمایہ اور دین کی عظمت و شان ہیں۔ دونوں کا احترام بجالانا ہمارا دینی و مذہبی فریضہ ہی نہیں

بلکہ ہمارا قومی اور ملیٰ فرضہ بھی ہے۔ اس طرح نہ صرف ہمارے درمیان خلیج تفرقة کی وسعتیں کم ہوں گی بلکہ ہمارے چنستان خواں رسیدہ میں بھی بہار آئے گی۔

حضرت امیر معاویہ رض کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں جو نظریات اور جذبات و تاثرات ہیں انھیں اگر آپ ملاحظہ کرنا چاہیں، تو البدایہ والنہایہ: 8/127، مطبوعہ مصر اور جمع الفوائد، صفحہ: 843 وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت امیر معاویہ رض کے اسی فضل و کمال کو دیکھ کر حضرت حسن رض نے آپ سے صلح کر لی تھی، ایک شخص نے اس صلح پر ناروا تقدیم کی، حضرت حسن رض نے فرمایا: (جسے یادو ہانی کے لیے پھر عرض کرتے ہیں، حضرت حسن رض کی عظمت کے اگر ہم واقعی قائل ہیں تو ان کا یہ ارشاد مبارک بھی قابل توجہ و لحاظ ہونا چاہیے):

«لَا تَقْلِلْ ذَاكَ فَإِنَّى سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ: لَا تَذَهَّبِ الْأَيَامُ  
وَاللَّيَالِيَ حَتَّى يَمْلِكَ مُعَاوِيَةُ»

”ایسی بات نہ کر، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے سننا کہ گردش یہ وہ نہار اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہ رض امیر نہ بن جائیں گے۔“<sup>①</sup>

یہ ایک اصل حقیقت ہے کہ حضرت حسن رض نے تخت خلافت، حضرت امیر معاویہ رض کے حوالے کر دیا۔ ازاں بعد ان کی بیعت بھی کی اور انھیں خلیفہ برحق بھی تسلیم کیا، اور اس طرح آنحضرت رض کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی:

”میرا یہ بیٹا (حضرت حسن رض) مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔“<sup>②</sup>

یہ ارشاد بخاری شریف میں بھی ہے اور اسے ملا باقر مجتبی کی کتاب ”جلاء العيون“ میں بھی نقل کیا گیا ہے، اور مقام غور ہے اگر امیر معاویہ رض باصلاحیت اور

<sup>①</sup> البدایہ والنہایہ: 8/131. <sup>②</sup> صحيح البخاری، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسین، حدیث: 3646.

۔ بیوی کی جائشی اور بیعت

224.

باکردار نہ ہوتے تو بھلا حضرت حسن رض جیسا نیک خصال، صاحب بصیرت اور ولیر و ہرجی اور ممتاز بزرگ آپ کو خلافت و امارت سونپ سکتا تھا؟ کیا حضرت حسن رض نعوز باللہ غلط کرتے تھے؟ اہل تشیع تو انھیں معصوم، پاک، یعنی غلطیوں سے محفوظ و مامون اور ”چینجن“ میں سے ایک فرد شمار کرتے ہیں۔ انھیں تو حضرت حسن رض کے فیصلے پر مرسلیم و رضام کر لینا چاہیے۔

حضرت امیر معاویہ رض کے فضائل و حکایت کے سلسلے میں متعدد احادیث، اقوال اور واقعات موجود ہیں، جو بیان کیے جاسکتے ہیں، مگر ہمارا مقصد ان اقوال و واقعات کا استقصاء و احاطہ نہیں بلکہ ہمارا مقصود اپنے ان بھولے بھٹکے احباب کے قلوب واذہان کو صاف کرنا ہے، جو مخالفین و معاندین صحابہ رض کے ناروا پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حضرت امیر معاویہ رض کے بارے میں عداوت و نفرت کے فتح اور جلنے کئے جذبات رکھتے ہیں۔ اور اس رو میں بڑے بڑے ”داناؤ بینا“ بنتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا دکھ ہے۔ لیکن ہمیں جملہ صحابہ و اہل بیت رض کا حد درجہ احترام بجالانا چاہیے۔ اور ان کے ساتھ پوری عقیدت رکھنی چاہیے۔ ہماری اسی میں خیر ہے، ورنہ بھاری خسارہ ہے۔ مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی بریلوی کے مشہور بزرگ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے براہ راست فیض یافتہ اور شہرہ آفاق عالم و مفسر حضرت مولانا سید نعیم الدین بریلوی مراد آبادی کے ماں ناز شاگرد ہیں، اپنی لا جواب کتاب ”امیر معاویہ رض“ میں کیا خوب تحریر فرماتے ہیں۔ ہم عام برادران البست کے استفادہ کے لیے وہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

”نبی ﷺ آئینہ خدا نما ہیں اور حضور ﷺ کے اصحاب ﷺ آئینہ رسول ﷺ نما، خدا کو پیچانا ہے تو حضور کو جانو اور مانو۔ اور حضور کو جانتا اور مانتا ہے تو ان کے انصار و مہاجرین ﷺ کو مانو۔ یہ بھی خیال رہے کہ نبیوں میں سے ایک نبی

یا پنیبر کا انکار سارے پنیبروں کا انکار ہے..... اسی طرح ایک صحابی کا انکار، اہل بیت اطہار میں سے کسی ایک بزرگ سے سرتالی در پرده تمام صحابہ کرام ﷺ اور سارے اہل بیت ﷺ کا انکار ہے۔“

”آج مشاہدہ ہو رہا ہے کہ جس دل میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عداوت پیدا ہوئی تو اس کا انجام یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ اس میں اہل بیت اطہار ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ تمام ہی کی نظرت پیدا ہو گئی۔ اور سب پر زبان طعنہ دراز کرنے لگے۔ اس پر زمانہ ماضی و حال شاہد عدل ہے۔“

”خوارج: یہ لوگ سیدنا علی مرضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے سپاہی اور آپ کے جان شار تھے۔ آپ پر جان و مال قربان کرتے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح فرمائی تو بعض لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عناد کے جوش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنفر ہو گئے۔

روافض: یہ مدعاں محبت اہل بیت بھی بعض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیماری میں گرفتار ہیں۔ اور اس بیماری کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات اہل بیت اطہار سے در پرده تنفر ہیں..... فی زمانہ بہت سے سنی کہلانے والے بزرگ بعض معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیماری میں گرفتار ہیں۔ اہل دل حضرات اس حالت پر خون کے آنسو روئے ہیں۔ اس رسالہ (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) میں ان سنی حضرات سے خطاب ہے جو کچھ غلط فہمیوں کی بنا پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بد دل ہیں اور ان کی عظمت کے انکاری ہیں۔<sup>①</sup> (اللہ کرے ہمارے سنی بریلوی احباب اور کچھ نہیں تو اپنے حکیم الامم حضرت مفتی صاحب کی حکمت بھری با تین ہی سمجھ لیں۔ مصنف)

① کتاب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ص: 11,7-6.

## یزید اور اس کی حکومت

یزید کے بارے میں ہم چیچے لکھے چکے ہیں کہ شروع ہی سے اس کے خلاف زبردست اور مظالم پر و پیگنڈہ کیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ یزید نا اہل اور نالائق تھا، معاملاتِ حکومت کی خدمت نہ رکھتا تھا، زانی تھا، شرابی تھا، جواہر لیتا تھا، کتوں سے پیار کرتا تھا، بڑا جلد باز اور ظالم تھا، گانے بجانے کا رسایا تھا۔ اس نے بندرا پال رکھتے تھے، تارک صوم و صلوٰۃ تھا، کبھی جہاد پر نہ گیا تھا۔ آنے والے کو شراب پیش کرتا تھا، بڑے بڑے صحابہ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شراب پیتے دیکھا۔ نوجوان عورتیں اس کی صحبت میں رہتیں۔ اس قسم کے اس کے خصائی بیان کیے گئے اور اس کی ظاہری شکل و صورت کو بھی حد درجہ بگاڑ کر پیش کیا گیا، کہ حکیم و شحیم اور ہنقا کلتا تھا، تو نہ لکی ہوئی تھی، چہرہ مکروہ تھا، رنگ کالا اور چہرے پر چیپک کے داغ تھے، جسم بالوں سے اٹا ہوا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

قارئین! عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ صحیح سچی اور راہ لگتی بات کی جائے، کسی کے جوش محبت میں آ کر تعریف کے پل نہ باندھے جائیں، اور جوش نفرت و عناد میں آ کر نوک زبان و قلم پر غلط بات نہ لائی جائے بلکہ ہمیشہ وہ بات کہی جائے جو مبنی بر حقیقت ہو، بیٹک یہ کام بڑا مشکل ہے مگر اسی میں عظمت ہے، اور یہی قرآن انصاف ہے۔

یہاں کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم یزید کے دکیل یا موکید ہیں۔ اور اسے صحابہ و اہلبیت صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل مانتے ہیں۔ افضل تو بہت دور کی بات ہے، ہم یزید کو ان کے کسی فرد کے ہم پلہ بھی نہیں جانتے، ہم بر ملا کہتے ہیں ہزار یزید ایک طرف، اکیلے حسین صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری طرف، ہزار یزید مل کر بھی تنہا حسین ابن حیدر صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پلہ تو کبا، ان کی کف پا کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ جو بات زیر موضوع ہے ادھر توجہ فرمائیے، ان عظیم ہستیوں کی فضیلت پر قرآن ناطق ہے، وہ سب کے سب مرحوم و مغفور ہیں، ان کی عظمت و

۶۰۔ یزید کی جائشی اور بیعت

۲۲۷

بزرگی کی شہادت قرآن کریم میں جا بجا ملتی ہے۔ اللہ نے اپنے کرم سے ان کی غلطیاں معاف فرمادی تھیں۔ اور وہ سب کے سب بلندی کے بہت ہی اوپنے مرتبے پر فائز تھے اور فائز ہیں اور ان کی عظمت کا پرچم قیامت تک لہرا تا رہے گا۔ قارئین! بات کو ذرا سمجھنے کی کوشش کریں۔ جہاں تک یزید کی ذات کا تعلق ہے یہ ان ابرار و اخیار صحابہ رض کی پہ نسبت بہت پیچھے اور عظمت میں ان سے بہت پیچے ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ ایسا بھی نہیں تھا جیسے ناروا پروپیگنڈے نے مشہور کر رکھا ہے کہ وہ زانی و شرابی اور فاسق اور فاجر تھا اگر وہ زانی و شرابی اور فاسق و فاجر ہوتا تو امیر معاویہ رض کو رہنے دیجیے ایک طرف۔ کیونکہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ باپ کی اپنے بیٹے کے حق میں صفائی معتبر نہیں ہوتی (لیکن کسی صحابی اور اہلبیت کے کسی فرد کے بارے میں یہ موقف درست نہیں، اس لیے کہ وہ سب کے سب نہایت سچے اور نہایت عادل تھے اس کے باوصف یزید کے بارے میں دوسرے اعیان و اصحاب رض کی شہادتیں اور ریمارکس بھی ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کیا تھے۔ پیشک یزید مصوں ہے نہ محفوظ، نہ حضرت حسین رض جیسا آئینڈیل بلکہ اسے حضرت حسین رض کے کوئی نسبت ہی نہ تھی، چہ نسبت خاک را..... مگر حقائق وہ بھی تو نہیں جو کتابوں میں بھروسے گئے ہیں اور جو منابر و مجالس میں دہراتے جاتے ہیں۔ آپ اتنا تو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت حسن رض نے امور خلافت حضرت امیر معاویہ رض کے پروردگاریے تھے۔ اور امیر معاویہ رض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رض کے معتمد علیہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف دور خلافت راشدہ میں عظیم حکمران اور بہترین کنٹرولر مانے جاتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رض کے بیان میں آپ ان کا ذکر پڑھ چکے ہیں، اعادے کی ضرورت نہیں۔ پھر امیر معاویہ رض نے اپنے اجتہاد و بصیرت، ملکی حالات کو اعلیٰ طریق پر قائم رکھنے کے لیے اپنے بیٹے میں استعداد و صلاحیت دیکھتے ہوئے اسے حکومت کے لیے موزوں پایا۔

مقام غور ہے! تقویٰ و ورع اور چیز ہے مگر کنٹرولنگ پاور (Controloing Power) اور چیز ہے۔ جن مسلمانوں نے بشمول صحابہ و اہل اہلبیت ﷺ، یزید کی بیعت کی وہ بھی انجان، ڈرپوک یا کمزور ایمان نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے اس دور کے حالات دیکھتے ہوئے سراطاعت خم کیا تھا۔ انہوں نے امیر وقت یزید کی نہ صرف خود تائید و حمایت کی بلکہ دوسروں کو بھی ہچکچاہٹ سے روکتے رہے۔ اس وقت یزید کے بارے میں برے تاثرات نہیں تھے، کیونکہ یزید کی اس وقت کی سیرت و کردار اور بسالت و شجاعت سب کے سامنے تھی۔ اور یہ باتیں مستند تاریخی کتب میں موجود ہیں۔ جنہیں ارباب تحقیق و دانش نے تسلیم کیا ہے۔ یزید کو فاسق و فاجر کہنے کا مطلب واضح الفاظ میں اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ یزید کے حامی و موید کافرنیہیں تو منافق اور فاسق و فاجر ضرور تھے۔

شیعہ ذہن یہی ہے۔ اور دکھ ہے کہ بہت سے سنی بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہیں۔ کوئی پانچ برس ہو رہے ہیں لاہور کے ایک ڈاکٹر مولوی محمود صاحب بریلوی نے ”امام حسینؑ اور یزید کے وکیل کتاب“ لکھ کر ہمارا مؤقف سمجھے بغیر اپنی طرف سے جواب دیا ہے۔ لیکن بعض جگہ شاید خون کا دباو ہونے کی وجہ سے قلم پر قابو نہیں رہا۔ موصوف اگر عالم ہیں تو انداز عالمانہ شان سے دور ہے۔ وہ کتاب ابھی ابھی ہم نے دیکھی ہے۔ اب آپ سمجھے چکے ہوں گے کہ یزید کا یہ غلط خاکہ کیوں پیش کیا گیا؟ اس کے خلاف اس زبردست اور بے جا پروپیگنڈے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ محض اس لیے کہ یزید امیر معاویہؓ کا فرزند تھا اور ابوسفیانؓ کا پوتا تھا اور حسینؑ اس کی بیعت سے گریز فرماتے تھے، کیونکہ آپ خود کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ (سوئے اتفاق) حضرت حسینؑ کی اس کے دورِ خلافت میں شہادت واقع ہوئی تھی۔ اگر یہ باتیں نہ ہوتیں اور کم از کم شہادت حسینؑ اس کے عہد میں واقع نہ ہوئی ہوتی تو پھر غالباً یزید کی سیرت اور صورت میں یہ خامیاں دکھائی نہ دیتیں۔

تاریخ ہونے کی بات نہیں یہ سب عناد و بغض اور منفی پروپیگنڈے کے کر شے ہیں۔ حقیقت اور عدل و انصاف کا دامن چھوڑنے سے اکثر یوں ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں نے کتب کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ شمامہ بن اثیل رض نے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان جذبات کا اظہار کیا: ”اسلام سے قبل میرے نزدیک محمد ﷺ پورے کرہ ارضی میں سب سے بُرے اور مکروہ انسان تھے (استغفر اللہ ثم استغفر اللہ ..... معاذ اللہ) لیکن اسلام لانے کے بعد اس کی نگاہ میں حضرت محمد ﷺ پورے عالم رنگ و رُؤ میں سب سے اچھے اور حسین و دلبر ہو گئے ہیں۔”<sup>①</sup>

یہ امر واقع ہے کہ عقیدت یا نفرت کی وجہ سے غور و فکر اور سوچ و بچار کی سب قدریں بدل جاتی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رض جب مسلمان ہوئے تو یہود کو علم نہیں تھا، تو نبی ﷺ نے یہود سے دریافت کیا کہ بتاؤ، عبد اللہ ابن سلام تم میں کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: ”سب سے اچھا ہے، اچھے کا بیٹا ہے۔“ مگر یہی ابن سلام رض جب ان کے سامنے کلمہ پڑھتے ہوئے آئے تو سب نے کہا: ”سب سے بُرًا ہے اور بُرے کا بیٹا ہے۔“ یہ سب عقیدت اور نفرت کے کر شے ہیں، ہمیں ہر حال میں ایسی بات کرنی چاہیے، جو کچی صاف اور مبینی برحقیقت و انصاف ہو۔

حکم قرآنی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ قَوْالَهُ وَقُولُوا قُولًا سَدِيدًا**

”اے ایمان والو! ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کرو۔“<sup>②</sup>

مزید ارشاد ہے: **فَاعْدُلُوا وَلَوْ كَانَ ذَاقْرُبًا**

<sup>①</sup> صحیح البخاری، المغازی، باب وفد بنی حنیفة و حدیث شمامہ بن اثیل، حدیث 4372، وصحیح مسلم، الجهاد والسریر، باب ربط الأسریر وحبسه، حدیث: 1764.

<sup>②</sup> الأحزاب: 70:33

”پس ہمیشہ عدل سے کام لو، اگرچہ کوئی تمہارا کتنا ہی قربی ہو۔“<sup>①</sup>

ان مثالوں سے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی سے نفرت یا عقیدت کی وجہ سے اس کا برآ خاک، خلاف واقعہ اور بھونڈ ا نقشہ نہیں کھینچنا چاہیے اور بعض و عناد کی وجہ سے کسی کی کردارگشی کرنا عقلاء اور اصحاب دیانت کے نزد یک ہرجگہ ناروا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بے شک ہمیں بڑی محبت اور بے حد عقیدت ہے اور ہونی چاہیے۔ آپ کا بہت اعلیٰ اور ممتاز مقام ہے، سب درست، سب صحیح، جیسا کہ ہم اسی کتاب میں باحوالہ بیان کرچکے ہیں اور یہی ہوتا چاہیے مگر ہم محسن اس لیے یزید کا جھوٹا خاک کے پیش کریں اور غلط نقشہ کھینچیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، اور اس کے عہد میں شہید ہوئے تھے، یہ بھی تو قریں انصاف نہیں۔ جہاں تک آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت اور درجہ و برتری کا تعلق ہے اس میں کوئی شک ہے نہ شک کی گنجائش۔ ہماری ذاتی رائے بھی بے شک یہی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید سے بدر جہا بہتر و افضل تھے اور یہیں، حسین رضی اللہ عنہ کے والد یزید کے والد سے اعلیٰ، حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ یزید کی والدہ سے بلند تر اور حسین رضی اللہ عنہ کے محترم و مکرم نانا جان ملکیہ یزید کے نانا سے بہر پہلو اشرف و اعلیٰ اور ساری تخلوقات کے سردار تھے۔ یزید تو رہا ایک طرف، کائنات میں کسی کے نانا کو حسین رضی اللہ عنہ کے گرامی منزلت ناہا جان ملکیہ سے کوئی نسبت ہی نہیں، لیکن یزید اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باب پ بیٹے دونوں ایسے بھی نہیں تھے جیسا انھیں بتایا اور باور کرایا جاتا ہے۔ بلکہ مستند کتب تاریخ بتاتی ہیں کہ یزید کا خاندان بھی اچھا تھا اور اس کی صورت و سیرت بھی عمدہ تھی۔۔۔ آئیے کچھ او جھل باتیں بھی دیکھیں، پڑھیں اور تصور یہ کا دوسرا رخ بھی دیکھیں۔ علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

① الأنعام، 6: 152.

”بیزید کی ولادت سے قبل اس کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآ آمد ہوا ہے، خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ ان کے ہاں فرزند پیدا ہوگا، جو امارت و سیاست اور اولو العزمی میں درجہ کمال حاصل کرے گا۔“<sup>①</sup>

علامہ ابن کثیر رض اسی کتاب کے ص 145 پر بیزید کی والدہ میسون رض جو کہ سردار مخول بن انیف کلبی کی بیٹی تھیں، کے بارے میں لکھتے ہیں:

«وَكَانَتْ حَازِمَةً عَظِيمَةً الشَّاءْنِ جَمَالًا وَرِيَاسَةً وَعُقْلًا وَدِينًا»

”میسون رض بڑی محاط اور حسن و جمال، ریاست و سرداری، ذہانت و ذکاوت اور دین میں اعلیٰ و رجہ رکھتی تھیں۔“

حضرت زید بن حارثہ رض، حضرت وحیہ رض، حضرت واکل رض اور حضرت قطن رض اسی قبیلہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے، یہ قبیلہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رض کی تبلیغی مساعی کی بدولت اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوا تھا۔ میسون رض کے قبیلے بنی کلب سے حضرت ابن عوف رض، حضرت عثمان رض، حضرت حسن رض اور حضرت حسین رض نے رشتہ داریاں قائم کی تھیں۔ حضرت حسین رض کو اپنی کلبیہ بیوی رباب سے بہت محبت تھی، جس کا ذکر البدایہ والنهایہ 8/209 میں موجود ہے۔ میسون رض صاحب تقوی خاتون تھیں، ان کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ حلال و حرام کا بہت خیال رکھتی تھیں۔<sup>②</sup>

علامہ ابن کثیر رض اسی میسون رض کے نکاح اور بیزید کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

«فَتَزَوَّجَهَا مُعاوِيَةُ فَوَلَدَتْ لَهُ بْنَ مُعاوِيَةَ فَجَاءَهُ دَيْكَيَا حَادِقًا»

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/80. <sup>②</sup> کتاب مذکور: 145.

بِرَيْدٍ كَيْ جَانِشِنِي اُور بِعْتَ

”حضرت معاویہ بن ابی ذئب نے میمون بن شہنشاہ سے شادی کی اور ان سے بیزید پیدا ہوا،  
جو ذکری اور سریع الفہم تھا۔“<sup>①</sup>

اور یہ حوالہ بھی قبل ازاں مذکور ہو چکا ہے:

”بِرَيْدٍ حَلِيمٌ وَكَرِيمٌ، دَلَّا وَرَبَّهَا دَارٌ، صَاحِبٌ تَدْبِيرٍ، خَوْشٌ أَخْلَاقٌ اُور حَسَنٌ وَجَمِيلٌ تَحَفَّا۔“<sup>②</sup>

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی ذئب نے بیزید کے اوصاف حمیدہ کو دیکھ کر فرمایا تھا:

”إِفَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي وَاللَّهُ! مَا قُلْتُهَا لِأَحَدٍ قَبْلَكَ“

”میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم!“<sup>③</sup> ”إِفَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي“ کے الفاظ میں نے آپ سے قبل کسی کے لیے استعمال نہیں کیے۔

حضرت سعید بن مسیب بن ابی ذئب نے بیزید اور امیر معاویہ بن ابی ذئب دونوں کو خطیب اسلام کہتے تھے، الفاظ یہ ہیں:

”خُطَبَاءُ النَّاسِ فِي الْإِسْلَامِ مُعَاوِيَةُ وَابْنُهُ.....“<sup>④</sup>

اس کی توثیق علامہ ابن الحدید شیعہ نے بھی کی ہے، لکھتے ہیں:

”كَانَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا شَاعِرًا“

”بیزید خطیب اور شاعر تھا۔“<sup>⑤</sup>

ظاہر ہے خطابات کے لیے علم کے ساتھ جوش و جذبہ اور شاعری کے لیے ادب میں مہارت کی ضرورت ہے۔ اور یہ وہ بات ہے کہ جس کا شیعہ عالم بھی اقرار کر رہا ہے۔  
گویا بیزید میں دونوں خوبیاں تھیں۔

بیزید کے جو اشعار ہم نے دیکھے ہیں ان میں جوش، اعتدال، ادب اور فصاحت

① البداية والنهاية: 80/8. ② البداية والنهاية: 230/8. ③ أنساب الأشراف بلاذری: 3/4.

④ البداية والنهاية: 8/311. ⑤ شرح ابن أبي الحدید: 2/824.

بدرجات موجود ہے، کوئی شعر لفظاً و معناً معيار سے فروتنہیں ہے۔  
اہل اسلام بیزید کے سری آرائے خلافت ہونے سے قبل بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

بیزید نے تین مرتبہ لوگوں کو حج کرایا اور امیر حج کے فرائض بھی انجام دیئے اور عرب میں یہ منصب اہم شخصیت ہی کو دیا جاتا تھا، چنانچہ امام ابن کثیر رض لکھتے ہیں:

«الْحَجَّ بِالنَّاسِ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ فِي سَنَةٍ.....»

”بیزید نے لوگوں کو 51ھ، 52ھ اور 53ھ میں حج کرایا۔”<sup>①</sup>

بیزید کے محاسن کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں جن کا اپنے وقت پر ذکر آئے گا۔  
جن کتب میں بیزید کے معاہب و مثالب کا ذکر ہے، انھوں نے سنی سنائی با تین نقل کی ہیں، تحقیق سے کام نہیں لیا۔ حضرت علامہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حضرت معاویہ رض عمر و بن العاص رض اور بیزید، ولید، اور مروان کی ندمت میں جھوٹی اور وضعی (گھری ہوئی) روایات ہیں۔”<sup>②</sup>

امام ابن کثیر رض فرماتے ہیں: ”ابن عساکر نے بیزید کی ندمت میں جس قدر روایات بیان کی ہیں:

«كُلُّهَا مَوْضُوعَةٌ لَا يَصْحُّ شَيْءٌ مِّنْهَا»

”وہ سب خود تراشیدہ ہیں، ان میں ایک بھی درست نہیں۔”<sup>③</sup>

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت سے کون آشنا نہیں آپ تو یہاں تک فرماتے ہیں:

«أَمَّا التَّرَحُّمُ عَلَيْهِ فَجَائزٌ بَلْ هُوَ مُسْتَحِبٌ.....»

”بیزید کے لیے بیش کہنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور بیزید تو ہماری ہر نماز کی دعا:

① البداية والنهاية: 229/8. ② موضوعات كبير، ص: 106. ③ البداية والنهاية: 8/231.

بیوں بیزید کی جائشی اور بیعت

۶۳۴

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ میں داخل ہے، «فَإِنَّهُ كَانَ مُؤْمِنًا» کیونکہ وہ  
مُؤْمِن تھا۔“

یہ حوالہ البدایہ والثہایہ میں درج ہے۔ اور ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں:

وَمَنْعَ مِنْ شَتْمِهِ وَلَعْنِهِ لِأَنَّهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ يَثْبُتْ بِأَنَّهُ رَضِيَ بِقَتْلِ  
حُسَيْنٍ“

”امام غزالی رضی اللہ عنہ نے بیزید پر سب و تبر اکرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان  
تھا اور یہ ثابت نہیں کہ وہ حسین بن علیؑ کی شہادت سے راضی تھا۔“<sup>①</sup>

بیزید کے بارے میں یہ جو عوام بلکہ کثیر خواص کی زبان پر ”فاسق و فاجر“ کے الفاظ  
ہیں، یہ الفاظ حضرت حسین بن علیؑ نے بھی باوجود بیزید سے اختلاف رکھنے کے استعمال نہ  
کیے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت حسین بن علیؑ کو بیزید کی بیعت سے اس لیے انکار تھا کہ وہ  
خلافت کے لیے باپ کی بیٹی کے حق میں نامزدگی کو درست نہ جانتے تھے، علاوہ ازیں  
آپ بن علیؑ خلافت کے لیے خود کو بیزید سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ  
افضل کے ہوتے ہوئے مغلوقل یعنی غیر افضل خلیفہ اور امیر نہیں بن سکتا اور حالات  
سے لگتا ہے حضرت حسین بن علیؑ کا ارادہ خود اسلامی قلمرو سنبھالنے کا تھا اور ان کے ذہن  
میں جو خاک تھا اسے نافذ کرنا چاہتے تھے۔ وہ بہ نسبت بیزید کے اپنے آپ کو حکومت و  
امارت کا زیادہ اہل، موزوں اور حقدار جانتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اور آپ یہ  
بھی سمجھتے تھے کہ خلافت ہمارے ہی خاندان میں دائرہ و مرکوز رہنی چاہیے۔ اس بارے  
میں حضرت حسین بن علیؑ کے صریح الفاظ پیش ک نہ ملتے ہوں مگر آپ کی جملہ مساعی و تدابیر  
اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ بھی آپ کی فکر اور اجتہاد تھا۔ اور اجتہاد میں خط و صواب

① ابن حلکان: 2/449.

235

بیت اور یہتی جائشی

دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ احتماؤں میں غلطی کے موقع کا کسی صاحب علم کو انکار نہیں۔ نہ اس میں مجھ تک کی کوئی اہانت ہے۔ آپ نے یزید کو فاسق، فاجر، بے دین، زانی اور شرابی..... وغیرہ کبھی نہیں سمجھا، نہ کہا۔ اس سلسلے میں کوئی معتبر حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی کے پاس کوئی مستند اور ٹھوس حوالہ ہو تو پیش کرے، ہم شکریے کے ساتھ قبول کریں گے۔ اور یہ بات بھی متحقق اور ثابت شدہ ہے کہ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام نے جہاد قسطنطینیہ میں یزید کے زیر کمان شرکت فرمائی تھی، ملاحظہ ہو، البدایہ والنہایہ ج 150، 151، جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت حسین صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام جب وشیت کر بلماں میں محصور ہو گئے تو آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو، میں خود اس کی بیعت کروں گا، آپ کے الفاظ مبارک یہ ہیں:

«فَأَضَعْ يَدِي فِي يَدِهِ»

<sup>①</sup> ”میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دوں گا۔“

اگر کسی دوست کو الفاظ کی صحت میں شبہ ہو تو کتاب میں دیکھ لے۔ اور اگر ہمارے ترجمہ میں شک ہو تو خود ترجمہ کر لے۔

تلخیص الشافی شیعہ احباب کی معتبر کتاب ہے، مطلب یہ کہ شیعہ سنی دونوں کی کتب میں یہ حوالہ موجود ہے۔ اس لیے خواہ مخواہ کسی دوست کو پیش کردہ بات کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ مگر یہ کہتے جانا ”میں نہیں مانتا“ اس کا تو کوئی علاج نہیں۔

اس طرح کے حوالہ جات پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وس علیہ السلام بھی یزید کو فاسق و فاجر نہیں جانتے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک اگر یزید ایسا ویسا ہوتا جیسا کہ باور کرایا جاتا ہے، تو آپ ہرگز اس کے زیر کمان جہاد پر نہ نکلتے۔ اور پھر جب

① ابن خلدون: 2/104، وتلخیص الشافی أبو جعفر طوسی، ص: 471.

بیوں بیوں کی جائشی اور بیعت

236

سفر کوفہ میں محصور ہو گئے تھے تو یہ بھی نہ کہتے کہ ”مجھے یزید کے پاس جانے دو، میں خود مسئلہ طے کرلوں گا اور یزید کی بیعت کروں گا۔“ بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ یزید کو مومن سمجھتے تھے۔ ورنہ فاسق، فاجر، زانی، شرابی اور کافر کی بیعت چہ معنی دارو؟ اور یزید کی خلافت سے جو آپ کو اختلاف تھا، وہ از قبیل اجتہاد تھا جس کی وضاحت ہم کرچکے ہیں۔ نبی کے علاوہ ہر ایک کی ذاتی سوچ و فکر اور اجتہاد میں دونوں احتمال پائے جاتے ہیں اور یہ کوئی انوکھی اور اننی بات نہیں بلکہ یہ دور نبوی سے ہوتا آیا ہے۔ اس سے کسی بزرگ کی شان میں کوئی تنقیص (کمی) واقع ہوتی ہے نہ حرف آتا ہے۔ شیعہ سنی دونوں کی کتب فقہ میں ایسے محتمل اقوال کی کثیر مثالیں موجود ہیں۔

سیدنا حضرت زین العابدین رض کے یہ الفاظ بھی یزید کی پوزیشن کو واضح کرتے ہیں:

”وَصَلَّى اللَّهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَأَحْسَنَ جَزَاءً“

”اللَّهُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ (یزید) پر رحمت بھیجے اور انہیں نیک جزا عطا فرمائے۔“<sup>①</sup>  
کہیے حضرت زین العابدین رض جیسا عظیم، اور ع والقی واعبد الناس شخص کسی شرابی وزانی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کر سکتا ہے؟

حضرت امیر معاویہ رض کے انتقال کے انتقال کے بعد یزید نے تخت خلافت پر متمكن ہوتے ہی ایک خطبہ دیا، یہ خطبہ یزید کی شخصیت اور عوام کے تاثرات کو واضح کرتا ہے، خطبہ یہ ہے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي مَا شَاءَ صَنَعَ، مَنْ شَاءَ أَعْطَى وَمَنْ شَاءَ مَنَعَ.....“

” تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس کو جو چاہتا ہے دیتا ہے جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ وہ جس کو چاہے ذلیل کرے،

① طبقات ابن سعد اردو: 5/220 و بلاذری: 39/4، الإمامة والسياسة، ص: 218.

جس کو چاہے سر بلند کرے۔ معاویہ بنی عاصی اللہ کی ایک رسی تھے، اللہ نے جب تک چاہا اسے دراز رکھا اور جب چاہا اسے قطع کر دیا۔ آپ اسلاف سے کمتر اور اخلاف سے بہتر تھے، میں اللہ کی بارگاہ میں ان کی صفائی نہیں کر رہا، وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے، وہ انھیں معاف کرے تو اس کی مہربانی ہے اور اگر موآخذہ کرے تو کوتا ہیوں کا بدلہ ہے۔ ان کے بعد مجھے امور خلافت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ میں جہل سے عذر نہیں کرتا اور علم کی طلب سے ما یوں نہیں۔ آپ لوگ سنبھل کر رہیں، اللہ جسے ناپسند جاتا ہے اسے بدل دیتا ہے، اور جس چیز کو پسند کرتا ہے اسے آسان بنا دیتا ہے۔<sup>①</sup>

لوگ جب یہ خطبہ سن کر واپس ہوئے تو بہ طابق امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ: «وَهُمْ لَا يُفَضِّلُونَ عَلَيْهِ أَحَدًا» "لوگ (امیر وقت یزید کے خطاب سے) اس قدر متعال ہوئے کہ وہ اس پر کسی اور کو ترجیح نہ دیتے تھے۔"<sup>②</sup>

یہ ترجیح نظم حکومت کے سلسلے میں تھی نہ کہ علی الاطلاق ترجیح تھی۔ مطلب یہ کہ ان کے خیال میں یزید امارت و خلافت کے لیے موزوں ترین آدمی تھا اس سے زیادہ موزوں اور کوئی نہیں تھا۔ اس وقت اگرچہ تقویٰ و ظہارت اور خشیت و انابت میں اور بھی بڑی بڑی شخصیتیں شہرہ رکھتی تھیں لیکن نظم حکومت چلانے اور اس وقت کے ابتر حالات کو بہتر بنانے اور شورشوں کو دبانے کے لیے تقویٰ کے ساتھ ساتھ کسی پاور فل کثرہ کی ضرورت تھی جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، بس اس لیے حضرت امیر معاویہ بنی عاصی نے اپنے بیٹے یزید کا نام پیش کیا اور تقریباً بہت بھاری اکثریت نے اُسے قبول کیا۔ یزید میں کوئی شرعی عیب اور نقص بھی نہیں تھا جیسا کہ پا دلائل آپ پڑھ چکے ہیں، اور وہ امیر معاویہ بنی عاصی جیسے امام السیاست کا بیٹا ہونے کے ناتے سے اصول جہاں بانی

<sup>①</sup> العقد الفرید: 2/378. <sup>②</sup> البداية والنهاية: 8/143.

66. 238

بیوں کی جائشی اور بیعت

سے کافی حد تک آگاہ تھا۔ وہ تقویٰ میں پیشک صحابہ شیعہ و تابعین ریشم جیسا نہ تھا، مگر اس کا علمی و عملی پایہ کوئی گرا ہوا بھی نہ تھا جیسا کہ قدیم پروپیگنڈے کی بنا پر عوام میں یہ بات عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ شیعہ اور دیگر اہل اسلام نے اسے بلا خوف، بلا جرو اکراہ، برضا و رغبت منتخب کر لیا۔

عظیم محدث و فقیہ حافظ عبدالغنی مقدسی رضی اللہ عنہ خلافت یزید کے بارے میں فرماتے ہیں:

«قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: بَايَعَهُ سِتُّونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ مُحَمَّدٍ  
مِنْهُمُ ابْنُ عُمَرَ»

”بعض علماء کے مطابق سانحہ صحابہ شیعہ نے یزید کی بیعت کر لی تھی جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔“<sup>①</sup>

جہاں تک یزید کی بیعت کا تعلق ہے، وہ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں استصواب رائے سے تقریباً ہو چکی تھی۔ لیکن پھر دوبارہ بیعت ہوئی، اور غالب اکثریت نے بیعت کر لی۔ اس کا ذکر بلاذری: 4/4، الامامة والسياسة: 1/202، البدایہ: 8/148، تاریخ طبری اردو: 5/181 میں موجود ہے۔

البته قین قابلی ذکر اصحاب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے پس و پیش کیا۔ بعض مؤرخ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کا نام بھی بتلاتے ہیں، لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی۔<sup>②</sup>

اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ خلافت یزید سے چند برس قبل ہی انتقال کر

<sup>①</sup> طبقات الحنابله لابن رجب۔ <sup>②</sup> البلاذی: 4/4، الامامة والسياسة: 1/202۔

چکے تھے۔<sup>①</sup>

اور پہلے تین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا نے بھی بیعت کر لی تھی۔ تقویٰ، پر یہیز  
گاری اور پایندی شرع میں آپ ﷺ کا پایہ مسلم ہے۔<sup>②</sup>

باقی رہ گئے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما انہوں نے بیعت نہ  
کی، بلکہ یزید کی مخالفت کی۔

علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

«بَايَعَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَصَمَّمَ عَلَى الْمُخَالَفَةِ الْحُسَيْنُ  
وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الرَّبِّيرِ»

”ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت کر لی، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور ابن  
زبیر رضی اللہ عنہما مخالفت پر قائم رہے۔<sup>③</sup>“

موئذن شہیر علامہ ابن خلدون رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

«وَلَمْ يَبْقِ فِي الْمُخَالَفَةِ لِهَا الْعَهْدِ الَّذِي اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْجُمُهُورُ  
إِلَّا ابْنُ الرَّبِّيرِ»

”خلافت یزید پر (عالی جتاب حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بعد) سوائے ابن  
زبیر رضی اللہ عنہما کے سب متفق ہو چکے تھے، اور کوئی باقی نہ رہا۔<sup>④</sup>“

حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا بالآخر راجحان و میلان آپ کے فرمان فاضع یہیدی فی  
یہیدی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ کا یہ راجحان اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور یہ  
حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی پیش کردہ مشہور تین صورتوں میں سے تیسرا صورت تھی، جس کی

<sup>①</sup> تهذیب التهذیب: 6/147، والبداية والنهاية: 8/89. <sup>②</sup> ویکیپیڈیا: صحیح البخاری:

<sup>③</sup> البداية والنهاية: 8/151. <sup>④</sup> مقدمہ ابن خلدون: 176.

اطافت اور بار بیکی تک عام دوستوں کی نگاہ نہیں پہنچ پائی، ورنہ خود سوچیں زیریڈ کے پاس اور کس لیے جانا تھا؟ جو دوست ہماری بات سے اتفاق نہیں کرتے وہ شیعہ سنی معتبر ایک دو کتابوں سے نہیں بلکہ متعدد کتب سے حوالہ جات ملاحظہ فرمایا کر اپنا شبہ دور کر سکتے ہیں۔ زیریڈ کی بیعت کرنے والے اتنے لوگ تھے کہ جن کی صحیح تعداد کا اندازہ ہی نہیں، اور ان میں کثیر صحابہ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن میں دو عشرہ مبشرہ، چودہ اصحاب رضوان، اٹھارہ اصحاب بدرا، پانچ ازواج النبی صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر کبار و صغار 233 صحابہ تھے، یہ کل تعداد 272 ہے۔ ارباب تحقیق نے باقاعدہ نام بنام ان کی فہرست بنائی ہے، اور تابعین کرام صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو شمار ہی نہیں کہ کس قدر تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی حضرت حسین صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقف کی تائید و حمایت نہیں کی تھی۔ نہ آپ کے اجتہاد سے اتفاق کیا، نہ آپ کے ساتھ نکلے، نہ زیریڈ کے مقابلے کو جہاد سے تعبیر کیا، بلکہ اس کے برعکس انہوں نے حضرت حسین صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب صحابہ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے تخلصین و قاشین تھے جنہوں نے اعلاء کلمۃ الحق کے لیے جہاد کیے، قربانیاں دیں، اللہ اور اس کے رسول صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر یوں بچوں کو نچحاور کر دیا، بھرے پڑے گھروں کو نظر بھر کر نہ دیکھا، راہ حق میں جسم چھدوا دیا، گرد میں کٹوا دیں، ہر پریشانی و اذیت اور تکلیف و صعوبت برداشت کی، مگر اسلام کا جھنڈا جھکنے نہ دیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان کے اخلاص کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی قربانی کو بخندہ پیشانی اور بہ طبیب خاطر پیش کرنے سے دربغ نہ کیا۔ بلکہ ایمان و ایقان اور اخلاص و وفا کے پھول نچحاور کرنے میں کوئی کمی اٹھانہ رکھی۔ ان کے زریں کارناموں سے تاریخ کے اور اق آج بھی روشن ہیں۔

ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہ سب لوگ (یعنی صحابہ صلوات اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ اللہ) خوف یا لامخ کا شکار ہو گئے تھے، چنانچہ شیعی کتاب ”الامامة والسياسة“ میں لکھا ہے:

«وَالْقَوْمُ سَكَّوْا، وَلَمْ يَتَكَلَّمُوا شَيْئًا حَذَرَ الْقَتْلِ»

”لوگ مہر بہ لب اور جامد و ساکت رہے۔ اور قتل کے خوف سے کسی نے زبان  
تک نہ کھولی۔“<sup>①</sup>

اہل تشیع کا اصحاب رسول کے بارے میں ایسا منفی پروپیگنڈہ تو قدیم سے ہے، مگر  
افسوں! شیعی پروپیگنڈے سے متاثر بہت سے عوام اور قلیل المطالع اور سطحیت پسند کثیر  
اہل علم بھی شیعہ نہ ہونے کے باوصف کسی حد تک بھی شیعی ذہن رکھتے ہیں۔

اللہ کے لیے کہیے!!! کہ وہ صحابہ کرام ﷺ جو ایمان و تقویٰ کی معراج پر فائز تھے،  
شجاعت و بسالت کا پیکر تھے، سراپا خودداری اور غیرت ایمانی تھے، صداقت و دیانت کا  
نشان تھے، اور جو تلواروں کے سامنے تلنے اوقات زندگی بس رکرتے تھے کیا وہ کسی خوف یا  
لاج میں آ کر بیزید کی حکومت کو تسلیم کر سکتے تھے؟ کبھی نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ اور اس قسم کا  
سارا پروپیگنڈہ دراصل اصحاب رسول ﷺ کے خلاف ایک سازش کے تحت کیا گیا۔  
اور منظم طور پر ہو رہا ہے، جو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سے شروع ہوا اور برابر جاری  
رہا، اور آج بھی کیا جا رہا ہے۔ اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے کچھ سادہ لوح  
مسلمان امر و اقدام اور حقیقت حال کو مطلق طور پر سمجھنے والیں پار ہے۔ اور اسی پروپیگنڈے  
کے بہاؤ میں مسلسل بہتے چلے جا رہے ہیں۔ اور بہاؤ سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں بھی  
نہیں ہلاتے۔

برادران الہست سے عرض ہے کہ اللہ اپنے مطالعے کو وسعت دیں۔ پروپیگنڈے  
پر نہ جائیں۔ یہ دین و ایمان کا مسئلہ ہے۔ شان صحابہ و اہلیت ﷺ کا مسئلہ ہے،  
مہربانی کر کے ذرا سوچ سمجھ کر چلیں، ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ بھی عالم لاشعوری میں اس  
سبائی پروپیگنڈے میں شریک ہو کر ادب کے نام پر بے ادبی اور بد اعتقادی کے

بیکر، یزید کی جائشی اور بیت

242

گھرے گڑھے میں جا گریں۔ یہاں مسئلہ اصحاب رسول ﷺ کے دفاع کا ہے۔ زیادہ نہ سہی کم از کم یہ تو غور کریں کہ اگر یزید کو ”پلیڈ“ باور کرایا جائے تو اس کی تائید کرنے والوں کو پھر کیا کہیں گے.....؟ اس کی بیعت کرنے والوں کو کیا نام دیں گے؟ کبھی سوچا اور غور کیا آپ نے؟ یہ بظاہر معمولی سی بات کہاں سے کہاں تک لے جائے گی؟ رُواہو جمود و تعصُّب کا۔

قارئین! خوب سمجھ لیں ہم یزید کا دفاع نہیں کرتے بلکہ اصحاب رسول ﷺ کا دفاع کرتے ہیں۔ یزید کا دفاع ہم پر فرض ہے نہ واجب، نہ موکَّد ہے نہ مستحب۔ صرف حلق سے آگاہی ہماری اصلیٰ غایت ہے۔ کیونکہ صحابہ و اہل بیت ﷺ کو مورِ الازم ٹھہرا کر مجریین کے کٹھرے میں کھڑا کر دینا ہمیں گوارا ہے نہ برداشت۔ نہ یہ ہمارے لائق ہے نہ شایان شان۔

قرآن مجید صحابہ کرام و اہل بیت عظام ﷺ کے بارے میں ایسے بیہودہ نظریات کی تشویہ کرنا تو رہا الگ، ان کے بارے میں ایک ٹانیے کے لیے بھی تو ہیں آمیز اور منقی پروپیگنڈے کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن مجید ان کی عظمت کا پھر رہرا اور اعلان کرتا ہے:

**[1] أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** “وہ لوگ کامیاب ہیں۔”

**[2] أُولَئِكَ هُمُ الرَّشِيدُونَ** “وہ لوگ ہدایت یافتے ہیں۔”

**[3] فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَلِيُّونَ** “بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔”

**[4] أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًا** “وہ لوگ پکے سچے مومن ہیں۔”<sup>①</sup>

ابرار و اخیر کی ایسی جماعت کہ جن کی منقبت و مدحت عالم الغیب والشهادہ خود بیان کرے، ان کے ایمان اور تقویٰ کا خود اعلان کر کے ان کی تعریف و توصیف کو

① علی الترتیب: الأعراف: 157: 7، الحجرات: 49: 7، المائدۃ: 5: 56، الأنفال: 8: 4.

قرآن مجید کا حصہ بنا دے (سبحان اللہ سبحان اللہ)، وہ بھلاکسی دباؤ یا لالج میں آ کر حق کا ساتھ چھوڑ سکتے تھے؟ ناممکن ناممکن۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

بہر کیف صحابہ و تابعین ﷺ نے کسی خوف یا لالج میں آ کر زیدی کی بیعت نہ کی تھی۔ نہ یہ دباؤ میں آنے والے تھے۔ اور نہ ہی کسی لالج یا کسی دھمکی کو خاطر میں لانے والے تھے بلکہ ان جملہ فرزندان توحید نے برضا و رغبت بیعت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کی تھی۔ یہ دنیا نے اسلام کو خواہ خواہ کی جگہ وجدل کے بھاڑ سے نکال کر اسے امن و سکون کا گھوارہ دیکھنا چاہتے تھے، ان کی نیت نیک تھی، ارادے اچھے تھے، عزم بلند تھے۔ ان کی بیعت ایسی ولیٰ اور خاکم بدہن منافقانہ نہ تھی جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے اور باور کرتے ہیں۔ بلکہ علی وجہ البصیرت تھی، دل کے پختہ ارادے، نیک شیت سے تھی اور قطعاً آزادانہ تھی۔ انہوں نے نہ وہ خاکہ پیش کیا تھا نہ سمجھا تھا جسے آج کل ”حسینیت“ اور ”زیدیت“ کا نام دے کر اچھالا اور امت کو دو متوازی حصوں میں تقسیم کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ ان اسلاف کرام ﷺ نے ایک ذہن کو اسلام اور دوسرے کو کفر و نفاق بنا کر پیش نہیں کیا تھا جو آج کل پیش کیا جا رہا اور باور کرایا جا رہا ہے۔ اللہ کرے اس روشنی کے دور میں لوگ ہر بات کو اسی طرح سمجھیں جس طرح وہ ہے۔ اور ہر تصور کو اسی طرح دیکھیں جس طرح وہ ہے۔ سوچے سمجھے بغیر ”ٹھیک ہے، سب غلط ہے غلط ہے“ کہتے جانا بھی درست نہیں۔ لیکن یہ کام معمولی نہیں بڑی عزیمت اور عظمت کا ہے۔ جو توفیق الہی کے بغیر ممکن نہیں۔



## حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی خلافت سے اتفاق نہ کیا، اور ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید سے کیوں اختلاف کیا، اور اس اختلاف کی نوعیت کیا تھی۔ مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید ظلم ڈھاتا تھا، شعائر اللہ کی پروانہ کرتا تھا، اسلام کی تضییک، صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریر، محدثین کی بے ادبی، اولیاء کی بے حرمتی اس کا دن رات کا معمول تھا۔ تو حید و سنت مفقود ہو چکی تھی۔ سنتیں پامال ہو رہی تھیں، ان حالات کو دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس ظالم اور بے دین حکومت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا، لیکن یہ بات بنانے والے لوگوں سے ہم پوچھتے ہیں! آپ رضی اللہ عنہ اگر اس لیے یزید کی بیعت سے گریز کر رہے تھے کہ یزید فاسق و فاجر، ظالم اور بے دین تھا تو پھر آپ نے اس کے فتن و فجور اور ظلم و بے دینی کا اظہار کیوں نہ فرمایا؟ آپ جیسے بہادر اور نذر کو اظہارِ حقیقت سے کون سا عذر مانع تھا؟

اور بالفرض اگر یزید بے دین اور زندگی تھا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے اصحاب ایمان و تقویٰ نے اس کی بیعت کیوں کی؟ اگر یزید ایسا ہی جرم اور سیاہ کا رہتا تو پھر محمد بن حفیہ، حضرت زین العابدین، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ اصحاب نے اس کی تعریف کیوں کی؟ اور وہ حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی مخالفت سے کیوں منع فرماتے رہے؟ اور اگر یزید ایسا ہی تھا تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے پاس جانے کا ارادہ کیوں فرمایا؟ یہ سب باتیں غور

کرنے کی ہیں۔ اس لمحہ فکر یہ کہ ہم نے تھوڑے لفظی تغیر کے ساتھ اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ دوست ان حقائق پر کچھ غور فرمائیں۔ اگر کسی کے پاس ان سوالات کا کوئی محقق اور متنی برحقیقت جواب ہو تو ہمیں آگاہ فرمائے۔ اگر دلیل میں وزن ہوا، اور صحابہ و اہل بیت ﷺ کی پوزیشن پر کوئی حرف نہ آیا تو تسلیم کر لیں گے۔ لیکن اگر بات نہ بنی۔ تو پھر....؟

ہم متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ یہ بات درست نہیں کہ حضرت حسینؑ کی بیعت اس لئے نہیں کرتے تھے کہ وہ یزید کو فاسق، فاجر، زانی اور زندیق جانتے تھے۔ قرآن، شواہد اور حالات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کا یزید سے اختلاف یہ نہیں تھا جو بتایا جا رہا ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کا اختلاف محض فکری اور اجتہادی نوعیت کا تھا، آپ ﷺ باب کی بیٹی (یعنی امیر معاویہؓ کی یزید) کے لیے نامزدگی سے اختلاف رکھتے تھے، یزید آپ ﷺ اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے، حالات و قرآن کے مطابعہ سے پتہ چلتا ہے اور آپ کا خیال تھا کہ خلافت محض ہمارے خاندان کا حق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کا یہ بھی خیال تھا کہ یزید پوری دنیاۓ اسلام کا خلیفہ منتخب نہیں ہوا۔ یہ سب کا خلیفہ بنا ہے اور نہ بن سکتا ہے۔ لیکن یہ آپ ﷺ کا اپنا نظریہ تھا، اپنی فکر تھی۔

عالیٰ جناب حضرت حسینؑ کے پورے احترام کے ساتھ عرض ہے کہ اس نظریے اور فکر کی واقعات نے تائید کی نہ کسی قابل ذکر شخصیت نے حمایت کی۔ یہ حضرت حسینؑ کا اپنا تلفر، اپنی رائے اور اپنا اجتہاد تھا، جس کا جلد ہی آپ ﷺ کو اندازہ ہو گیا۔ یہی توفیر ہے نبی اور غیر نبی میں۔ غیر نبی اپنی رائے سے قدم اٹھاتا ہے، جبکہ نبی رب کی وجی سے قدم اٹھاتا ہے۔ یہ مقامِ مخصوصیت ہے جو صرف انبیاء ﷺ کو حاصل ہے۔ حضرت حسینؑ کو دنیا جہاں کی ہر فضیلت و شوکت حاصل تھی لیکن آپ

اس کے باوصف بوت کے درجے پر فائز نہ تھے۔<sup>①</sup>

ایک اور بات بھی ہے کہ اہل کوفہ حضرت حسینؑ سے بہت عقیدت و محبت کا اظہار کرتے تھے اور یہ خواہش رکھتے تھے کہ اگر حضرت حسینؑ یا یہاں تشریف لے آئیں تو ہم انھیں اپنا امیر و امام مان لیں گے۔ حضرت حسینؑ کو بھی ان سے حسن طن تھا کہ یہ لوگ اہل بیت کے سچے محبت اور عقیدت گزار ہیں، چنانچہ کوفہ والوں کے پیغمبیر خلیلؐ اور پیغامات آرہے تھے۔ جن کا مفہوم قریب قریب ایک ہی تھا کہ ”اے حسینؑ! آپ جس قدر جلدی ممکن ہو یہاں تشریف لے آئیں، ہم سب آپؑ کے جال شمار اور فرمانبردار ہیں، ہم آپؑ کو اپنا امیر بنالیں گے اور ہرگز آپ کی حکم عدوانی نہ کریں گے.....“

مؤمن سادہ ہوتا ہے۔ یہ حضرت حسینؑ کی سادگی تھی یا حد سے زیادہ حسن ظنی یا پھر نوشہ تقدیر ہی ایسا تھا کہ آپ نے ان مکاران و بے وفایان و شاطران کوفہ کے احوال اور سابقہ ریکارڈ پر توجہ نہ فرمائی یا آپ کی نگاہ مبارک ادھر منعطف نہ ہوئی۔ اور آپ ان کے پیغامات اور خطوط پر سو فیصد اعتماد کر بیٹھے۔ حضرت حسینؑ نے کوفیوں کو سچا، باوفا، اطاعت شعار، اور عقیدت مند یقین کر لیا جبکہ کوئی اندر سے ایسے نہ تھے۔ آپ کے ذہن میں جو خاکہ بظاہر نظر آ رہا تھا وہ یہ تھا کہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنی حکومت قائم کر چکے ہیں۔ ابن زبیرؓ حضرت حسینؑ کی طرح حد درجہ عابد، زاہد اور صاحب علم و تقویٰ تھے۔ بیشک ان دونوں بزرگوں کی عبادت، زہد، تقویٰ اور صحابی رسول ہونے کے ناتے سے شان اور فضیلت یزید سے بہت زیادہ تھی۔

① ملائکہ بھی مخصوص ہوتے ہیں مگر ان کی اور نبی کی مخصوصیت میں فرق ہے۔ انبیاءؑ جنہیں بشر سے ہوتے ہیں اور ان میں وہ تمام خواص ہوتے ہیں جو جنس بشر میں پائے جاتے ہیں مثلاً غم، غصہ، عجلت اور دیگر خواص۔ لیکن ملائکہ کی یہ سب باقی مرضی مولیٰ کے تابع ہوتی ہیں۔

بلکہ یزید کو ان بزرگوں اور دیگر سب صحابہ علیهم السلام سے بھی کوئی نسبت نہ تھی۔ مگر جیسا کہ آپ پچھے پڑھ پکھے ہیں کہ مصر، شام، عراق کی تقریباً 56 لاکھ مردیں میل پر پھیلی ہوئی وسیع و عریض مملکت جواناڑی اور طوائف الملوکی کا شکار ہو چلی تھی، جس کے سمندروں میں ارتعاش، ہواؤں میں زہرناکی، دریاؤں میں طوفان، فضاوں میں قتوطیت، چشموں اور آبشاروں میں یاس، حالات میں ابتری تھی اور جگہ جگہ گروہ بندیاں اور جنگیں تھے۔ اور جس مملکت میں اگر ایک طرف اصحاب رسول سید ہے سادے مسلمان اور پر اس شہری تھے تو دوسری طرف رواضخ و خوارج اور منافقین کے کمپ تھے۔ ان حالات سے نہیں کے لئے کوئی اسی طرح کا زور آتا اور اور کار حکومت چلانے کے لئے سخت گیر، اور کسی حد تک تجربہ کار آدمی چاہیے تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغ سے حضرت امیر معاویہ علیہ السلام کی صورت میں معین کر دیا تھا۔ علاوه ازیں جب یہ حقیقت اور قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ اللہ کے علم و حکم کے بغیر درخت کا کوئی پتہ گرتا ہے، نہ آندھی کا کوئی ذرہ اٹھتا ہے، نہ دریاؤں میں جوش آتا ہے، نہ سمندر متلاطم ہوتے ہیں، نہ بگولے اٹھتے ہیں، نہ موجیں نکراتی ہیں، نہ زمین لرزتی ہے، نہ پہاڑ کا پتے ہیں، نہ باول گرتے ہیں، نہ بجلیاں کونتی ہیں، نہ بحری پیڑے کنارے لگتے ہیں، نہ جہاز غرقاب ہوتے ہیں، نہ ندیاں جاری ہوتی ہیں، نہ چشمے ابلتے ہیں، نہ پہاڑ لاوا اگلتے ہیں، نہ شہاب ثاقب فضا کو چیرتے ہیں، نہ سیارے مدار میں گھومتے ہیں، نہ شمس و کواکب حکمتے ہیں، نہ ماہتاب آنکھ پھولی کرتا ہے، نہ سبزہ لہکتا ہے، نہ پھول مہلتے ہیں، نہ آسمان سے صحاب رحمت برستا ہے، نہ زمین کے نیچے سے فوارے ابلتے ہیں۔ غرض کائنات کا حسن و بہار، باغ و راغ کی گلفشانیاں اور عطریزیاں، نیم و شیم کے جھونکے، سبک باد خرام کی اٹھکلیاں، مرغان خوش نما کی چہک، گلہائے رنگارنگ کی مہک، خلاق عالم کی شان رحیمی و قیومی کے دم قدم سے وابستہ ہے۔ ہر ذرے، ہر لہر، ہر تپھیرے، غرض ہرشے، ہرشے کی ہر

حرکت میں قادر و علیم کا علم و حکم اور قدرت و اختیار کا فرما ہے۔ یہی مطلب ہے ان آیات قرآنی کا **إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** ①

**يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ** ② **يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** ③

**وَاللَّهُ عَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** ④

اب آئیے ذرا تاریخ کے اوراق زرین پلٹنے اور بتائیے ..... آنحضرت ﷺ کے سر اقدس پر تاج ختم نبوت سجانے والا کون ہے؟ آپ ﷺ کو انبیاء و مرسیین اور جمیع تخلوقات اور کل تخلوقات سے زیادہ شان عطا کرنے والا کون ہے؟ حضور ختنی مرتبت ﷺ کے متصل بعد خلافت و نیابت کا بوجھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ڈالنے والا کون ہے؟ ان کے بعد بہ ترتیب خاص حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تخت خلافت پر متسکن کرنے والا کون ہے؟ ⑤ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب خلافت منتقل کرنے والا کون ہے؟ پھر چند ماہ بعد ادھر سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک خلافت پہنچانے والا کون ہے؟ ..... اسلامی قلمروں کو کسے، مدینے سے اور جزیرہ عرب سے نکال کر شام، عراق، مصر بلکہ افریقہ کے قلب تک پہنچانے والا کون ہے؟ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ، تک علی الترتیب چاروں خلفاء کو مرتبہ شہادت دینے والا کون ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقتول ہونے سے بچانے والا کون ہے؟ حاصل کلام یہ کہ رب تعالیٰ نے اپنے علم و حکم سے جسے مناسب سمجھا خلافت عنایت کر دی اور جسے موزوں جانا خلافت کے ساتھ شہادت بھی دے دی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو خلافت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت دے دی۔ اختلاف کا ہر ایک کو حق حاصل ہے مگر ہمارا اپنا

① البقرة: 20. ② البقرة: 253. ③ البقرة: 2. 117. ④ یوسف: 2. 21:12. ⑤ ہماری تازہ ایمان افروز اور لا جواب کتاب "خلافت راشدہ" کا مطالعہ فرمائیں۔

میلان، رحمان اور طبعی ذوق، عالی مقام حضرت حسینؑ کی طرف ہے کہ خلافت ہے آپ کو ملنی چاہیے تھی کیونکہ آپؑ کی اس کے پورے اہل تھے۔ یا کسی اور بزرگ کو جو برادر است رسول کریمؐ سے فیض یافتہ اور کار حکومت چلانے اور ان ناگفته ہے حالات کو قابو میں لانے کی الہیت اور اپنے کمال فن سے آراستہ ہوتا۔ اس وقت حسینؑ کا ہم پاہ اور کوئی تھا بھی نہیں۔ لیکن آخری کتاب کا آخری فیصلہ ارشاد قرآنی ہے:

﴿وَمَا تَشَاءُ مِنْ إِلَّا أَنْ يَعْلَمَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾<sup>①</sup>

آیت کا مفہوم کسی نے یوں بیان کیا ہے کہ  
ع ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

بہر حال خلافت خلافت ہے اور شہادت شہادت۔ خلافت کا اپنا مقام ہے اور شہادت کا اپنا۔ محض خلافت شہادت کے درجے کو نہیں پاسکتی، قرآن مجید میں شہید کی باہت ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ﴾<sup>②</sup>

﴿وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا...﴾<sup>③</sup>

الله تعالیٰ نے یہ کہہ کر اس کی رفتہ شان کو دو بالا کر دیا، لیکن یہ خصوصیت ہر خلیفہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کو خلافت ملی، لیکن شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ اور اگلے چاروں خلافائے عظامؓ کو بشمول حضرت حسنؓ متصب خلافت بھی مل گیا اور مرتبہ شہادت بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ان پر خصوصی انعام اور خصوصی فضل و کرم تھا کہ انھیں دونوں مناصب و مراتب نصیب ہو گئے۔ ﴿وَذَلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾<sup>④</sup>

<sup>①</sup> التکریر: 29. <sup>②</sup> البقرة: 154. <sup>③</sup> المائدۃ: 54. <sup>④</sup> البقرة: 169.

سے یہ رتبہ بلند ملا جسے بھی مل گیا

ہر مدعا کے واسطے دار و رسن کہاں؟

دوسری بات یہ ہے کہ جس کے حق میں اللہ کا جو فیصلہ تھا وہ ہو چکا، جس کو خلافت ملنا تھی وہ مل گئی، جس کو شہادت ملنا تھی وہ مل گئی، اور جس کو خلافت اور شہادت دونوں ملنا تھیں وہ مل گئیں۔ اب بعد والے مسلمانوں کا باہم الجھنا، اور پہلوں کو مطعون کرنا سراسر بے مقصد، بے مطلب، بے فائدہ اور لا حاصل ہے۔ جس طرح پانی کو بلوٹنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ایسی بحثوں میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یعنی ان پر سب و شتم کرنے اور طعن کرنے کا کوئی مقصد ہے نہ فائدہ نہ ثواب، بلکہ الثانیگناہ اور عذاب ہے جو خواہ نزاہ واجب ہو جاتا ہے۔

لکتنا عبرت آموز ہے یہ ارشاد قرآنی:

۱۷۳۴ ﴿۱۷۳۴﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ دَخَلْتُ هَاهَا مَا كَسَبُتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ .

”یہ لوگ تھے جو گزر چکے، ان کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ کر چکے، اور تمہارے لئے وہ کچھ ہے جو تم کرو گے، ان کے اعمال اور تگ و تاز کے بارے میں تمہیں مطلقاً سوال نہ ہو گا۔“<sup>①</sup> اور یہ ارشاد ساتھ ساتھ دو مرتبہ آیا۔

اور لکتنا یاد رکھنے کی لائق ہے یہ فرمان نبوی:

الاَتَّسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَلُوا إِلَىٰ مَا قَدَّمُوا ॥

”فوت شدگان کو گالی نہ دو کیونکہ وہ جو کام کر کے گئے وہ اس کی سزا یا جزا کو پہنچ چکے ہیں۔“<sup>②</sup>

<sup>①</sup> البقرة: 141:2. <sup>②</sup> صحيح ابن حبان: 7/290، حدیث: 3021، سنن دارمی: 311/2، حدیث: 2511.

251

حضرت حسین علیہ السلام اور یزید

فوت ہونے والوں میں انہیاں علیہما السلام بھی ہیں ان کے بعد صحابہ و اہل بیت علیہم السلام اور پھر ان کے بعد والوں کا درجہ ہے، جو اپنی جگہ بہت بلند ہے۔

بس ہمیں اپنے اپنے عقائد اور اعمال کو نبوی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ صحابہ یا اہل بیت علیہم السلام کی شان میں مندا بولنے سے نہ ایمان سلامت رہتا ہے نہ اعمال محفوظ رہتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں کا خساراً ہے۔ ہمیں اپنی قوم اور نسل کو نقصان و خساراً سے بچانا چاہیے نہ کہ ان پیچاروں کو اس سے دوچار کرنا چاہیے۔

حضرت حسین علیہ السلام، چیخھے بیان کردہ وجوہات کی بنا پر، برابر اپنے موقف پر قائم رہے اور بڑے بڑے صحابہ علیہم السلام آپ کو سمجھا رہے تھے مگر آپ کسی کے مشورے پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ہر آدمی کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے، آپ کا بھی اپنا مزاج تھا، وہ اپنی جگہ بڑا قابل قدر اور لائق تھیں تھا، اور یہ بھی اپنی جگہ پر درست ہے کہ آپ اپنی رائے اور سوچ کو سولہ آنے درست سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام نے اس سلسلے میں کسی سے مشورہ لیا، نہ کسی کے مشورے پر توجہ فرمائی بلکہ برابر اپنی رائے پر قائم رہے۔ حضرت ابوسعید خدري علیہ السلام مشہور صحابی ہیں، فرماتے ہیں:

«غَلَبَنِي الْحُسَيْنُ عَلَى الْخُرُوجِ وَ قُلْتُ لَهُ: إِنَّ اللَّهَ فِي نَفْسِكَ  
وَأَلَّمْ بَيْتَكَ وَلَا تَخْرُجْ عَلَى .....»

”حسین علیہ السلام مجھ پر خروج کے حوالے سے غالب آگئے (وہ اس طرح کہ) میں نے ان سے کہا: اللہ سے ڈرو، اور آرام سے گھر میں رہو، اور اپنے امام (یزید) کے خلاف خروج نہ کرو (مگر آپ علیہ السلام نہ مانے اور یزید کے خلاف نکل پڑے)“

پھر حضرت حسین رضا<sup>ؑ</sup> اور یزید

252

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سب ان کی جلالت سے آشنا ہیں، وہ فرماتے ہیں:

«أَغْلَبَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلَىٰ بِالْخُرُوجِ وَفِي أَبِيهِ وَأَخِيهِ عِبْرَةً»

”حسین شیخوں نے ہم پر خروج کے لیے زور دیا، حالانکہ انھیں اپنے ابا جان اور برادر عزیز (یعنی حضرت علی اور حضرت حسن شافعیہ کے حالات) سے عبرت ہوئی چاہیے تھی، اور دوسرے لوگوں کی طرح بیعت کر لینی چاہیے تھی۔ مگر.....“<sup>①</sup>

حضرت چابر بن عبد اللہؑ فرماتے ہیں:

«كَلَمْتُ حُسَيْنًا، فَقُلْتُ: إِتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَضْرِبِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بَعْضًا»

”میں نے حسینؑ سے بات چیت کی اور ان سے کہا: ”اللہ سے ڈرو اور لوگوں کو باہم بر سر پیکار نہ کرو۔“<sup>③</sup>

حضرت ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ لَا يَخْرُجَ فَإِنَّهُ مَنْ يَخْرُجُ فِي غَيْرِ وَجْهِهِ حُرُوجٌ إِنَّمَا خَرَجَ لِيُقْتَلَ نَفْسِهِ»

”وہ (یعنی حسین (علیہ السلام) خروج نہ کریں، اس لیے کہ جو شخص بغیر کسی وجہ کے خروج کرتا ہے، وہ اُنیٰ حادث کو عمر خر خاطر میں باذالتا ہے۔“<sup>③</sup>

اور یہ بات آب دل نے حسین شاعر کو اللہ کا واسطہ دے کر کیا تھی۔

شہرہ آفاق مورخ علامہ محمد خضری کم مصری صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالہ لکھتے ہیں:

”اس وقت بکثرت صحابہ شیعۃ چاہ، شام، بصرہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے،

ان میں سے کسی ایک نے بھی نہ خود یزید کے خلاف خروج کیا، اور نہ حسین رضی اللہ عنہ

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/163. <sup>②</sup> البداية والنهاية: 8/163. <sup>③</sup> البداية والنهاية: 8/163.

کے ساتھ ہو کر کیا۔<sup>①</sup>

اگر یزید کی حکومت کا فرانہ یا فجرانہ تھی تو صحابہ و اہل بیت ﷺ اور دیگر اہل اسلام کو خروج کرنا چاہیے تھا کہ اس سے روکنا چاہیے تھا! کیا خیال ہے آپ کا؟  
 بہر حال حضرت حسین علیہ السلام کی اپنی ایک سوچ، اپنی رائے اور ایک اجتہاد تھا، جس میں آپ منفرد تھے۔ اپنی جگہ یہ سوچ کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو مگر اتنا مانا پڑے گا کہ اس عہد کا کوئی بزرگ یا قابل ذکر شخص آپ علیہ السلام سے متفق نہ ہو سکا۔ اور اس کی مخفی وجہ یہ تھی کہ اس سے ملکی و ملیٰ نظم و ضبط متاثر ہوتا تھا، فتنہ و فساد کی چنگاریوں کو ہوا ملتی تھی، اور خرمن سکون سلسلے کا اندر یہ تھا۔ اور ایسے تجربات پہلے بھی ہو چکے تھے اور وہ جملہ بھی انک اور اندو ہنا ک حالات اصحاب رسول ﷺ کے سامنے تھے اور انھیں اندازہ تھا کہ ایسے موقع سے منافقین کس طرح فائدہ اٹھاتے اور ملک و ملت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ دوبارہ یہ تجربہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

کئی لوگ ناسمجھی کی بنا پر اس داشمندانہ نظریے کو بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے نام دیتے ہیں، اور بلا سوچ سمجھے مخالفین صحابہ افراد کی ڈگر پر چلتے ہوئے صحابہ کرام ﷺ کی شان میں ناروا جملے بول دیتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات صریح بے ادبی اور گستاخی کے الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں۔ اور فکر صحابہ ﷺ کو ”یزیدیت“ کہہ کر اہانت صحابہ بلکہ تو ہیں قرآن و حدیث کے مرتكب ہوتے ہیں۔ اس باب میں کثیر سُنی کہلانے والے افراد بھی شیعوں کے شانہ بٹانے ہیں۔ اور بعض اوقات ان دونوں کے درمیان صرف انہیں بیس کا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ تا آنکہ مکمل اتصال و اتحاد ہو کر وہ بھی مٹ جائے گا۔ وہ اپنی طرف سے حضرت حسین علیہ السلام کی طرفداری کرتے ہیں جو حقیقت میں صحابہ و اہل بیت ﷺ کی طرف داری نہیں ہوتی بلکہ ان کے عناد و دشمنی پر

<sup>①</sup> اتمام الوفاء، مطبوعہ مصر۔

مفتی ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت حسین و اہل بیت کرام ﷺ کا موقف صحابہ ؓ کا مکمل ادب و احترام تھا۔ ان کے سامنے قرآن و حدیث کا پورا ذخیرہ تھا۔ وہ ہرگز صحابہ ؓ کے بارے میں اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف نظریہ و موقف نہیں رکھتے تھے۔ یہ بظاہر ”حسینیت“ ہے مگر باطن ”رافضیت“ ہے۔ اسی کو کہتے ہیں: کَلِمَةُ حَقٌّ أُرِيدُ بِهَا الْبَاطِلُ ”کلمہ اچھا ہے مگر ارادہ برا ہے۔“ ہے کوئی انصاف پسند جوان حقائق کو سمجھے؟ اگر منافقین اور دشمنانِ صحابہ ؓ ایسا کریں تو تعجب نہیں، مگر افسوس اور تعجب ہے ان سُتوں پر جو ایسا کہہ دیتے ہیں اور خوشی سے ایسے لوگوں کی مجالس میں شرکت کرتے اور یوں بلا سوچ سمجھے مخالف صحابہ ؓ ہم کوشوری یا لاشوری طور پر تقویت دیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ تنی کہلا کر، عقامہ دشیعہ کے سے ہیں، رسمات ان کی سی ہیں، نعرے ان کے سے ہیں۔ اسی طرح تقریر اور تحریر بھی ان کی سی ہے۔ انا اللہ۔ حالانکہ جہاں نواسہ رسول ﷺ کا احترام و عقیدت ہمارے لئے ضروری ہے وہاں صحابہ ؓ کا احترام بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ اگر ہمیں ان کی شان میں کوئی نازیبا یا قرآن و حدیث سے متصادم کوئی روایت، حکایت یا شکایت بھی ملے تو اس کی اچھی ہی تاویل کرنی چاہیے نہ یہ کہ ان کی شان میں کوئی اچھی بات اور بہتر تاویل، صریح آیت یا حدیث ملے تو اس کی تردید و تغطیط کردنی چاہیے۔۔۔ مگر وہ اسی تاویل کو ہو رہا ہے۔ کوئی شخص ان حقائق و شواہد کا انکلاب نہیں کر سکتا۔

ہمیں کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ باتیں ہمارے بہت سے اپنے ہی بھائیوں سے علمی اور لاشوری میں سرزد ہو رہی ہیں۔ اور وہ بعض یزید کے نام پر بعض معاویہ ؓ اور بعض معاویہ ؓ کے نام پر بعض صحابہ ؓ تک پہنچ رہے ہیں۔ ان کی اس قسم کی سب تحریریں اور تقریریں قلت مطالعہ اور تنگ نظری کی وجہ سے ہیں، جو حقیقت سے بہت دور ہیں۔ ایسے سٹیوں کو محترم مفتی احمد یارخان صاحب گجراتی کی مایہ ناز کتاب ”امیر معاویہ ؓ“ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (کاش حضرت مفتی صاحب کی دیگر کتب کا بھی یہی معیار ہوتا۔)

## بیزید کا طرز عمل

حضرت امیر معاویہ رض کا بیٹا یزید، حضرت حسین رض کا احترام بجا لاتا تھا، ان کی عظمت کا معرف تھا، اور ان کی اہمیت کو جانتا تھا۔ اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ حسین رض میری بیعت سے گریز اختیار کرتے ہیں، اور آپ رض ہم نے میرے مخالف ہیں، چنانچہ آپ رض کی اہمیت کے پیش نظر جہاں وہ ایک گونہ آپ رض کے بارے میں مشوش اور غیر مطمئن تھا، وہاں وہ اس قضیے کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کا بھی خواہاں تھا۔ اور آپ رض پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یزید اب علی الاطلاق خلیفۃ الاممین تھا، تقریباً 56 لاکھ مرد میل پر اس کی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا۔ امیر معاویہ رض کی ذہانت، سیاست اور محنت کی بدولت اسلامی قلمرو کو اس قدر وسعت ملی کہ جس کی مثال نہیں ملتی، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں امن و امان برقرار رہا، اور شورشیں دب گئیں۔ اور یہ امن و امان کی صورت تا حال برقرار تھی، سب لوگ ایک پرچم تلنے جمع تھے، البتہ یزید کو حضرت حسین رض کی طرف سے خدا شہ تھا اور وہ ظاہر ہے کیوں تھا؟ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میری مملکت میں کوئی شورش یا ہنگامہ کھڑا ہو، اور یہ خواہش ہر حساس اور ذمہ دار حکمران کی ہوتی ہے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے، تخت خلافت پر ممکن ہونے کے بعد اسے حضرت حسین رض کی جانب سے برابر تشویش اور پریشانی لاحق تھی۔ کیونکہ آپ رض یزید اور اس کی حکومت کے حق

۱۰۰۔ یزید کا طرزِ عمل

256

میں نہ تھے۔ البتہ یہ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم کی شرافت، آداب سیاست اور قواعدِ علی کی پاسداری تھی، جو آپ نے حکومت وقت کے خلاف آوازہ بلند کیا، نہ جماعت سازی کی، نہ کوئی ہنگامہ اور نہ شورش برپا کی، اس کی کچھ بھی وجہ ہوں بہر حال آپ نے ملکی امن و سکون پر کوئی آنکھ نہ آنے دی، وہ لوگ جو آپ کو اکساتے تھے ان کے مشوروں پر کان نہ دھرے۔ اس بنا پر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسالم کو ”شہزادہ امن“ کہہ دیا جائے تو بھی بے جا نہ ہو گا۔ اگر حضرت حسن صلی اللہ علیہ وسالم شہزادہ صلح تھے تو آپ بیٹک ”شہزادہ امن“ تھے۔ دونوں وحید العصر اور عظیم ولاثانی برادران، امن و صلح کے نقیب اور اخلاق و شرافت کے تاجدار تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسالم) مختصر یہ کہ یزید بن معاویہ صلی اللہ علیہ وسالم حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے فکر مند تھا اور بڑا فکر مند۔ سارے حالات اس کے سامنے تھے۔ اسے عالی جناب حسین صلی اللہ علیہ وسالم کا خطرہ نہ تھا بلکہ پورے ملک کا خطرہ تھا۔

حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم مدینہ میں قیام پذیر تھے، ولید بن عتبہ حاکم مدینہ نے یزید کی ہدایت کے بوجب حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم کو بلایا، اور بیعت یزید کی بات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسالم نے اس مسئلہ پر غور و فکر کے لیے مہلت چاہی، ولید نے مہلت دے دی۔<sup>⑤</sup>

اس سلسلے میں ہمیں ایسی کوئی مستند روایت نہیں ملی کہ جس میں یزید کی حکومت کی طرف سے حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم پر بیعت کے سلسلے میں تهدید، توثیق، تذمیل یا تشدید کا ذکر ہو۔



## چند اہم باتیں

یہاں چند باتیں ذہن میں رکھ لئی چاہئیں:

■ بعض واعظین اور ذاکرین نے لوگوں کے رونے رلانے کا سامان فراہم کرنے کے لئے مختلف واقعات گھرے، کہانیاں تراثی اور مرثیے لکھے ہیں۔ آگاہ رہیں !! ان کہانیوں اور مرثیوں کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

■ اسلام نے شہداء پر رونے رلانے اور گریہ و بکا کی مجالس برپا کرنے کو ناپسند قرار دیا ہے۔ بلکہ ایسے موقع پر ہمیشہ صبر و برداشت کی تلقین فرمائی ہے، لہذا ہمیں بھی صبر کی تلقین کرنی چاہیے اور صبر ہی سے کام لینا چاہیے۔ یہی اسوہ اہل بیت ﷺ ہے۔ ہاں ! اگر کبھی اندوہناک حالات پڑھ اور سن کر دل میں رفت پیدا ہو جائے اور آنکھوں میں آنسو اُندھہ آئیں تو منع نہیں۔ البتہ ایام کی تعین کے ساتھ گریہ و بکا کرنے کے لئے مجالس و مخالف منعقد کرنا شریعت کے مشاء کے خلاف ہے۔ شریعت سے ان کا ثبوت لانا دور کی کوئی لانے کے مترادف ہے۔

■ خلاف واقعہ باتیں بیان کرنے سے اصل واقعات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ لہذا امر واقعہ کے الٹ باتوں کے بیان کرنے سے قطعی پرہیز کرنا ضروری ہے۔ واعظین وذاکرین <sup>①</sup> کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ ہرگز جھوٹی گھری ہوئی باتیں بیان

① قرآن مجید نے تو ”ذاکرین وذاکرات“ کی اصطلاح ان مردوخواتین کے لئے استعمال کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے اسے ہمارے ہاں یہ اصطلاح ان مردوخواتین کے لیے استعمال ہونے لگی، جو کہ بلا والوں کے مرثیے پڑھیں۔

نہ کریں، نہ سین، نہ ان کی تشبیہ و اشاعت کریں۔ جو لوگ اس طرح کی کیمیں اور کتابیں پھیلاتے ہیں وہ نیکی کے نام پر گناہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ حق کا نام لے کر جھوٹ پھیلاتے ہیں۔ جو ووہ را گناہ ہے۔

[4] ہم یزید کو عالی مقام حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً بہتر یا برتر یا اشرف نہیں سمجھتے۔ اس بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے نزدیک سیدنا حسین صلی اللہ علیہ وسلم میں، عمل میں، فضل میں، تقویٰ میں، عبادت میں، انابت میں، حسب میں، نسب میں، طہارت میں، خلق میں، سخاوت میں، غرض ہر اعتبار سے یزید سے بہت فاقع، بہت برتر اور بہت اعلیٰ تھے۔ یزید کو ان سب باتوں میں ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ اسی طرح حضرت علی صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے والد حضرت امیر معاویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور سیدہ فاطمۃ الزہراء صلی اللہ علیہ وسلم یزید کی والدہ میسون صلی اللہ علیہ وسلم سے بہر پہلو ہزار درجہ افضل و اعلیٰ تھیں۔ اگر کوئی شبہ ہو تو ہماری شہرہ آفاق کتاب، سیرت فاطمۃ الزہراء صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ فرمائیں۔

[5] ہمارا اپنا موقف چونکہ بہر پہلو حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی افضليت کا ہے، بنا بریں ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر حضرت امیر معاویہ صلی اللہ علیہ وسلم ملکی امارت کے لئے بجائے یزید کے حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمائیتے، اُس وقت کا تو علم نہیں لیکن شاید آئندہ کے لئے بہتر ہوتا۔ اور ہو سکتا ہے پھر امت محمدیہ میں شیعہ سنی کے نام سے یہ دراز پیدا نہ ہوتی۔ اور دیگر فرقہ بندیاں وجود میں نہ آتیں۔ یہ ”شاید“ کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ حقیقت حال واستقبال (اس وقت اور آئندہ) اللہ ہی صحیح جانتا ہے کہ کیا ہوتی، لیکن اپنی رائے اپنی ہی ہوتی ہے اس میں دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کام بھلے اور بقیٰ بر حکمت ہوتے ہیں وہ جو حکم جاری و نافذ فرماتا ہے ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقت میں وہی بہتر ہوتا ہے۔ بہر حال اپنی آزادانہ رائے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے اور وہ ہم نے ہر طرح کے فرقے بازی اور دھڑے بندی سے

بالا ہو کر دے دی ہے۔ اسی طرح یزید کو اخلاقی جرأت کا یادگار مظاہرہ کرتے ہوئے اسلامی قلمرو ہم سب کے محبوب اور واجب الاحترام عالی مقام حضرت حسین رض کی خدمت عالیہ میں پیش کر دینا چاہیے تھا۔ مگر اس نے یہ پیش نہ کر کے کشادہ ولی و عالی ظرفی کا ثبوت بہم نہ پہنچایا۔ مگان غالب ہے اگر یزید اسلامی قلمرو آپ رض کی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حضرت حسین رض جیسا بلند حوصلہ، عالی ظرف اور مندوم اسلمین عبقری اس کی یہ پیشکش قبول نہ فرماتا۔ اور یزید پورے اطمینان سے خلیفہ ہوتا، اس طرح فسادامت ہوتا، نہ مسلمانوں میں اس طرح کا بٹوارہ قائم ہوتا۔ نہ سانحہ کر بلاؤ جو دعے میں آتا۔ نہ منافقین کو اسلام کا الیادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی صفوں میں گھنے کا موقع ملتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس پر بھی نزاع نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اصل اللہ کی مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بصورت دیگر نہ حضرت حسین رض اور ان کے ساتھیوں کو شہادت ملتی۔ نہ مسئلہ توحید نکھرتا۔ حضرت حسین رض کی سی شہادت شاید ہی کسی اور کو نصیب ہوئی ہوگی۔ اور مسئلہ توحید جو دشت کر بلاؤ میں نکھرا شاید ہی کہیں اور نکھرا ہوگا۔ معمر کہ کر بلاؤ کا مقصد و فلسفہ بڑا اعلیٰ اور بڑا گہرا ہے اس کا آگے بیان ہوگا۔ بہر حال کسی بات پر اب نزاع نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے سوائے دوری اور نفرت کے کچھ حاصل نہیں۔

مختصر یہ کہ اس نزاع کافی الوقت کوئی فائدہ ہے نہ مقصد۔ اصل اللہ کی مشیت کا فرما تھی ہے کچھ اور ہی منظور تھا بصورت دیگر نہ حضرت حسین رض اور ان کے ساتھیوں کو شہادت کا لازوال شرف ملتا، نہ مسئلہ توحید نکھرتا۔ نہ جھوٹے جانثروں کی قلعی کھلتی، نہ فلسفہ شہادت کا راز آشکارا ہوتا۔ نہ شہادت حسین رض کے دور رس اس باقی دروس کھلتے۔ نہ وفا کی کلیاں چلتیں، نہ محبت کے پھول کھلتے نہ تاریخ اسلام کی فضاؤں میں المناک علم لہراتا۔ نہ ملکی سیاست کی لہروں میں یہ زیر و بم اور ارتعاش پیدا ہوتا۔ نہ مذہب کے نام پر باہم بھگڑے ہوتے۔

۔ چند اہم باتیں

66. 260

6 واقعات کو دل میں کسی کی دشمنی اور دوستی لے کر نہ پڑھا کریں بلکہ امر واقعہ اور حقیقت کی آنکھ سے پڑھا کریں اور جہاں ادب و احترام اور عقیدے کے تقاضے مجرور ہوتے ہوں وہاں زیادہ احتیاط سے کام لیا کریں۔ ہمیں یہی حکم ہے، ویسے یہ کام ہے بے حد مشکل، مگر اسی سے مطالعہ نتیجہ خیز ہوتا ہے، اور اسی سے دل و دماغ کو چلا ملتی ہے۔ ورنہ سوائے تضییغ وقت اور نقصان بصر کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

7 عقیدہ سب سے اہم چیز ہے۔ اس کاحد سے زیادہ خیال رکھیں۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عقیدہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہو۔ جہاں اشکال نظر آئے اپنی عقل اور علم و مطالعہ پر زیادہ اعتماد کرنے کے بجائے فوراً اس سیخین فی العلم شان کے حامل، محتاط اور عدل گستاخ علماء و فضلاء سے رابطہ قائم کریں۔ اس طرح آدمی زانی اور مگر اسی سے نفع جاتا ہے۔ جو ایک بہتر را ہے۔ اللہ کی توفیق سے حلق و اع۰دال پسند لوگ ادھر آبھی رہے ہیں۔ جو لوگ رفض و خروج کا شکار ہو کر دونوں انتہاؤں پر پہنچے ہوئے ہیں انھیں ضد، تعصُّب اور فرقہ واریت کے عفریت سے دامن کشاں رہ کر حقیقت و اعتدال پسندی سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ ایک مخلص و قانت مومن کے شایان شان یہی ہے۔ ایسے خوش نصیب لوگ ناپید نہیں ہو گئے اس دور میں بھی موجود ہیں۔



باب: 6

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب حاکم مدینہ ولید کی مجلس سے فارغ ہو کر واپس گھر تشریف لائے تو رات ہو چکی تھی۔ اگلے روز صبح ہونے سے قبل اندر ہیرے ہی میں آپ رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑ کر سوئے مکہ روانہ ہو گئے، مگر حاکم مدینہ نے اس بات کا خاص نوش نہ لیا۔<sup>①</sup> یزید کو آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تمام خبریں پہنچ رہی تھیں۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے احترام کی بنا پر آپ رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا، یزید کو آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی بھی بے شک فکر تھی مگر اسے اس سے بڑھ کر یہ فکر تھی کہ کہیں میری حکومت میں آپ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے کوئی خوفناک ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے جس سے ملک کا بُوارا ہو جائے، اور بیعت پر وہ اسی لیے زور دیتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کے بعد یہ خطرہ باقی نہیں رہے گا۔ پھر مکنی پر امن فضا میں بگولہ اٹھے گا، نہ کوئی ارتقاش پیدا ہو گا۔ نہ آندھی چلے گی، نہ جھلکے اٹھے گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ پہنچ گئے۔ وہاں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کافی قوت حاصل تھی۔ مگر وہاں پہنچ کر بھی آپ قطعی فیصلہ نہ کر پائے کہ یہاں رہوں یا کہیں اور جاؤں۔ دوسری طرف آپ فتنہ و فساد سے بھی بچتے تھے اور ارشاد قرآنی آپ کے سامنے تھا:

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ

① تاریخ طبری: 5/347

۶۰۰ . 262

حضرت حسین بن علیؑ کی مکہ روانگی

”اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔“<sup>①</sup>

ادھر حکومت وقت اور اس کی طاقت اور اس کی طرف سے اپنی راہ میں رکاوٹ حائل ہو جانے کا بھی خیال تھا کہ اس سے کوئی محاذ آرائی کی صورت نہ نکل آئے۔ چونکہ آپ ﷺ نے اپنے پروگرام سے کسی قابل ذکر شخص کو آگاہ نہیں فرمایا تھا، اور نہ کسی اہم بزرگ یا بھائی سے مشورہ لیا تھا، اس لئے کسی کو کچھ بتاتے بھی نہ تھے کہ کوئی مجھے سوئے کوفہ جانے سے روک نہ دے۔ بہت سے اجلہ اعیان و انصار اور آپ کے خاندان کے سر برآ وردہ بزرگوں نے آپ ﷺ کے ارادہ سفر کا پتہ چلنے پر آپ کو اس پر خطر سفر پر نکلنے سے روکا تھا۔ غرض آپ عجیب شش مونچ میں بتلا تھے کہ کیا کیا جائے، کیا نہ کیا جائے۔



## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عزائم

جیسا کہ پچھے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کرنا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ ہر شخص کا ایک موقف ہوتا ہے، یہ آپ کا ایک موقف تھا۔ لیکن فضا آپ کے لیے ناساز گار اور ناموافق تھی، اس لیے کہ یہ آپ کی اپنی ذاتی رائے تھی یہ اسلامی اور شرعی لکٹنگ نگاہ نہ تھا۔ اور اس وقت آپ متفرد الرائے تھے۔<sup>①</sup> کیونکہ خواص و عوام سب اولہ شرعیہ اور رائے عامہ کی بنا پر یزید کو حاکم مان چکے تھے، اور ان میں کوئی بھی اس حکومت کے اندر کسی نئی حکومت کے حق میں نہ تھا، وہ ایک حکومت کے اندر ایک اور حکومت قائم کرنے کو شرعاً جائز نہیں سمجھتے تھے، اور ایسی حکومت گوامت کی سالیت کے منافی جانتے تھے، بلکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے تھے کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں، کیونکہ اس میں کوئی تباہت نہیں ہے۔ اور نئی حکومت بنانے کے بجائے اسی حکومت کے قیام و اجراء میں بھلائی ہے، مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ برا بر اپنے موقف پر قائم رہے۔ آپ کے عزم میں کوئی تبدلی یا لپک واقع نہ ہوئی۔

<sup>①</sup> مطلب یہ کہ کسی ایک ہی خاندان میں خلافت کا اجراء ضروری جانتا۔ اسلامی طریقہ انتخاب کے لیے ہماری مایہ ناز کتاب ”خلافت راشدہ“ کا مطالعہ فرمائیں۔ معلوم ہے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی اکا ذکا مختلف سائل میں تفرادات پائے جاتے تھے مثلاً: حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مقداد رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ اس سے کسی بزرگ کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔

حضرت حسین بن علیؑ کے عزائم

264

صحابہ و تابعین جنہوں نے یزید کی بیعت کی ان کے ایمان پر بحث کرنا اور انہیں ہدف تنقید بنانا ہرگز روانہ نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ پکے مومن تھے، وہ اللہ کے فضل سے حنک سکتے تھے نہ بک سکتے تھے، انہوں نے اگر یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا تو شریعت کے مطابق تسلیم کیا تھا، کیونکہ ان کے سامنے ارشادات نبوی تھے، مثلاً:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّمَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ يَقُولُ: يُنَصَّبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِرَوَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،  
وَإِنَّا قَدْ بَأَيْغَنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ.....

”میں نے حضرت رسول کریم ﷺ سے سنا کہ قیامت کے روز غدر (دھوکا) کرنے والے کے لیے ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا، بلاشبہ ہم نے اس شخص (یزید) کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ برس پیکار ہو جانے کو سب سے بڑا غدر (دھوکا) سمجھتا ہوں اور اگر کسی نے بیعت کر کے توڑ دی، میرا اس سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔“<sup>①</sup>

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، حضرت ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ: مَنْ خَلَعَ يَدَّا مِنْ طَاعَةِ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنْقِهِ بَيْعَةُ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

”میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس شخص نے اطاعت کا عہد کر کے

<sup>①</sup> صحیح البخاری، الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه، حدیث: 7111

تو زرا (یعنی بیعت کر کے توزی) وہ روزِ محشر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں حاضر ہو گا کہ اس کے پاس کوئی جنت نہ ہوگی، اور جو اس حال پر دنیا چھوڑ گیا اور کسی کی بیعت نہ کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔<sup>①</sup>

جن کثیر صحابہ کرام علیہم السلام اور لا تعداد تابعین عظام ہمیشہ نے خلیفہ وقت یزید کی بیعت کی، انہوں نے صحیح اور صریح احکام شریعہ کے مطابق بیعت کی، انہوں نے کسی خوف یا کسی لائق کی وجہ سے بیعت نہیں کی، جیسا کہ بعض کم علم لوگ کہہ دیتے ہیں۔ ان کے متعلق نعوذ بالله بزدل، لائق، منافق یا فاسق وغیرہ ہونے کا گمان صحابہ علیہم السلام اور اولیائے امت ہمیشہ کی توہین پر مبنی ہونے کے علاوہ امر واقع کے بھی سراسر خلاف اور حد درجہ گمراہی ہے۔ اور ان کی شان میں ہلکے سے ہلکا ناروا جملہ استعمال کرنا بھی براہ راست ان کے اخلاص و وفا اور ایمان و ایقان پر حملہ کرنے کے ہم معنی ہے اور ان کے تقویٰ و طہارت پر ٹھیک کرنے کے مترادف، جو بہت بڑا گناہ اور صریح کفر و ارتداد کے مترادف ہے۔ کوئی اہل سنت ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ کیا حضرت حسین علیہ السلام کے سامنے یہ ارشادات نبوی نہ تھے جو دیگر صحابہ علیہم السلام کے سامنے تھے؟ اگر تھے تو انہوں نے ان پر کیوں عمل نہ فرمایا؟..... تو گذارش ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ علیہ السلام کے ذہن میں اس قسم کے ارشادات رسول علیہ السلام نہ ہوں، یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو ہر مسئلہ ہر وقت مختصر رہے۔ حدیث کے مطابق بڑے بڑے صحابہ علیہم السلام سے بھی کئی مسئلے اوجھل رہے، جو بعد میں انھیں معلوم ہوئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ ارشادات معلوم ہوں، مگر آپ کے نزدیک ان کی توجیہ کوئی اور ہو، اور آپ نے از طریق اجتہاد اُس توجیہ کو بہتر خیال کیا ہو، جس کو اختیار کیے ہوئے تھے، بہر حال یہ صحابہ علیہم السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کے

<sup>①</sup> صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين ..... ، حدیث: 1851.

جھرو۔ حضرت حسین بن علیؑ کے عزائم

66. 266

مائن اجتہادی اختلاف تھا۔ اس میں اکابرین میں سے کسی کو مطعون قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر غلطیوں کی بنا پر ان پر الزام وہریں گے تو پھر کوئی صحابہ ؓ میں سے بچے گا نہ اہل بیت ؓ میں سے محفوظ رہے گا، سب ہی نعوذ باللہ مطعون قرار پائیں گے۔ جس کا سوائے اختلاف و انتشار اور سر پھٹول و فساد کے کوئی حل نہ نکل سکے گا۔ اور مسئلہ ہدی گھبیر شکل اختیار کر کے لے ڈوبے گا۔

بعض لوگوں نے کچھ را ہیں نکالنے کی کوشش کی ہے مگر ان سے اور را ہیں نکل آتی ہیں جیسے ”امام پاک اور یزید پلید“ اور ”یزید کا کردار“ اور ان کے ہمتوں اور ان کے بر عکس دوسرا مصنفین کی متعدد کتب ہیں جنہیں پڑھ کر فرمَنِ المَطَر وَقَامَ تَحْتَ الْمِيَزَابِ (باش سے بھاگا کر محفوظ ہو جاؤں مگر پر نالے کے نیچے جا کھڑا ہوا) کی مثل یاد آ جاتی ہے۔ اور مسئلہ جہاں تھا وہیں رہا۔ بلکہ ون وے گاڑی چلانے سے اور بگڑ گیا۔ اس لئے بہتر موقف یہی ہے کہ صحابہ ؓ کی ایسی فکر کو ان کے اجتہاد پر موقوف کیا جائے تا کہ مسئلہ بھی حل ہو جائے، اور ان کا مقام رفع بھی منتشر نہ ہو۔ جوش میں آ کر ہرگز جلدی نہ کی جائے، ورنہ نقصان ہی نقصان ہے۔ جس سے دین تباہ و بر باد اور عقیدہ خراب ہو کر انجمام کا رخیسِ الدُّنْیَا وَالآخِرَة کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ یہاں ایک اور سوال بار بار اٹھتا ہے کہ اگر حضرت حسین بن علیؑ کے نزدیک یزید کی حکومت باطل تھی تو آپ نے اس کا برملا اعلان کیوں نہ فرمایا؟ حضرت حسین بن علیؑ نے اس کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا؟ اور یزید کے خلاف مجاهدینِ اسلام کی جماعت کیوں نہ تیار کی؟ جو لوگ آپ کو سفر کوفہ پر جانے کا مشورہ دے رہے تھے آپ نے انہیں حکومت یزید کا مقابلہ کرنے کا مشورہ کیوں نہ دیا؟ ہر بات ان سے کیوں چھپاتے رہے؟ یہ سوالات شاید بعض کے نزدیک وزنی نہ ہوں۔ مگر پھر بھی ان پر غور کر لینے میں کوئی نقصان نہیں۔

جہاں تک غور کیا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت حسین بن علیؑ کوئی ایسی جگہ چاہتے تھے، جو ان کے مزاج اور خواہش کے مطابق ہو، کیونکہ موجودہ حکومت سے ٹکر لینا اور جملہ اہل اسلام کے موقف کے خلاف قدم اٹھانا خصوصاً جبکہ وہ اپنے پاس مکرم دلائل بھی رکھتے ہوں جائز تھا نہ مناسب۔ حالات دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اول آپ یہ چاہتے تھے کہ امیر معاویہ بن علیؑ کے بعد بجائے یزید کے خود سریر آرائے خلافت ہوں کیونکہ آپ خلافت کو اپنا استحقاق سمجھتے تھے۔ جیسا کہ قبل ازاں ہم بتاچکے ہیں۔ اور اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو، تو پھر آپ یہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی جگہ کو تلاش کروں کہ جہاں کا ماحول میرا زیادہ سے زیادہ ہمنوا اور ہم خیال ہو، اور وہاں اس موجودہ حکومت سے بہتر اور اپنی خواہش کے مطابق علیٰ منہاج النبیۃ حکومت قائم کروں، اور بظاہر اس میں کوئی برائی بھی نہ تھی، بلکہ نیت اور جذبات کے اعتبار سے قابل قدر بات تھی۔ لیکن حضرت حسین بن علیؑ کے لیے پریشان گن بات یہ تھی کہ وہ جگہ ہو تو کوئی ہو، کیونکہ ہر جگہ یزید کی حکومت قائم ہو چکی تھی، جدھر جاتے بنو امیہ کا پرچم لہراتا ہوا نظر آتا تھا۔ آجا کر ایک کوفہ ہی تھا جہاں آپ کی نظر پڑتی تھی۔ مگر وہ بھی غذا روں اور بے وفاوں کی بستی و کھانی دے رہا تھا۔ آپ کو ان کی وفا پر اعتماد نہ تھا۔ جب ہی تو پہلے برادر عمزاد مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور کوفہ والوں نے آپ سے قبل آپ کے والد گرامی اور برادر محترم سے جورویہ بتا وہ بھی آپ کے سامنے تھا۔ مختصر یہ کہ آپ گوگو کی کیفیت سے دوچار تھے۔



[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

سُفْرَانَےِ زَيْدٍ

اُدھر یزید اپنی جگہ پر بیشان تھا کہ حضرت حسین رض کو کس طرح سمجھایا جائے کہ آپ رض اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کر لیں تاکہ مجھے کسی الجھن اور دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ وہ آپ رض کی عظمت و جلالت کے پیش نظر آپ رض سے سخت رویہ اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ امیر معاویہ رض کی بھی ہدایت تھی کہ ”حسین رض کا احترام بجالانا، یہ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں بلکہ ہمارے قریبی بھی ہیں۔“ خود امیر معاویہ رض حسن و حسین رض کو بے حد عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے..... یہ تو والد گرامی کی ہدایت تھی مگر یزید خود بھی انھیں احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان پر ہرگز ہاتھ دلانا نہیں چاہتا تھا۔ آپ رض کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو موجودہ حکومت کی طرف سے شاید کوئی تھی روا رکھی جاتی۔ بہر کیف یزید نے تدریسے کام لیا اور آپ رض پر کوئی تھی روانہ رکھی، البتہ اپنے سفیروں اور نمائندوں کو یہ ہدایت دے کر روانہ کیا کہ وہ آپ رض پر نظر رکھیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں اور آپ کے کیا عزم ہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے آپ رض کو سمجھانے بھانے کی کوشش کریں تاکہ معاملہ افہام و تفہیم ہی سے سلیجوں جائے اور حکومت کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہو۔

## اہل کوفہ کے خطوط

کوفہ عراق کا اہم شہر تھا۔ سر بز و شاداب اور خوبصورت علاقہ تھا، یہاں رونق بھی کافی تھی، معمور و آپا د تھا۔ خلیفہ رابع حضرت علیؑ کے دور میں دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد تینوں خلفائے راشدہؓؓؓ کے ادارے میں مدینہ متورہ دارالخلافہ تھا۔ مگر حضرت علیؑ نے اسے کوفہ فتح فرمادیا۔ اہل علم نے اس کی جو وجوہات بیان کی ہیں ان میں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں عقیدت کیشان اہل بیت ﷺ کی بھاری اکثریت تھی۔ دلدادگان خانوادہ رسول اور محبان حسینؑ کثیر تعداد میں تھے۔ علاوہ ازیں یہاں کے لوگ دین پسند، عبادات گزار اور علم دوست تھے لیکن دل خراش پہلو یہ تھا کہ ان کے خمیر میں تلوں ہزاہی، قدرنا شناسی اور بے وفا کی بدرجہ آخر پائی جاتی تھی، جس کی بدولت ساکنان کوفہ کی شهرت اچھی خاصی متأثر تھی۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جس قدر فتنے سرز میں کوفہ سے اٹھے، اتنے فتنے اور کسی جگہ سے نہ اٹھے۔ کوفہ وہی نجد عراق ہے جس کی بابت پیغمبر ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے

فرمایا تھا:

«هُنَّاكَ الرِّزَّالِزُ وَالْفِتَنُ»

“یہاں روح فرسا حوادث اور بھیانک فتنے جنم لیں گے۔”<sup>①</sup>

<sup>①</sup> صحیح البخاری، الفتنه، باب قول النبي: ﷺ «الفتنة من قبل المشرق» حدیث: 7094.

۱۰۰۔ اہل کوفہ کے خطوط

۲۷۰

حضور اکرم ﷺ کی پیشگوئی حرف بحروف پوری ہوئی، چنانچہ کوفہ با وجود علمی اور دینی مرکز قرار پانے کے فتوؤں کی آماجگاہ بن گیا۔ اور یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی المناک شہادت سے ایسی داستان خونپخان شروع ہوئی جو ختم نہ ہوئی۔ خوب یاد رہے کہ نجد یہی کوفہ کا علاقہ ہے، ججاز کا علاقہ نہیں۔ حدیث مبارکہ میں اسی نجد عراق کی پیش گوئی وارد ہوئی ہے۔<sup>①</sup>

آپ پیچھے پڑھ پچے ہیں کہ کوفہ والوں نے حضرت حسین علیہ السلام کو پیغامات بھیج کر آپ علیہ السلام یہاں تشریف لے آئیں، ہمارا کوئی امام نہیں، ہم آپ علیہ السلام کے عقیدت مند اور غلام ہیں، ہم آپ علیہ السلام کو امام بنالیں گے، ہم آپ علیہ السلام کی امامت پر متفق ہیں۔ انہوں نے خطوط اور وفود بھیج کر ہر ذریعے سے آپ علیہ السلام کو پُر زور دعوت دی۔ شیعہ مجتهد ملا باقر مجاسی تحریر کرتا ہے:

”جب اہل کوفہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت حسین علیہ السلام مکہ معظلمہ میں تشریف فرمائیں، تو شیعوں کو فہم سلیمان بن صرد خزاں علیہ السلام کے گھر میں جمع ہوئے۔ اور دوبارہ معاویہ علیہ السلام کے انتقال اور یزید کی بیعت پر بات چیت کی..... سلیمان نے کہا۔ کہ حضرت حسین بیعت یزید سے انکار کر گئے ہیں، اور تم ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو، اگر ان کی مال و جان سے مدد کر سکو تو بذریعہ خطوط انھیں یہاں آنے کی دعوت دے دو، شیعوں نے کہا: جب امام حسین علیہ السلام اس شہر کوفہ میں قدم میں نہ لے لے تو، تو ہم سب اخلاص و وفا سے بیعت کریں گے۔“<sup>②</sup>

① جو لوگ امام محمد بن عبد الوہاب نجاشی کے بعض و عناد اور خواہ مخواہ کی دشمنی کی بنا پر حجاز یا حوالیٰ ججاز، الیاض سے لے کر مکہ و مدینہ کو نجہ کہتے ہیں وہ صحیح نہیں کہتے۔ اس کی تائید حدیث نبوی کرتی ہے نہ تاریخ اسلام۔ اس سلسلے میں ہماری معتبر مستند اور مضمون زیر ترتیب کتاب ”تحریک وہابیت“ کا مطالعہ بڑا مفید رہے گا۔ ② جلاء العیون: 340۔

چنانچہ ان عقیدت گزارانِ حسین بن علیؑ نے بھاطا بق "جلاء العيون" حضرت حسین بن علیؑ کو بارہ ہزار خطوط لکھے۔ اور بعض نے 18 ہزار بھی بتائے ہیں۔ اور وفود اس کے علاوہ ہیں۔ اہل کوفہ کا جو آخری خط حضرت حسین بن علیؑ کی خدمت میں پہنچا اس کا مضمون یہ تھا:

"جمع شیعیان مومنین و مسلمین اہل کوفہ کی طرف سے بخدمت حضرت حسین بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہے..... واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام و پیشوائی نہیں، پس آپ ہماری طرف توجہ فرمائیے اور ہمارے شہر میں قدم رنجو فرمائیے، ہم سب آپ کے مطمع ہیں، اور نعمان بن بشیر حاکم کوفہ نہایت ذلیل و خوار دار الامارت میں بیٹھا ہے اور ہم جمعہ اور عیدین کی نماز وہاں پڑھنے نہیں جاتے۔"

یہ نعمان بن بشیر بن عاصی صاحبی رسول اللہؐ تھے جنہیں شیعہ مجتہد "ذلیل و خوار" کہہ رہا ہے۔ العیاذ منہ۔ یہی وہ شیعی قلب ہے جس سے ہمیں حد درجہ اختلاف ہے۔ ادھر حضرت حسین بن علیؑ بھی یہاں سے دل برداشتہ تھے اور آپ بن علیؑ بھی ایسی ہی جگہ کے آرزو مند تھے کہ جہاں خواہش اور طبیعت کے مطابق پُر امن و پُر سکون ماحول ہو، البتہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ عالی مقام حضرت حسین بن علیؑ نے اہل کوفہ کی پوری تاریخ کو جانے اور سب دوستوں اور عزیزوں کے روکنے کے باوجود کوفہ جانے کا کیوں ارادہ فرمایا؟ تجربہ، مشاہدہ، مشورہ کوئی بھی آپ بن علیؑ کے اس سفر کو صحیح نہیں سمجھتا تھا، مگر حیرت ہے کہ آپ بن علیؑ جیسے دوراندیش جہاں دیدہ اور زیرک نے اسے کیسے صحیح سمجھ لیا؟ آہج ہے:

① ابوطالب، حضور ﷺ کے نگہار پہنچا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بڑی خواہش کے باوجود اسلام قول نہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے دین کو سچا جانے کے باوجود حلقة بگوش اسلام نہ ہو سکے۔

② جلاء العيون، ص: 430۔

بزور بازوئے تقدیر، تدبیر میں نہیں چلتیں

یہ تقدیر ہی تھی جو آپ ﷺ کو جوار رسول مدینہ منورہ اور شہرِ امن کمہ معظمه اور اس کے قابل قدر باشندوں کو داغ مفارقت دے کر کر بلا جیسے تیرہ و تاریک اور اداس دو بیان میدان میں کھینچ کر لے جا رہی تھی۔ سچ کہا قرآن مجید نے:

وَاللَّهُ عَالِيٌّ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

”اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“<sup>①</sup>

اگر گہرا تی میں اتر کر دیکھیں تو نظر آئے گا کہ اس میں حضرت حسین ﷺ کا کوئی قصور نہیں تھا، اللہ کا حکم اور نوٹھہ تقدیر ہی یہی تھا، نوٹھہ تقدیر کو بھلا کون بدل سکتا تھا؟ مختصر یہ کہ آپ ﷺ کو پیغامات اور دعوت نامے برابر وصول ہوتے رہے، کہ جن میں فرمیں کھا کھا کر آپ ﷺ کو وفاداری اور جان ثاری کا یقین دلایا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ کئی تھیلے ایسے خطوط سے بھر گئے اور ان کی تعداد بھی سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی تھی جن کو حضرت حسین ﷺ نے محفوظ فرمایا تھا۔ تاکہ بوقت ضرورت انھیں دکھائے جاسکیں۔ اور اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حسین ﷺ کو ان پر کتنا اعتماد تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے خطوط بطور ثبوت سنجال رکھے تھے کہ خبر نہیں یہ بے وقار جھوٹے کب محرف ہو جائیں۔



## مسلم بن عقیل کی روانگی

حضرت حسین رض نے اہل کوفہ کے خطوط پڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فی الحال خود جانا بہتر نہ سمجھا۔ اور یہ مناسب خیال کیا کہ تحقیق حال اور حصول معلومات کے لیے کسی اور شخص کو بھیجا جائے، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت اچھا کیا۔ چنانچہ جو آدمی کوفہ سے خطوط اور پیغامات لے کر آئے تھے ان کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے برادر عم زاد جناب مسلم بن عقیل کو ایک مکتب دے کر بیچ دیا۔ خط میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا کہ:

”آپ لوگوں کے خطوط مجھے مل گئے ہیں۔ میں آپ کے پاس اپنے چیرے بھائی مسلم بن عقیل کو بیچ رہا ہوں۔ یہ میرے خاص آدمی ہیں۔ میں نے ان سے فہماش کی ہے کہ کوفہ اور اہل کوفہ کے موجودہ درست حالات سے مجھے اطلاع دیتے رہیں، اگر فی الواقع وہاں کے عوام و خواص کے وہی عزائم اور وہی خیالات ہیں جو خطوں میں تحریر کیے گئے ہیں، تو مجھے کسی وقت حاضر ہونے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے یہ فیصلہ غور و پرواخت سے سوچ سمجھ کر کیا ہوگا، لیکن پھر بھی آپ لوگ اس نازک اور اہم مسئلہ پر مزید غور کر لیں اور میرے فرستادہ بھائی مسلم بن عقیل سے تعاون کر کے ان کو ہر قسم کی معلومات حاصل کرنے میں مدد دیں۔<sup>①</sup>

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/347، والبداية والنهاية: 8/154 مختصرًا، والکامل لابن الأثیر:

## حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا ورود کوفہ

مسلم بن عقیل مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ۔ مسجد نبوی میں نماز ادا کی۔ چونکہ راستہ سے ناواقف تھے اس لیے بڑی مشکل اور مصیبت سے کوفہ پہنچے۔ اہل کوفہ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت لینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خبر سنتے ہی لوگ جو ق در جو ق بیعت کے لیے آنے لگے۔ ایک آدھ روز میں اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کر لی۔ اور چند روز میں بیعت کنندگان کی تعداد تیس ہزار سے بھی زائد ہو گئی۔ تمام لوگوں نے اپنے اس عہد و پیمان کو ڈھرا یا جوانہوں نے خطوط میں کیا تھا اور حضرت مسلم بن عقیل کو ہر طرح کی وفاداری کا یقین دلایا۔<sup>①</sup>

کوفہ کے امیر ان دونوں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی رسول نے جو بہت تحمل مزاج اور عامل قرآن و منت تھے۔ انہوں نے مسلم بن عقیل کو بیعت لیتے دیکھا اور اہل کوفہ کی رائے عامہ معلوم کی تو تختی سے مراجحت نہ کی۔ اور نرمی سے لوگوں کو سمجھا دیا کہ اس طرح فتنہ و فساد پیدا ہونے اور مسلمانوں کا خون بینے کا اندیشہ ہے اور احتیاط سے کام لینے کی تلقین کی۔ لیکن عبد اللہ نبی ایک شخص جو بنو امیہ کا بڑا حامی اور خیر خواہ تھا، اس نے فوراً امیر یزید کو مطلع کیا کہ مسلم بن عقیل یہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/347-348 م و البداية والنهاية: 8/154.

275

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا ورد کوفہ

لے رہے ہیں اور تمہارے خلاف بڑا پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ اور یہاں کے سر برآ وردہ اشخاص بھی ان کے ہمراہ سرگرم عمل ہیں۔ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتے۔ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے معتقد و ہمتو اعلوم ہوتے ہیں۔ یہاں فوراً کسی جابر اور زبردست آدمی کو متعین کیا جائے، ورنہ حالات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔<sup>①</sup>

یہاں ابن اشیر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ اس وقت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے تھوڑا اسخت حکم نامہ جاری کیا اور کہا کہ جس نے یزید کی بیعت توڑی، میں تلوار سے اسے سیدھا کر دوں گا، لیکن کچھ اور لوگوں نے بھی یزید کو لکھا کہ یہاں کے حالات بگزر ہے ہیں اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی مذاہمت کی وجہ سے اختلافات بڑھنے اور شیرازہ منتشر ہونے کا اندیشہ ہے، نیز یہ تفصیلات بھی لکھیں کہ مسلم بن عقیل کی سرگرمیاں تیز تر ہو رہی ہیں، حالات پر اس وقت قابو پایا جا سکتا ہے، ورنہ خطرہ ہے کہ حالات دگرگوں ہو جائیں۔<sup>②</sup>



① الكامل لابن الأثیر: 3/267، وتاريخ الطبری: 5/348، البداية والنهاية: 8/154.  
② الكامل لابن الأثیر: 3/267.

## عبداللہ بن زیاد کا تقریر

جب یزید کو یہ خطوط موصول ہوئے تو اسے تشویش ہوئی کہیں شورش اٹھ کھڑی نہ ہو اور پوری اسلامی مملکت کا نظام تو پالا نہ ہو جائے۔

اسی خدشے کے پیش نظر قبل ازاں وہ مختلف ذرائع سے حضرت حسین رض کو تشدد کے بغیر سمجھاتا رہا، مگر اب یزید نے جب دیکھا کہ معاملہ دگروں ہو رہا ہے اور حسین رض کے نمائندے نے سرگرمی سے منقی تحریک شروع کر رکھی ہے۔ تو اس نے نسبتاً سخت اقدام کیا اور کوفہ کے انتظامات کسی اعلیٰ اور سخت گیر تنظیم کے حوالے کرنے کا سوچا، چنانچہ اس نے کوفہ کی گورنری کے لیے عبد اللہ بن زیاد کو، باوجود اس سے ملاں رکھنے کے موزوں سمجھا۔ اور نعماں بن بشیر رض کی جگہ عبد اللہ بن زیاد کو بصرہ کے علاوہ کوفہ کا گورنر بھی مقرر کر دیا اور ہدایت کی کہ کوئی شورش اٹھنے نہ پائے، اور حضرت حسین رض کو کوفہ نہ آنے دیا جائے اور ان کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھی جائے۔<sup>①</sup>

اُدھر کوفہ والے حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حضرت حسین رض کے لیے وہراً دھڑ بیعت کر رہے تھے، چنانچہ بقول مورخین مسلم کے ہاتھ پر کوفہ سے تمیز ہزار بلکہ اس سے بھی زائد محبانِ حسین رض نے بیعت کر لی تھی اور یہ سلسلہ روزافزوں تھا۔

عبداللہ بن زیاد بصرہ کا بھی گورنر تھا۔ حضرت حسین رض نے ابلی بصرہ کو ایک خفیہ خط لکھا تھا۔ جس کا مفہوم تھا کہ یزید کی بجائے کسی افضل آدمی کو زمام حکومت سونپنے کا

<sup>①</sup> الكامل ابن الأثیر: 3/268، وتاريخ الطبری: 3/348، والبداية والنهاية: 8/155.

وقت ہے، آپ لوگ اس کام کے لیے آگے بڑھیں۔ اس خط میں حضرت حسین رض نے احتیاط فرمائی کہ یزید کا یا اپنا نام نہ لیا، مگر اس سے یہی مفہوم مستفاد ہوتا تھا کہ آپ رض یزید کے مقابلے میں حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، مگر حالات قطعاً ناموافق تھے۔ حضرت حسین رض کا یہ موقف مجہد ان نویعت کا تھا، اور بے شک آپ رض اخلاص نیت سے سرگرم عمل تھے۔ اندازہ ہے کہ آپ رض کے ذہن میں نظم کوفہ چلانے کے لئے بڑے اچھے خاکے اور بڑی اچھی پلانگز ہوں گی، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایک حکومت جو قائم ہو چکی ہو اور جسے مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے تسلیم کر لیا ہو، جس کی تائید و ہمنوائی کثیر صحابہ رض اور بے شمار تابعین اور عام مسلمان کر چکے ہوں، جس کے امیر کی باقاعدہ بیعت کی جا چکی ہو، جس کا امیر اس وقت کا بیشک افضل ترین نہ سہی، ایک مسلمان اور بہت بھاری تعداد اور نمایاں اکثریت کا انتخاب کر دہ ہو، جس کے انقباد و اطاعت پر حضرت حسین رض کو آپ کے پرانے رفیق، معتمد ساتھی اور قرابتدار آمادہ کر رہے ہوں، اس کے خلاف جھنڈا بلند کرنا کیسا تھا؟ اس مسئلہ میں شرع شریف کی کیا رائے ہے؟ قارئین کا اپنا آزادانہ فیصلہ کیا ہو سکتا ہے؟..... اور اگر حکومت عین خلفائے راشدین رض کی طرز کی نہ بھی ہو اور فرقہ ہو، تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے یا اس میں الگ حکومت ہنانی چاہیے؟ اور خود ہی بتائیں بھلا کون سی حکومت اپنے خلاف اس قسم کی تندو تیز سرگرمیاں برداشت کر سکتی ہے؟ ہم نے تو ایسی کوئی حکومت دیکھی یا سنی نہیں، جو منقی سرگرمیوں کو برداشت کرے۔ حضرت حسین رض کی رائے کتنی بہتر اور اجتہاد کتنا اچھا ہو لیکن آپ خود کہیے، کیا سیاسی و شرعی نکتہ نظر سے آپ رض کا یہ اقدام محل نظر تو نہیں ٹھہرتا؟ ہماری حکمت حسین رض بالکل بجا، لیکن ما حول اور دلائل کی دنیا کو بھی دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

سوئے اتفاق گورنر عبد اللہ بن زیاد کے ہاتھ حضرت حسین رض کا یہ مذکورہ خفیرہ خط

بیکر۔ عبیداللہ بن زیاد کا تقریر

۲۷۸

بھی لگ گیا۔ ابن زیاد کے ذہن میں کوفہ والوں کی عہد شکنی، مسلم بن عقیل کی تگ و تاز اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی منصوبہ بندی ایک ایک بات تھی۔ جب وہ بحیثیت گورنر کوفہ کے دارالخلافہ میں پہنچا تو یہ تمام باتیں اور دوسری طرف حکومت کی ہدایات اس کے پیش نظر تھیں، اس نے اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے سخت انتظامات کیے، اور حکومت کی نگاہ میں اپنے آپ کو لاٹ اور کامیاب تنظیم ثابت کرنے کی امکان بھروسی کی۔ ہر گورنر ایسے کرتا ہے، آخر اس نے کریڈٹ جو لینا ہوتا ہے۔

عبداللہ بن زیاد جری، ستگار اور سخت دل انسان تھا، یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں خراسان کا حاکم رہ چکا تھا، یہ اس وقت تقریباً پچیس بھاریں گزار چکا تھا بالکل جوان تھا۔ اس نے خراسان میں بڑی جرأت، بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا، اور ترکوں سے برابر کامیاب لڑائیاں جاری رکھیں، پھر اسے خراسان سے بصرہ تبدیل کر دیا گیا، وہاں پہنچتے ہی اس نے فتنہ خوارج کا قلع قلع کر دیا۔ یہ بہت سخت گیر، ہوشیار اور کامیں (یعنی گھاک اور شاطر) تھا<sup>۱</sup> کاش یہ زیر ک، دانا اور متحمل مزاج بھی ہوتا۔ جو عالی مقام نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صحیح مقام کو سمجھتا اور سابق گورنر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا زیادہ سے زیادہ احترام روا رکھتا اور آپ رضی اللہ عنہ سے تعرض نہ کرتا۔ اور دانائی اور نرمی سے انہیں سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کرتا اور ایسی تدبیر اختیار کرتا جس سے کوئی سانحہ رونما نہ ہوتا۔ لیکن اس نے فرزانگی کا ثبوت نہ دیا اور اچھا طریقہ اختیار نہ کیا۔ بلکہ اپنی لائھی سے خانوادہ اہل بیت ﷺ کو ہائکنا شروع کر دیا۔ اور دانش و بیانش کا کوئی ثبوت نہ پیش کیا۔

اس نے سادات کرام کے اس عظیم خاندان کی مظلومانہ اور بے کسانہ شہادت کا باعث بننے کے علاوہ امت محمدیہ کو جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کی ججلسادینے والی آگ

<sup>۱</sup> سیر اعلام النبلاء: 3/545-548

کے بھاڑ میں جھوک دیا۔ جس کے شعلے آج تک اٹھ رہے ہیں۔ اور پتہ نہیں کہ تک اٹھتے رہیں گے۔

تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اس حادثہ کربلا کے نتیجے میں مسلمان مستقل و فرقوں میں بٹ گئے۔ اور دشمنان اسلام کو کھل کر گل کھلانے کا موقع ہاتھ آگیا۔ اگر ابن زیاد حکومت سے کریمہ لینے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کریمہ لیتا تو اس کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ خصوصاً جبکہ حاکم اعلیٰ (امیر یزید) نے (بہ طابق روایات صحیح) اسے قتل حسین ﷺ کا حکم بھی نہیں دیا تھا۔ صحیح سیاست محض طاقت کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ اپنے ناخن تدبیر سے حالات کو سنوارنا، الجھی ہوئی گتھیاں سلجنانا، گھمیر مسائل پر قابو پانا اور تاریخ ساز کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس نے تشدید کی راہ کو ترجیح دے کر حالات کو آئندہ کے لئے قابو سے باہر کر دیا۔ اور اپنے لئے ہمیشہ کی بدنامی اور ذلت اور اپنی حکومت کے لئے دنیا جہاں کی بد دعاؤں اور پھر کاروں کا موجب بن گیا۔

کاش! وہ اس مظلوم قافلے کا خیال کرتا..... اور مسئلے کا کوئی بہترین حل نکالتا۔ بھلا کون سا مسئلہ ہے جس کا اچھا حل نہیں نکل سکتا ہے؟..... لیکن برا ہو ضد اور تکبیر کا۔ اس نے اخلاص، ایمان، ہمدردی سے کام لینے کے بجائے ظلم و ستم اور جفا کی تنقی سے کام لیا۔ جس کا بوجھ خود اس پر پڑا۔ یہ ٹولہ جس قدر ذمیل ہوا، حضرت حسین ﷺ اور ان کا خانوادہ ﷺ اسی قدر مزید اونچا اور سر بلند ہوا۔ مزید اونچا اس لیے کہا ہے کہ یہ خانوادہ شروع ہی سے اونچا اور سر بلند تھا۔ کہاں یزید اور ابن زیاد قسم کے لوگ؟ اور کہاں خاندان نبوت؟ اور سادات کا گل سر سبد حسین ابن علی میں ٹھیک؟

### ابن زیاد کی پہلی فریب کاری

اہل کوفہ کو ابن زیاد کے آنے کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ وہ تو سیدنا حضرت حسین ﷺ

۶۰۰۔ عبید اللہ بن زیاد کا تقریر

280

کی آمد کے منتظر تھے۔ پس ابن زیاد نے اہل کوفہ سے پہلا فریب یہ کیا کہ جب وہ کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے بالکل حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم جیسی وضع قطع بنالی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بس پہن لیا۔ اور اپنا چہرہ چھپا کر کوفہ میں داخل ہوا۔ کوفہ کے لوگ اسے دیکھ کر یہ سمجھے کہ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے آهلاً و سهلاً و مرحباً کے نعرے لگانا شروع کر دیے۔ اور انبوہ کثیر اس کے استقبال کے لئے جمع ہو گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ تمام لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں تو اس نے نقاب اٹ کر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ اسے دیکھ کر تمام لوگ حیرت سے ٹھٹھا ک گئے۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ نعمان بن بشیر صلی اللہ علیہ وسلم کو امارت سے معزول کر کے کوفہ سے نکال دیا۔ پھر تحقیقات، حصول معلومات اور مسلم بن عقیل صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات و مکنات اور دیگر امور کی پوری مخبری کے لیے جاؤں اور شرائغ رسال مقرر کر کے ہر طرف پھیلا دیئے۔ بعد ازاں ایک غصب ناک تقریری کی اور کہا:

”اے کوفیو! اب امیر زید کے حکم سے کوفہ کا حاکم میں ہوں۔ میں ظالموں کو مزا دینے اور مظلوموں کی دادری کرنے کے لئے آیا ہوں۔ جو باغی اور شریر ہیں ان کے سروں پر تکوار گرے گی۔ اور جو فرمانبردار اور اطاعت گزار ہیں ان کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ سب لوگوں کو چاہیے کہ باغیوں اور دشمنوں کی رپورٹ مجھے پہنچائیں۔ جو باغی کہیں روپوش ہو اس کو میرے حوالے کریں۔ جو شخص ایسا نہ کرے گا اس کو سویں پر لٹکایا جائے گا۔“<sup>①</sup>

جب مسلم بن عقیل صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن زیاد کی آمد کی خبر سُنی اور اس کے اعلانات بھی سنئے تو خفیہ طور پر اپنے رفیقوں سے مشورے کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے

<sup>①</sup> الكامل لابن الأثیر: 3/ 268-269، وتاریخ الطبری: 5/ 384، والبداية والنهاية: 8/ 155.

اپنے آپ کو بھی خفیہ رکھا۔ اور حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کو پوشیدہ طور پر خط لکھ دیا کہ ہزارہا لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ تمام اہل کوفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار اور چشم برہ ہیں۔ آپ تاخیر نہ فرمائیں اور فوراً کوفہ تشریف لے آئیں۔<sup>①</sup>

مسلم بن عقیل صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ آپ کی آمد سے موجودہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مگر موصوف کا یہ خط اور زیادہ پریشان کن ثابت ہوا۔

### ابن زیاد کی دوسری عیاری

ابن زیاد اور اس کے کارندوں نے حضرت مسلم بن عقیل صلی اللہ علیہ وسلم کے سراغ گانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے سوچا کہ وہ بہت محاط طریقہ سے کسی جگہ روپوш ہیں اور آسانی سے ان کا پتہ چلنا مشکل ہے، پس اس نے یہ چال چلی کہ ایک ہوشیار اور مکار شخص کو جاسوس بنایا۔ اور اس کو یہ تربیت دی کہ لوگوں میں اپنا تعارف یوں کرائے کہ وہ فلاں جگہ سے مسلم بن عقیل سے ملتے، ان کی بیعت کرنے اور ان کو معقول نذرانہ دینے آیا ہے اور اہل بیت کا بڑا معتقد ہے، چنانچہ اس نے اسی طرح کیا۔ جب لوگوں میں یہ مشہور ہوا تو کسی طریق سے اس کو مسلم بن عقیل کی جائے رہائش کا پتہ چل گیا۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھیں اپنا سچا عقیدت مند ظاہر کیا۔ بڑے احترام سے ملا۔ اور ان کی خدمت میں تین ہزار درہم بطور نذرانہ پیش کئے، ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ارادت مند بن کر ان کے تمام حالات اور تمام راز معلوم کر لیے۔ یہ شخص ہر روز ان کے پاس آتا، معلومات حاصل کرتا اور پھر ابن زیاد کو آگاہ کرتا کہ یہ یہ ہو رہا ہے اور یوں یوں ہونے والا ہے۔ اور مسلم فلاں مکان میں پوشیدہ ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایک کثیر جماعت بھی ہے، جو ہزارہا بیعت کنندگان افراد پر

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/348

۱۔ عبیداللہ بن زیاد کا تقریر  
مشتعل ہے۔

### ابن زیاد کی تیسری مکاری

اب ابن زیاد کو سمجھ آگئی کہ مسلم بن عقیل کو اس وقت تک گرفتار نہیں کیا جا سکتا، جب تک ان کی جماعت میں نفاق و انتشار نہ ڈالا جائے۔ اس نے اس کے لیے چند ماہر آدمی پختے جنہوں نے شہر میں پھیل کر اپنے مخصوص ہتھیار کے استعمال کیے۔ لوگوں کو طرح طرح کی ترغیبیں دیں۔ انعام و اکرام کے لائق دیے۔ ڈرایا دھمکایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے لوگ حضرت مسلم بن عقیل ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر یزید کے ہجڑے تلنے جمع ہو گئے اور ابن زیاد کے طرف دار بن گئے۔ یعنی جن لوگوں نے فتنہ میں کھا کھا کر اور علف اٹھا اٹھا کر حضرت حسین علیہ السلام کی وفاداری کے عہد باندھے تھے، ان کو ہزاروں خطوط لکھتے تھے اور کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور ان کے نام پر بیعت کی تھی، اب وہ اپنے وعدوں سے پھر گئے، اور یزید کے حامی بن گئے۔ اور جو بے وفائی اہل کوفہ کے خمیر میں داخل ہو چکی تھی، ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔ حکماء نے سچ کہا کہ جس طرح کسی فرد کی خاص عادت ہوتی ہے جسے بدلا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح خاندانوں اور قوموں کی بھی خاص عادت ہوتی ہے جنہیں بدلا کر سخن ہوتا ہے۔ یہی حال کو فیوں کا تھا۔ ان میں خوبیاں بھی ہوں گی مگر ساتھ بے وفائی بھی تھی۔ بے وفا کبھی بھی سچا اور مخلص دوست نہیں ہو سکتا۔ بچھو اور سنپولیے سے ہزار دفعہ پیار کریں مگر اخیر میں ڈک مار ہی دیتا ہے۔ یہی حال طوطا چشم اور بے وفا لوگوں کا ہوتا ہے، وہ اخیر نقصان پہنچا کر ہی رہتے ہیں۔

حضرت مسلم بن عقیل ﷺ پر یہ وقت بڑا نازک تھا، آپ نہ واپسی جا سکتے تھے

① تاریخ الطبری: 5/348، والکامل لайн الائیر: 3/269.

283

حکم۔ عبیداللہ بن زیاد کا تقریر

کیونکہ شہر کے چاروں طرف کڑے پھرے لگے ہوئے تھے، نہ ظاہر ہو سکتے تھے، نہ کہیں چھپ سکتے تھے، نہ اپنے مشن کو چھوڑ سکتے تھے، اور نہ ہی کوفہ میں رہ سکتے تھے۔ کیونکہ اب بیعت کرنے والے ہی ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کو گرفتار کرانا چاہتے تھے۔ حضرت مسلم بن عقیل رض زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہوں گے۔

باغبان نے آگ دی جب آشیانے کو مرے  
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے



## حضرت مسلم بن عقیل رض کی گرفتاری و شہادت

ابن زیاد نے حضرت مسلم رض کی گرفتاری کے لیے اعلان کرایا، اور گرفتار کرنے والوں سے بھاری انعام کا وعدہ کیا۔ جن لوگوں نے ان کو چھپا رکھا تھا، انہیں دردناک سزا دینے کا اعلان کیا۔ آخر کار ابن زیاد کے آدمی اس مکان میں داخل ہو گئے جہاں مسلم بن عقیل رض چھپے ہوئے تھے اور ان کا پوری طرح محاصرہ کر لیا گیا۔ آپ کا شہر یہ دور ہو چکا تھا۔ گرائب انھیں کوفیوں کی سو فصد بے وفا کی کا یقین ہو چلا تھا کہ یہ بالکل نکلے لوگ اور کھوئے سکتے ہیں۔ بہر حال مسلم بن عقیل رض نے اپنے چند گنے پختے ساتھیوں کے ساتھ مدافعت کی اور ابن زیاد کے آدمیوں کے جملے کا جواب دیا۔ جناب مسلم رض خود بے جگری سے لڑ رہے تھے اور کئی اشقياء کو ٹھنڈا کر چکے تھے۔ جب آپ زخموں سے چور ہو گئے اور بہت ساخون بہنے سے لڑنے کی بہت نہ رہی تو ایک شخص جو ابن زیاد کا معتمد خاص تھا ان سے امان دینے کا وعدہ کرنے لگا مگر یہ ایک دھوکا تھا۔ بہر حال آپ کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا۔ جس جگہ ان کو رکھا گیا وہاں ٹھنڈے پانی کا گھڑا پڑا ہوا تھا۔ حضرت مسلم نے پانی پینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اشقياء نے روک لیا اور پانی نہ پینے دیا، پھر کسی نے پانی منگوا کر دیا تو آپ رض پی نہ سکے، کیونکہ ہونٹ اور مسوز ہے زیادہ زخمی ہو چکے تھے۔

اس کے بعد آپ کو ابن زیاد کے پاس لا یا گیا۔ حضرت مسلم رض اور ابن زیاد کے

درمیان تھوڑی سی تھڑپ ہوئی۔ ابن زیاد پہلے ہی غصے میں تھا وہ اور غضبناک ہو گیا۔ چنانچہ اس نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔

حضرت مسلم بن عقیل بن اشیہ نے آخری وقت میں چند باتوں کی وصیت فرمائی جس میں یہ بھی کہا:

”حضرت حسین علیہ السلام کو تمام حالات اور میرے قتل کے متعلق لکھ دیا جائے کہ اب وہ کوفہ کا رخ نہ کریں۔“

ابن زیاد نے وعدہ کیا کہ اگر وہ ہم سے جنگ نہ کریں گے تو ہم بھی ان سے نہیں لڑیں گے۔ بعد ازاں حضرت مسلم کو قلعہ کی بلندی پر لے جایا گیا۔

آپ سمجھیز و تمجید کرتے، درود و صلوٰۃ پڑھتے اور مغفرت کی دعائیں مانگتے جا رہے تھے۔ آپ کو قلعہ کی چھت پر لے جا کر ایک جلاد بکیر بن حمران نے شہید کر کے آپ کے جسد اطہر کو محل کی بلندی سے چورا ہے میں گردیا۔ یہ ۹ ذوالحجہ ۶۰ھ بدھ کا دن تھا۔ اور جس شخص یعنی بن عردو نے حضرت مسلم کو پناہ دے رکھی تھی اب ان زیاد نے اسے بھی قتل کر دیا اور حضرت مسلم بن عقیل کے جسد مبارک کو برس عام سولی پر لٹکا دیا تاکہ لوگوں میں خوف و ہراس پھیلے۔ ﴿إِنَّا إِلَيْهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَجُعونَ﴾<sup>①</sup>

یہاں پہنچ کر ایک قاری کے ذہن میں سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ ابن زیاد نے انسانیت کی حدود و قیود کو بھی توڑ دیا، اس نے ایسا کیوں کیا؟ دوسری طرف محبان اہل بیت ﷺ جنہوں نے جو ق در جو ق مسلم بن عقیل کی بیعت کی تھی آنا فانا کیوں طوطا چشم بن گئے؟ اور سوچ پھاس تو در کی بات ہے دس نبیں آدمی بھی ایسے نہ لگلے جو آپ کی خاطر جان کی بازی لگادیتے، ہیچان کوفہ کی اتنی بے وفائی؟ اس قدر طوطا چشمی؟ اللہ کی پناہ! جو کوئی ان حالات میں حضرت مسلم بن عقیل بن اشیہ کی وفایہ کر سکے وہ ان سے ابترا

<sup>①</sup> البقرة: 156. تاریخ الطبری: 350/5، والکامل لابن الأثیر: 3/273، 274، والبداية

والنهاية: 158/8، 159.

## حضرت مسلم بن عقیل بن شاہ کی گرفتاری و شہادت

66. 286

حالات میں حضرت حسین ابن حیدر بن شاہ سے کیونکروفا کرتے .....؟  
 ہمارے خیال میں ابن زیاد نے بھرپور انتقامی کارروائی کا مظاہرہ کیا اور یہ کوئی نئی  
 بات نہیں، جنوں انتقام میں بہت کم حکمران قابو میں رہتے ہیں، اور ابن زیاد جیسا  
 تشدد، شدید مزاج، سخت گیر اور منتقم مزاج حکمران بھلا کیے ظلم و انتقام میں کی اٹھا رکھتا؟  
 چنانچہ اس نے بھی کوئی کمی نہ اٹھا رکھی۔ اس نے زیادہ تر یہ کارروائی حکومت سے  
 کریمیت حاصل کرنے کے لیے کی۔ ابن زیاد کا یہ اقدام بھیتیت حکمران کسی کے  
 نزدیک شاید لائق تحسین ہو، مگر بھیتیت مسلمان یقیناً قابل ستائش نہیں تھا..... اسے کم  
 از کم فرستادہ حسین بن شاہ کی سمجھ کر داشمندانہ و مدبرانہ اقدام کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح  
 اہل کوفہ جو حضرت حسین بن شاہ کی عقیدت و محبت کے دعویدار تھے، انھیں مخلص نہیں کہا جا  
 سکتا، انھوں نے حضرت مسلم بن شاہ کو جو دھوکا اور فریب دیا اس کی مثال تاریخ میں کم  
 ہی نظر آئے گی۔

حضرت مسلم بن شاہ کا قاتل بیشک ابن زیاد تھا، لیکن اس جرم سے اہل کوفہ کو بھی بری  
 قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یقیناً بالواسطہ و بھی اس قتل میں برادر کے شریک تھے، کیونکہ ایک  
 طرح سے انھوں نے سیدنا مسلم بن شاہ کو گھیر کر موت کے منہ میں دھکیلا۔

حضرت مسلم بن شاہ کا کوفے میں آنا، لوگوں کو اپنا ہمباہنا، یزید کی بیعت تزویا کر  
 حضرت حسین بن شاہ کی بیعت لینا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ گورنر کوفہ کے محل پر دھاوا  
 بولنا، پھر اندر خانہ لوگوں کو حکومت وقت کے خلاف اکسانا اور اپنی گرفتاری کے وقت  
 پولیس کا مقابلہ کرنا اور ابن زیاد کے دربار میں اسے ترکی بہ ترکی جواب دینا، بیشک  
 قانون کی نگاہ میں درست نہ تھا۔ مگر چونکہ حضرت مسلم بن شاہ اخلاص نیت کے ساتھ  
 حضرت حسین بن شاہ کے موقف کو درست جانتے تھے اور آپ بن شاہ کی پوری نیابت  
 و جائشی کر رہے تھے، بنابریں آپ کو مطعون قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ ابن زیاد کا رویہ

اگر معتدل اور نرم ہوتا جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں تو بہت اچھا تھا۔ مگر اس نے تدبیر کے بجائے شمشیر سے کام لیا۔ اور ظلم و استبداد کی چلی چلانے میں کوئی کمی نہ اٹھا کری۔ حضرت مسلم بن عقیل کے حالات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو جرأت و قوت اور شجاعت و مردانگی کا بے نظیر ملکہ و دیعت فرمایا تھا۔ آپ نے ابن زیاد کے دربار میں جو دلوک اور صاف باتیں کیں وہ آپ کی بلند حوصلگی، ایمانی قوت اور جرأت و مردانگی کی مظہر ہیں..... اور آپ کی جرأت اور حق گوئی کی یہ بھی دلیل ہے کہ آپ نے گرفتاری کے بعد سب کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا:

”اہل کوفہ غذار اور بے وفا ہیں، یہ قطعاً اعتبار کے قبل نہیں ہیں، یہ سب بیعت توڑ کر ابن زیاد کے ساتھ مل چکے ہیں، اس لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں ورنہ آپ رضی اللہ عنہ کے معصوم قافلے کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو میرے ساتھ ہوا ہے۔“  
یہ تازہ ترین صورت حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ابھی معلوم نہ ہو سکی تھی، آپ رضی اللہ عنہ کو مسلم کے وہی خطوط ملے تھے جن میں کوفیوں کے جوش و جذبے کی تعریف کی گئی تھی اور بلا تحریر کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی۔

اس واقعہ شہادت سے جہاں حضرت مسلم کی جرأت و دلیری کا اندازہ ہوتا ہے وہاں ان کے اخلاص و وفا کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے جان دے دی مگر جنہیں اپنا امیر اور قائد بنا لیا تھا ایک ثانیہ کے لیے بھی ان سے بے وفائی نہیں کی، اور وفا کا ایسا حق ادا کیا جوتا رہنے میں ہمیشہ روشن رہے گا۔

تاریخ کے صفحات میں جہاں کوفیوں کی ریکارڈ بے وفائی محفوظ ہوئی وہاں مسلم بن عقیل کی ریکارڈ وفا بھی محفوظ ہو گئی۔

دوسرًا توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ حضرت مسلم کی اس ابتلاء میں مدد کے لیے حضرت

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی گرفتاری و شہادت ۲۸۸

حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے شہ کوئی اور زندہ یا فوت شدہ بزرگ، جس سے صاف پتہ چلا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو گرفتار بلا کر لے تو پھر کوئی انسان، وہ اپنی جگہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، مد نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کے بتائے ہوئے نظریہ توحید کا بھی یہی خلاصہ ہے۔ اور مسلم بن عقیل کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر حالات سے آگاہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک امام حسین رضی اللہ عنہ کو علم غیب نہیں تھا۔ گویا ان کے نزدیک امام مختار کل ہوتا ہے نہ عالم الغیب۔ لہذا شیعہ دوستوں کو قرآن مجید کا نہ سمجھی، حضرت مسلم رضی اللہ عنہ بلکہ خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہی اپنا لینا چاہیے کہ مشکل کشا، اور عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں۔ حادثہ کر بلا کے یہ حقیقی، دور رس اور قابل توجہ نکات ہیں جنہیں کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے۔



## حضرت حسینؑ کی کوفہ روانگی

حضرت مسلم بن عقیلؑ کے خط لکھنے اور پیغام بھیجنے پر کہ اٹھارہ ہزار یا بقول بعض تیس ہزار کوئی بیعت کر چکے ہیں اور سب لوگ آپؑ کی خلافت و امامت کے طلب گار، بے حد و فائض اور جاں ثناہ ہیں، حضرت حسینؑ نے کوفہ جانے کا پختہ عزم فرمالیا۔ وہاں کے واقعات اور مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کا آپؑ کو علم نہیں تھا۔ ظاہر ہے اگر علم ہوتا تو آپؑ کسی صورت کوفہ جانے کا عزم نہ فرماتے، چنانچہ اپنے پروگرام کے مطابق سفر کوفہ کے لیے ارادہ فرمالیا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور چند ایک اہم دوستوں نے آپؑ کو اس سکھن اور خطرناک سفر پر جانے سے روکا مگر نووہؑ تقدیر بدل نہیں سکتا۔ آپؑ برابر اپنے ارادے پر قائم رہے۔ اور 8 ذوالحجہ 60ھ منگل کے دن آپؑ اپنے اہل و عیال اور دوسرے رفقاء سمیت جانب عراق روانہ ہو گئے۔ روانگی سے پیشتر آپؑ نے عمرہ کیا اور طواف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی سے فارغ ہو کر احرام اتار دیا۔<sup>①</sup>

یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت حسینؑ کا شروع سے میلان الگ حکومت قائم کرنے کی جانب تھا اور آپؑ کے ذہن میں جس حکومت کا خاکہ تھا وہ خلفائے راشدینؑ کے دور حکومت کے میں مطابق تھا۔ پیشک وہ بہترین خاکہ تھا۔ مگر وہ عہد پلٹ کرنہ آ سکتا تھا۔ ایسے حالات تھے نہ ماحول ایسا تھا۔ اس وقت سب کے

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/160، والكامل لابن الأثير: 3/275، وتاريخ الطبرى: 5/381

(ب) حضرت حسین بن علیؑ کی کوفہ روانگی

66 . 290

سب کوئی بے مثال موسمن نہ تھے بیشک کافی تعداد اصحاب رسول ﷺ کی بھی تھی لیکن اس دور میں بے شک صحابہ ؓ اور تبعین ﷺ بھی تھے، مگر جو عامۃ الالممین تھے، وہ بہر حال پہلوں جیسے نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے، ان کا ایمان صحابہ ؓ کے ایمان جیسا نہ تھا۔ اور پھر صحابہ ؓ کے بعد عام طور پر مسلمان میں طرح کے رہے۔ بہترین، متوسط، اور کمزور۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ دور نبوت سے جس قدر بعد ہوتا گیا، تقویٰ و پرہیز گاری، للہیت، اور عبادت و اطاعت میں فرق آتا گیا۔ اس فرق کا اس وقت ظاہر ہونا فطری اور قدرتی امر تھا۔

حضرت حسین بن علیؑ برابر اپنے نظریے پر قائم تھے۔ اس میں کوئی لچک نہ تھی، آپ ؓ پر مقصد کے حصول میں کافی حد تک پُر امید تھے، اور حضرت مسلم ؓ کی دعوت سے آپ ؓ کا خلیل آرزو اور زیادہ سرسبز و شاداب ہو گیا، البتہ یہ باقی آپ ؓ کے ذہن میں نہ تھیں کہ حالات کا پانسہ یکسر پلٹ بھی سکتا ہے۔ اور نبوت مسلم بن عقیل کی یا ہماری شہادت کی بھی آسکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ ؓ کو معمولی مزاحمت کا خطرہ تھا، اور آپ ؓ یہ سمجھتے تھے کہ عورتوں اور بچوں سے بھلاکوں مزاحمت کرے گا، اور یہ ذہن آپ ؓ کا اس لیے تھا کہ اب تک حکومت یزید نے آپ ؓ کے احترام کے پیش نظر آپ سے کوئی تعرض کیا تھا کہ کسی قسم کے تشدد کا روادار تھا۔

دراصل حکومت آپ کو سمجھا بجھا کر حسن تدیر اور مردود و خوش اسلوبی سے مسئلہ حل کرنا چاہتی تھی، مگر حضرت حسین بن علیؑ نے حکومت کے اس رویے کو اہمیت نہ دی۔ ادھر توجہ نہ فرمائی۔ یا آپ ؓ کی عنان توجہ ادھر منعطف نہ ہوئی، اور کسی کے مشورے پر اعتناء فرمانے اور کوئیوں کے حالات کا مزید جائزہ لینے یا کوئی انتظار کرنے کے بجائے آپ نے سفر پر نکلا ضروری خیال فرمایا۔ چنانچہ اپنے ساتھ اپنے خاندان کے بچوں اور عورتوں کو لے جانے کی عملی تیاریاں شروع کر دیں۔ حج بالکل شروع تھا، اس لئے

آپؑ نے ایک دن کی بھی تاخیر مناسب نہ بھی اور جس قدر جلدی ہو سکا کوفہ کے لیے نکل پڑے۔ عقل کہتی ہے کہ آپؑ کو حج کر لینا چاہیے تھا، مگر تقدیر آپؑ کو کہیں اور لے جانا چاہتی تھی، تقدیر الہی کے سامنے کوئی تدبیر کام نہیں کرتی۔ بہر حال آپؑ اپنے پروگرام کے مطابق اپنے راستے پر چل پڑے۔

حضرت حسینؑ کے دوستوں اور ساتھیوں کو جب یہ علم ہوا تو انہوں نے آپؑ کو اس سفر سے روکا۔ امام ابن کثیر اور ابن اثیرؓ نے یہ ساری تفصیل دی ہے۔<sup>①</sup>

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو سعید خدريؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابو واقعؓ، اور ویگر احباب نے آپؑ کو نہ جانے کا مشورہ دیا، اور ابن عباسؓ، عمر بن عبد الرحمنؓ، عبد اللہ بن زییرؓ، اور متعدد صحابہؓ کے مشورے کا پیچھے ذکر کو اس مخدوش و پُر خطر سفر سے بے اصرار روکا، (چونکہ صحابہؓ کے مشورے کا اپنے ذکر ہو چکا ہے اس لئے اس کے تفصیلی اعادے کی ضرورت نہیں)۔ البتہ آپؑ کے منصوبے کی اطلاع ہونے پر کچھ اور احباب نے بھی نہ جانے کے مشورے دیے۔ اور اس مہیب و پُر خطر سفر پر نکلنے کو ناپسند جانا۔

حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؑ دو بارہ، سد بارہ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور بہ منت و ساجت اور اللہ کے واسطے دے دے کر اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا اور کہا: ”میں آپؑ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپؑ اس ارادے سے بازاں آئیں اور اپنے آپؑ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ کوئے والے صحیح لوگ نہیں ہیں، فریب کار ہیں، وہ آپؑ کو جنگ میں جھوک کر خود ایک طرف ہو جائیں گے۔“

حضرت حسینؓ نے فرمایا: ”بیشک آپؑ کا مشورہ ناصحانہ اور ہمدردانہ ہے مگر میں

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 8/ 161-165، والكامل لابن الأثير: 3/ 275-276.

۶۰۰۔ حضرت حسین بن علیؑ کی کوفہ روانگی

292۔

نے روانگی کوفہ کا عزم کر لیا ہے۔ ”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا: ”پھر ان عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لے جائیں، مجھے ذر ہے کہ مبادا آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان بن علیؑ کی طرح بچوں اور عورتوں کے سامنے شہید کر دیا جائے!!“ مگر حضرت حسین بن علیؑ نے دوسروں کی طرح ان کا بھی مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حالات و مشاہدات کی روشنی میں اپنی خداداد بصیرت سے یہ بات کہی تھی، ورنہ یہ بات نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی غیب کا علم تھا یا وہ رتبے میں حضرت حسین بن علیؑ سے بڑھ کر تھے۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے بھی موجودہ حکومت کے لظم و ضبط اور کوفیوں کے سابقہ منافقانہ ریکارڈ کو دیکھ کر ہی تھے جو اپنی جگہ بڑے صائب اور درست تھے۔

حضرت عمر بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسی جگہ جا رہے ہیں کہ جہاں کے لوگ درہم و دینار کے پرستار ہیں، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہ لوگ آپ کے مقابلے پر نہ آ جائیں۔

حضرت عبداللہ بن زیبر رضی اللہ عنہ باوجود دیہ کہ زیبر کے مخالف تھے، انہوں نے بھی حضرت حسین بن علیؑ کے اس سفر کو غیر تسلی بخش قرار دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑا اچھا مشورہ دیا۔ اور کہا: ”اے حسین بن علیؑ! آپ حجاز میں قیام کیجیے۔ اسی کو اپنا مسکن بنائیے۔ یہاں رہ کر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت و تیکیے اور اہل عراق سے کہیے کہ وہ یہاں آ کر آپ رضی اللہ عنہ کی مدد کریں، ہم لوگ بھی آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔“<sup>①</sup> مگر آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی کسی بات پر توجہ نہ فرمائی.....

بالآخر آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے روانہ ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ جب کے آئے تو تاریخ 3 شعبان 60ھ تھی۔ اور جب مکہ چھوڑ رہے تھے تو قمری تاریخ 8 ذوالحجہ 60ھ تھی، آپ رضی اللہ عنہ شعبان تا ذوالقعدہ مکہ ہی میں رہے، جب آپ رضی اللہ عنہ عازم کوفہ

<sup>①</sup> الكامل لابن الأثیر: 3/275، وتأریخ الطبری: 5/384.

ہوئے تو انگریزی تاریخ 9 ستمبر 680ء تھی۔

بہر حال آپؑ نے سب دوستوں اور بزرگوں کے مشوروں کو سن لیا، مگر بدستور اپنے ارادے پر قائم رہے۔ اور اپنے سفر پر نکل پڑے۔ جب یہ پائیزہ قافلہ مقام فاح پر پہنچا تو مشہور شاعر فرزدق جو محبت اہل بیت ﷺ تھا، آپؑ سے ملا۔ آپؑ نے اس سے عراق کے حالات دریافت کیے، اس نے کہا: ”عاليٰ جاه! ان لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں، لیکن تواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ آپؑ اگر اپنا ارادہ ملتی کر دیں تو بہتر ہے۔“ آپؑ نے اس کی بات پر بھی توجہ نہ فرمائی۔ اور اللہ کے نام پر اپنا سفر جاری رکھا، کچھ اور آگے پہنچ، تو عبد اللہ بن جعفرؑ کا خاص خط آپؑ کو ملا جس کا متن یہ تھا: ”میں آپؑ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، جو نبی میرا خط آپؑ کو ملے، آپؑ واپس لوٹ آئیں۔ جہاں آپؑ جا رہے ہیں وہاں اہل بیت کی بربادی ہے، آپؑ سفر میں جلدی نہ کیجیے۔ میں آپؑ کے پاس پہنچ رہا ہوں۔“

چنانچہ عبد اللہ بن جعفرؑ پہنچ گئے مگر حضرت حسینؑ نے ان کی بات نہ مانی اور سفر کے لئے چل پڑے۔ ابن جعفرؑ نے اپنے دونوں لڑکوں عون اور محمد کو برائے مدد اور خدمت آپؑ کے ہمراہ کر دیا اور دل پکڑ کر واپس چلے گئے۔ عبد اللہ بن جعفرؑ کو گورنر مدینہ کا خط بھی اپنے ساتھ لائے تھے کہ آپؑ واپس تشریف لے آئیں، آپؑ سے کوئی تعریض نہ کیا جائے گا، آپؑ کو عزت کی جگہ دی جائے گی، مگر آپؑ نے اس خط کو بھی کوئی اہمیت نہ دی۔<sup>①</sup>

اہن اشیرنے یہاں حضرت حسینؑ کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے، جو حضرت حسینؑ نے ابن جعفرؑ کو بتایا۔ آپؑ نے فرمایا کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے خواب میں حکم دیا ہے، میں اس کی بجا آوری کے لیے جا رہا ہوں لیکن اہن اشیرنے

① البداية والنهاية: 169/8، والكامل لابن الأثير: 3/276-277، وتاريخ الطبرى: 5/388.

حضرت حسینؑ کی کوفہ را لگی

66. 294

اس کا کوئی حوالہ یا سند نہیں بتائی، اس لیے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔  
بہر حال قافلے نے حضرت حسینؑ کے زیر قیادت اپنا سفر شروع کر دیا۔

اُدھر ابن زیاد کو جب آپؑ کے آنے کا علم ہوا تو اس نے پولیس کے اعلیٰ افسر حسین بن شمیر کو آپؑ کا راستہ روکنے پر مأمور کر دیا۔ اس نے قادیسیہ، قطع عطا نہ اور جبل لعل تک پورا کشرون سنبھال لیا۔ حضرت حسینؑ جب حاجز کے مقام پر پہنچ تو آپؑ نے قیس کے ہاتھ اہل کوفہ کو ایک خط بھیجا جس میں انہیں اپنے آنے کی اطلاع دی۔ لیکن پولیس نے قیس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا، ابن زیاد نے اسے محل کی چھت سے گرا کر شہید کر دیا۔<sup>②</sup>

حضرت حسینؑ جب بطن رملہ سے آگے بڑھے تو عبید اللہ بن مطیع ملے جو عراق سے واپس آ رہے تھے، انہوں نے کہا: ”اے ابن رسول! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں! آپؑ اپنے جد امجد ملک عظیمؑ کے حرم سے باہر کیوں نکلے؟“ آپؑ نے فرمایا: ”اہل کوفہ نے ہمیں بلایا ہے۔“ عبید اللہ نے کہا: میں اسلام اور قریش کی حرمت کے لیے آپؑ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپؑ اپنے اس ارادے سے بازا جائیں۔ اگر آپؑ نے خلافت کا دعویٰ کیا تو ضرور شہید کر دیے جائیں گے۔“ آپؑ نے فرمایا: ”جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے؟“<sup>③</sup>

عراق جاتے ہوئے جو شخص کوفہ کی طرف سے آپؑ کو آتا نظر پڑتا آپؑ اس سے اہل کوفہ اور مسلم بن عقیلؑ کے حالات دریافت کرتے۔ آذکو فیوں کے متعلق یہ پتہ چل گیا کہ ان کے سر کردہ آدمی تو ابن زیاد سے مل گئے ہیں اور عوام

① البداية والنهاية: 169/8، والكامل لأبن الأثير: 3/276-277. وتاريخ الطبرى: 5/388.

② الكامل لأبن الأثير: 3/277. والبداية والنهاية: 8/169-170. ③ الكامل لأبن الأثير:

کے دل ہمارے ساتھ ہیں جبکہ ان کی تلواریں بنی امیہ یعنی گروہ ابن زیاد کے ساتھ ہیں۔ پھر بمقام شعلیہ پہنچ کر آپ ﷺ کو مسلم بن عقیلؑ کی شہادت اور اہل کوفہ کی غداری اور اسی طرح کی دیگر تفصیلات معلوم ہوئیں۔ حضرت مسلمؓ اور ان کے عزیزان کی شہادت کا سن کر آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا اور آہ سرد بھر کر ۔إِنَّا يَلْهُو وَإِنَّا لِيَوْلُجُونَ<sup>①</sup> پڑھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو شدید دھچکا لگا۔ اور آپ ﷺ کچھ اور سوچنے لگے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

«لَمَّا بَلَغَهُ مَا فَعَلَ بَنُو عَمَّهُ مُسْلِمٌ بْنُ عَقِيلٍ تَرَكَ طَلَبَ الْأُمْرِ»

”جب آپ ﷺ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے<sup>③</sup> (خلافت حکومت کا) ارادہ ترک کر دیا۔“

محقیریہ کہ اس وقت آپ ﷺ کے سامنے پورے حقائق آگئے اور اہل کوفہ کی بے وفا کی اچھی طرح کھل گئی اور ایک فیصد بھی شبہ نہ رہا۔ اس سے آپ کے جذبات ماند پڑ گئے اور آگے اٹھنے والے قدمست پڑ گئے۔ کیونکہ بات آپ ﷺ کی توقع کے خلاف کچھ اور بن گئی۔ اور یہ کس قدر حرماں نصیبی تھی کوئیوں کی۔ جس کا صدمہ انہیں مسلم بن عقیلؑ اور سیدنا حسین اور دیگر اہل بیت ﷺ کی شہادت کے بعد بھی ہوا اور آج تک ہو رہا ہے۔



<sup>①</sup> البقرة: 2: 156. <sup>②</sup> تاريخ الطبرى: 5/ 386. ، والكامل لابن الأثير: 3/ 278 ، والبداية والنهاية: 8/ 170. <sup>③</sup> منهاج السنة: 2/ 248 .

## اہل کوفہ کی غداری

حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کی دوران سفر کچھ اور لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے قریب قریب یہی کہا:

”حضرت! آپ کوفہ کا ارادہ ترک فرمادیجیئے۔ وہاں مسلم بن عقیل اور ان کے چند ساتھی جورہ گئے تھے، انھیں بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے۔ اور ابن زیاد کی حکومت قائم ہو گئی ہے اور وہ اہل بیت کا بدترین دشمن اور نہایت شقی حکمران ہے۔ ہم حیران ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم پہلے دن یہی سے اہل کوفہ پر کیسے یقین کر گئے؟ وہ تو شروع سے بے وقاری اور غداری کرتے چلے آئے ہیں۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق صلی اللہ علیہ و آله و سلم سے غداری کی۔ عثمان غنی صلی اللہ علیہ و آله و سلم سے بغاوت کر کے انہیں شہید کیا۔ حضرت علی صلی اللہ علیہ و آله و سلم کو شہید کرایا، یہی وہ بے وفا لوگ تھے کہ جنہوں نے حضرت حسن صلی اللہ علیہ و آله و سلم کو نیزہ مار کر شدید زخمی کیا۔ اور ان کے نیچے سے مصلیٰ کھینچنے کی کوشش کی، یہ لوگ حد درجہ بے ادب، شاطر، گتارخ اور بے وفا ہیں۔ اور اب آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم سے بھی عہد و پیمان کرنے کے باوصف عہد شکنی اور وعدہ خلافی کر چکے ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم کو چھوڑ کر یزید کے طرفدار بن گئے۔“ اور کہا: ”اس وقت کوفہ کے حالات سخت محدود شد اور نازک ہیں۔ شہر اور اطراف میں فوجیں ہی فوجیں نظر آتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں، موجودہ حالات نہایت تشویش ناک اور لرزہ خیز ہیں۔ ہمارا مشورہ قبول تکمیلی اور آپ اپنا ارادہ سفر یکسر ملتوي فرمادیجیئے، اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھائیے۔“

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عزائم

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رُوبرو جب اہلِ کوفہ کی غداری اور بے وفائی کے حالات بیان کیے گئے، اور جب آپ رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے دو معصوم صاحزوں محدث اور ابراہیم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور چند دیگر محبان اہل بیت رضی اللہ عنہ کے دردناک قتل کی خبریں سنیں تو کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ واپس چلے جائیں یا کسی اور جگہ قیام کر لیں۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں اور بعض راہرو ملاقاتیوں میں سے بعض لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو جنگ پر مشتمل کیا اور مسلم بن عقیل، ان کے بچوں اور دوسرے لوگوں کے قتل کا انتقام لینے پر ابھارا۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ بار بار یہی فرماتے کہ میں ہرگز جنگ کرنا اور اہل اسلام کا خون بہانا نہیں چاہتا، میں امت میں فتنہ و فساد برپا ہونے سے خوف کھاتا ہوں۔ اور اگر، اللہ نہ کرے، ایسی صورت پیدا ہو بھی جائے تو میں جنگ کی ابتداء ہرگز نہ کر دوں گا۔<sup>①</sup>

آپ رضی اللہ عنہ مشکلات میں محصور ہو گئے۔ حالات نے نازک ترین صورت اختیار کر لی تھی۔ ابھی آپ رضی اللہ عنہ غور ہی فرمارہے تھے کہ کیا کرنا چاہیے اور کہاں جانا چاہیے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو این زیاد کی تدبیروں، سازشوں اور منصوبوں کے متعلق کئی قسم کی اطلاعات ملنے لگیں۔ اور یہ خبر بھی پہنچی کہ این زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کے ایسی قیس بن مسہر اور آپ رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی عبد اللہ بن مقطر رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کر دادیا ہے۔ یہ نوجوان

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/386، والکامل لابن الأثیر: 3/278، والبداية والنهاية: 8/170.

تحقیق میں آپ ﷺ نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔ عبد اللہ بن یقطر رضی اللہ عنہ کو محل کی چھت سے گرایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ کے انجر و خیر ثوب چکے تھے۔ اور سڑک پر چورا ہے میں پڑے سک رہے تھے کہ انھی کے گروپ کا ایک شخص عبد المؤمن بن عمیر آگے بڑھا اور خیر سے آپ رضی اللہ عنہ کو ذمہ کر دیا، لوگوں نے اسے برا بھلا کہا تو اس نے کہا: ”میں نے یہ کام عبد اللہ کو آرام و سکون پہنچانے کی خاطر کیا ہے کیونکہ میں ان کے سکنے کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔“<sup>①</sup>

یہ ہے نمونہ ان لوگوں کی اہل بیت ﷺ سے جھوٹی محبت کا۔ إِنَّا لِلَّهِ

اور یہ تھے وہ لوگ جو حضرت حسین بن علیؑ کے لیے بے تاب رہتے تھے کہ کب ہمارے درمیان روتی افروز ہوں۔ اور ہم آپ کی خدمت سے شاد کام ہوں۔ حضرت حسین بن علیؑ کو جب قیس اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈب بگیں، اور آپ نے یہ آیت پڑھی:

٤٠ فَيَنْهَا مَنْ قَضَى نَحْبَةً وَمَنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ٤١ وَمَا يَدْلُوْ أَتَبْدِيلًا

”ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض ان میں سے نذرانہ شہادت پیش کرنے کا انتظار کر رہے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔“<sup>③</sup>



① تاریخ الطبری: 5/386، والکامل لابن الأثیر: 3/278، والبداية والنهاية: 8/170. ② الہدایہ والنهاۃ: 8/175-176، وتأریخ الطبری: 5/405.

## راستے مسدود، پھرے ہیں کڑے

اثنائے سفر سیدنا حضرت حسین علیہ السلام کو یہ خبر ملی کہ ابن زیاد نے اُن تمام راستوں اور سڑکوں پر کڑے پھرے بھاڑیے ہیں جن پر آپ علیہ السلام نے سفر کرنا ہے یا کر رہے ہیں۔ اور تمام مقامات پر سخت احکامات پہنچا دیے ہیں کہ جہاں حضرت حسین علیہ السلام میں انھیں گرفتار کر لیا جائے۔ کیونکہ ابن زیاد کو حضرت حسین علیہ السلام کی مدد سے روانگی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ اس نے اُن راستوں پر لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی۔ اور اس طرح حضرت حسین علیہ السلام کو محصور کر لیا گیا تاکہ یہ لوگ واپس جاسکیں نہ آگے بڑھ سکیں۔ اور مقصد اس سے یہ تھا کہ اس طریق سے آپ علیہ السلام کو گھیر کر یزید کی اطاعت اور بیعت کے لیے مجبور کیا جائے۔

جب حضرت حسین علیہ السلام نے یہ حالات سنئے تو آپ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت دے دی کہ جو لوگ واپس جانا چاہیں، واپس چلے جائیں۔ جو میرے ساتھ رہنا چاہیں، وہ میرے ساتھ رہیں یہ اُن کی مرضی پر موقوف ہے۔<sup>①</sup>

### کوفیوں کی پہلی فوج

حضرت حسین علیہ السلام کے مقام سے روانہ ہوئے تو ٹھیک دوپھر کے وقت، جبکہ گرمی اور دھوپ اپنے جوبن پر تھی، ابن زیاد کا ایک کوفی لشکر جو ایک ہزار سا ہیوں پر

① الكامل لابن الأثیر: 3/278، والبداية والنهاية: 8/170.

۶۰۰ . 300

راستے مددو، پھرے میں کڑے

مشتعل تھا، خُر کی کمان میں آ پہنچا۔ اسے دیکھ کر حضرت حسین بن علی اور ان کے ساتھیوں نے ایک موزوں جگہ پر قبضہ کر کے پڑا وہ ذال دیا اور انہیں زیاد کی فوج بھی آپ ﷺ کے بال مقابل اُتر پڑی۔ حضرت حسین بن علی نے دیکھا کہ خُر کے لشکر کے آدمی اور سواری کے جانور پیاس سے ندھال ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جس قدر پانی موجود ہے ان کو پلا دو۔ چنانچہ انسانوں اور حیوانوں کو سیراب کیا گیا۔ اللہ اکبر ایہ ہے خلقِ حسین بن علی جو آپ ﷺ کو نانا جان ﷺ کی طرف سے ملا تھا کہ جانی دشمن پر بھی لطف و کرم ہو رہا ہے۔

اتنے میں ظہر کا وقت ہو گیا، آپ ﷺ نے اپنے موذن سے اذان دلوائی۔ خود کپڑے تبدیل کیے اور نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ خُر اور لشکر انہیں زیاد نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ پھر عصر کی نماز بھی اسی طرح حل کر پڑھی گئی۔<sup>②</sup> اس کے بعد آپ ﷺ خُر کے لشکر میں تشریف لائے۔ اور ایک بیغ تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے:

”اے کوفہ والو! کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جنہوں نے متواتر اور متعدد خطوط لکھ کر اور پیغامات بھیج کر مجھے بُلایا؟ اور اپنی وفاداری اور جان ثاری کا یقین دلایا؟ بیعت کر کے ہٹے ہٹے عہد و پیمان باندھے؟ اگر تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو اپنے وعدوں کو یاد کرو۔ اگر تم مجھے ناپسند جانتے ہو تو میں یہیں سے واپس ہو جاتا ہوں۔“

کوفیوں نے آپ ﷺ کے یہ الفاظ سنبھل کر خطوط کے لکھنے اور بھیجنے سے منکر ہو گئے۔ حضرت حسین بن علی نے اُسی وقت خطوں سے بھرے ہوئے دو تھیلے ان کے سامنے کھول دیئے اور فرمانے لگے:

<sup>①</sup> الكامل لابن الأثیر: 3/279، وتأريخ الطبرى: 401/5. <sup>②</sup> المنتظم لابن الجوزي: 335/5، والكامل لابن الأثير: 3/280.

”تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے تھا اور اس طرح مجھے دھوکا نہیں دینا چاہیے تھا۔ میں اسی لیے تھیں بار بار غور و فکر کی دعوت دیتا رہتا تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے قولوں، اپنی قسموں، اپنے عہدوں سے پھر جاؤ، سو وہی ہوا کہ تم بے وفا، بد عہد اور غدار ثابت ہوئے۔ اور مجھے ایسا فریب دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ میں کون ہوں؟ اور کیا چاہتا ہوں؟ سنو! مجھے موت کا ڈر نہیں ہے۔ اگر ڈر ہے تو یہی کہ ملت میں فتنہ پھیلیے اور خوزیریزی نہ ہو۔ لوایب میں واپس جاتا ہوں کہ میرے لیے یہی بہتر ہے۔“<sup>①</sup>

## حر کی مراجحت

حضرت حسین رض کی تقریب سن کر حر نے کہا..... ”آپ رض واپس نہیں جاسکتے۔ این زیاد کا حکم ہے کہ ہم آپ کو کوفہ لے چلیں۔“

حضرت حسین رض نے فرمایا:

”اللہ کی پناہ! کوفہ جانے سے تو مر جانا اور قتل ہو جانا بہتر ہے۔“  
اس پر حر اور حضرت حسین رض میں تکرار شروع ہو گئی۔ حضرت حسین رض واپس جانے پر اصرار کرتے تھے اور حر کوفہ جانے پر زور دیتا تھا۔ آخر حر نے کہا: ”مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ آپ سے جنگ کروں۔ مجھے صرف یہ حکم ہے کہ آپ کو کوفہ لے جاؤں۔ اگر آپ کوفہ جانے کے لیے نہیں مانتے تو پھر آپ جاز اور کوفہ کے درمیان کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو قابلِ اعتراض نہ ہو۔“<sup>②</sup>

یہ باتیں بھی ہو ہی رہی تھیں کہ این زیاد کا ایک کوئی قادر اونٹ کو سر پٹ بھگاتا

① تاریخ الطبری: 402، 401/5. ② البداية والنهاية: 8/ 174-175، والکامل لابن الأثير:

.402/3، وتاریخ الطبری: 5/ 280.

60 . 302

راستے مددو، پھرے پیں کڑے

ہوا آپ بہنچا۔ اور گر کو این زیاد کا ایک خط دے کر زبانی پیغام بھی دیا کہ این زیاد نے حکم دیا ہے کہ حسین بن علیؑ کو فوراً ایسے مقام پر محصور اور نظر بند کر دیا جائے جہاں نہ پانی ہونے پناہ لینے کی جگہ، انہیں زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچائی جائے اور اس حکم کی فی الفور تعمیل کی جائے۔ خط میں بھی یہی مضمون تھا۔ اور یہ بھی درج تھا کہ جو اپنی خط لے کر آ رہا ہے۔ اسے اپنا نگران سمجھو اور اس کے سامنے میرے حکم کی تعمیل کرو۔

گر نے خط پڑھ کر حضرت حسین بن علیؑ کو بھی سُنا یا اور کہا کہ مجھے آپ کے محاصرے کا حکم ملا ہے۔ اور میں نے قاصد کے سامنے این زیاد کے فرمان پر عمل کرنا ہے۔ پس آپ بن علیؑ فوراً کسی ایسی جگہ قیام کر لیں جہاں نہ پانی ہونے آبادی، نہ کنوں، نہ چشمہ، نہ کوئی جائے پناہ ہو۔ حضرت حسین بن علیؑ نے تین مقامات بتائے۔ مگر گر نے اجازت نہ دی اور کہا کہ اگر میں ایسی جگہ آپ بن علیؑ کو ٹھہر نے بھی دوں تو میرا نگران فوراً این زیاد کو اطلاع دے کر مجھے کڑی سزا دلوائے گا۔<sup>①</sup>

حضرت حسین بن علیؑ کے بعض رفیقوں نے آپ بن علیؑ کو مشورہ دیا کہ موجودہ صورتِ حال بہت نازک ہے۔ بہتر ہے کہ گر کے لشکر سے جنگ کی جائے۔ ورنہ بعد میں اور فوج آگئی تو پھر مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر حضرت حسین بن علیؑ نے انکار کیا اور فرمایا: ”میں ہرگز نہیں چاہتا کہ لڑائی کا آغاز ہماری طرف سے ہو۔ ہمیں صبر کرنا اور اطمینان سے حالات کا انتظار کرنا چاہیے۔“ آپ بن علیؑ نے یہ بھی فرمایا: ”یہ سب کچھ مجھے جھکانے کے لیے ہو رہا ہے، جو ناممکن العمل ہے اور اس سے جان دے دینا بہتر ہے۔“

دشت کربلا

گرامی منزلت حضرت حسین بن علیؑ جب تھوڑی دور جا کر علاقہ ”نینوا“ کے میدان

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/408، والکامل لابن الأثیر: 3/282.

۱۰۰ راستے مددو، پھرے ہیں کڑے

کربلا میں پہنچ تو حُر اور اس کے شکر نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کو روک لیا اور وہیں قیام کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ حضرت حسین علیہ السلام بدھ کے روز یکم محرم المحرام 61ھ کو کربلا میں اقامت گزیں ہوئے۔ یہ میدان نہر فرات کے قریب ہے اور یہ جگہ ایک طویل ریگ زار ہے جہاں درخت تو کجا گھاس تک نہ تھی۔ نہ دانہ، نہ پانی، نہ سایہ، نہ اوث۔ اور گرمی اس شدت کی کہ الاماں!<sup>①</sup>

زمین کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا۔ چندو پرند "اعطش، اعطش،" پکار رہے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ آفتاب کی شعاعوں سے ریت اس طرح چمکتی تھی جیسے آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوں۔ بہت بھی انک اور خوفناک مناظر تھے، ہر طرف اداسی، گھبراہٹ اور حسرت طاری تھی، اس جہنم زار کی آتشیں لوکیں اور سوم و صرصر کی آگ میں پلی ہوئی لپٹیں ہر شے کو جلس کر بے جان بنا رہی تھیں۔ اسی میدان کر بلا کو "دشت طف" بھی کہتے ہیں، حضرت حسین مظلوم ﷺ کا خون یہیں بہنا تھا۔ اللہ۔

حضرت حسین علیہ السلام نے کربلا میں آ کر خیمے نصب کرائے جن کی ترتیب یہ رکھی گئی کہ سب سے پیچھے اہل بیت ﷺ اور خواتین کے خیمے تھے۔ اس سے آگے اعزہ و اقارب کے۔ پھر خدام و انصار کے، پھر مجاہدین و جان ثاران خاص کے۔ علاوہ بریں دوسری ضروریات کے لیے کچھ چھولداریاں بھی کھڑی کی گئیں۔ اور چاروں طرف خندق کھود کر ایک جگہ آمد و رفت کے لیے رکھ لی گئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دشمن کی سمت آگ روشن کی گئی تاکہ وہ آسانی سے اس طرف نہ آ سکے، یہ صرف حفاظتی تدابیر اور دفاعی طریق کا رہا جو موجودہ حالات کے پیش نظر عین موقع پر اختیار کرنا پڑا۔ ورنہ آپ ﷺ نے ارادہ لے کر آئے تھے اور نہ جنگ کرنا چاہتے تھے۔ نہ اس حادثہ فاجعہ کو جنگ کا نام دینا چاہیے۔

(۱) تاریخ الطبری: 5/408، والکامل لابن الأثیر: 3/282.

### ابن سعد کا شکر

حضرت حسین عليه السلام کے کربلا میں آنے کے دوسرا دن عمرو بن سعد بھی چار ہزار کا شکر لے کر کوفہ سے آگیا۔ لکھا ہے کہ جب ابن زیاد نے اس کو حضرت حسین عليه السلام کے خلاف شکر کشی کرنے اور ان سے لڑنے کا حکم دیا، تو اس نے ہر چند انکار کیا۔ لیکن ابن زیاد نے اس کو بہت حکمیات دیں اور اس سے ”زے“ کی گورنری واپس لے لینے اور آئندہ ہر قسم کے عہدوں اور وظیفوں سے محروم کر دینے کا ڈراوا دیا۔ اس سے خائف ہو کر ابن سعد رضامند ہو گیا اور چار ہزار فوج کا کمانڈر بن کر کربلا میں پہنچ گیا۔<sup>①</sup> اب خدا کا شکر بھی عمرو بن سعد کے شکر سے مل گیا اور فوج کی کل تعداد پانچ ہزار ہو گئی۔

بہتر (72) بے یار و مددگار، بے کس و بے بس، بے ہتھیار اور نہتے مظلومین کے مقابلے میں پانچ ہزار اشقياء کی مسلح اور تازہ دم فوج! اللہ اکبر کسی نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھا ہے؟

عمرو بن سعد نے ارض طف میں پہنچ کر حضرت حسین عليه السلام کی خدمت میں اپنا سفر روانہ کیا۔ اور پوچھا کہ آپ عليه السلام کا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟

آپ عليه السلام نے جواب دیا:

”میں یہاں خود نہیں آیا ہوں، بلکہ مجھے بلایا گیا ہے۔ یہی اہل کوفہ جو ہزاروں کی تعداد میں تمہارے ساتھ ہیں انہوں نے خط پر خط لکھ کر مجھے دعوت دی ہے۔ اب اگر ان کے ارادے اور دل بدل گئے ہیں تو کوئی بات نہیں۔ میرا ارادہ یہی ہے کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔“<sup>②</sup>

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/409، والکامل لابن الأثیر: 3/283. <sup>②</sup> تاریخ الطبری: 5/410، والکامل لابن الأثیر: 3/283.

رائے مددو، پھرے ہیں کڑے ۔ 305

حضرت حسینؑ سے یہ جواب پا کر ابین سعد نے آپؐ کی خواست کے ارادے سے ابین زیاد کو آگاہ کیا۔ اور لکھا کہ حسینؑ ابین علیؑ پس مکہ معظمہ جانا چاہتے ہیں۔ آپؐ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ عبید اللہ بن زیاد نے خط پڑھا تو بڑے چٹکارے لیکر یہ شعر لگانیا۔

الآن إِذْ عَلَقْتْ مَخَالِبُنَا يَه  
يَرْجُوا النَّجَاهَ وَلَاتَ حِينَ مَنَاصِ

”اب وہ ہم سے چھکارا پانے کے متینی ہیں حالانکہ خلاصی حاصل کرنے کا وقت گذر گیا ہے اور وہ ہمارے دام میں جکڑے جا چکے ہیں۔“<sup>①</sup>

پھر ابین زیاد نے ابین سعد کو لکھا: ”حسین سے کہہ دو کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے تمام ساتھیوں، دوستوں اور رشتہ داروں سمیت یزید کی بیعت کر لیں۔ اور اس کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس کے بعد غور کیا جائے گا کہ ہمیں ان کے معاملے میں کیا کرنا چاہیے۔“

اس خط سے ابین سعد کو تشویش لاحق ہوئی۔ اور اس نے تعییل حکم میں تأمل کیا۔ لیکن ایک مجرخولی نامی نے، جونہایت شقی و قسی اور دشمن اہلی بیت ﷺ تھا، ابین زیاد کو عمر و بن سعد کی کوتا ہیوں اور غلطتوں کی اطلاع دے دی۔ جس سے ابین زیاد سخت برہم اور مشتعل ہوا۔ اس نے فوراً ایک عتاب نامہ ابین سعد کے نام رو انہ کیا کہ ”اگر حسین فوراً یزید کی بیعت کو تیار ہو جائیں اور ہماری اطاعت قبول کر لیں تو بہتر ہے۔ ورنہ فرات کا پانی آج ہی ان پر بند کر دیا جائے۔ اور ان کو یا ان کے ہمراہیوں کو ایک قطرہ آب نہ لینے دیا جائے۔ یہودی، کافر، منافق، مشرک، پندے اور حیوان تو فرات

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 410/5، والکامل لابن الأثیر: 283.

کا پانی پی سکتے ہیں لیکن حسین اسے چھو بھی نہیں سکتے۔<sup>①</sup>  
 واضح رہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رض پر بھی با غیوب نے تین روز  
 اور بقول بعض 45 یوم تک آب و دانہ بند کیے رکھا۔ یہاں تک کہ آپ رض کو شہید کر  
 دیا گیا۔ <sup>②</sup> إِنَّا لِلّهِ أَوْرَادُنَا سَلَةُ ظُلْمٍ حَسْنَانَ ذَلِيقَةٌ پر ظلم ہی سے شروع ہو چکا تھا۔

### بندشِ آب

جس وقت انہی زیاد کا نامہ غضب عمرو بن سعد کو پہنچا اُس نے تعیل حکم میں ذرا درینہ کی۔ پانچ سو سواروں کا دستہ فرات پر جا بجا متعین کر دیا۔ اور حضرت حسین رض اور آپ رض کے رفقاء و متعلقین پر کامل طور پر پانی بند کر دیا گیا۔ جو ظلم و شقاوت کی انتہاء تھی۔ اور اس سے بھی اشقياء کا یہی مقصد تھا کہ جب حسین رض اور ان کے ساتھی پیاس سے جاں بدل ہوں گے تو اطاعت قبول کر لیں گے اور فوراً نجٹ ک جائیں گے۔۔۔۔۔  
 تہذیب و ترقی کے موجودہ دور میں بھی یہی ہوتا ہے کہ حکومتیں جب آپس میں ٹکراتی اور نبرد آزما ہوتی ہیں تو ان کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کے راش اور پانی کے ذخیرے یا تو تباہ کر دیئے جائیں یا ان پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ دشمن نگ آ کر گھٹنے لیک دے۔ لیکن اسلام نے ایسے ظلم و تم میں منع کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ دشمن بے رحمی کرے تو الگ بات ہے مگر مسلمانوں کو ظلم سے باز رہنا چاہیے۔ حسین رض چونکہ عامل کتاب و سنت تھے اور سینے میں نرم دل رکھتے تھے۔ انہوں نے خُر کی کمان میں آنے والے انہی زیاد کے ایک ہزار پاہیوں کو پیاس سے نٹھاں دیکھ کر پانی سے شاداب کیا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے لیکن انہی زیاد شقی نے اس کا بدلہ آپ رض کو یہ دیا

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/410، والکامل لابن الأثیر: 3/283. <sup>②</sup> تاریخ الطبری: 4/385 وما بعدہ، والمنتظم لابن جوزی: 15/54, 55.

کہ آپ ﷺ کو قطرہ آب تک سے محروم کر دیا۔ کس قدر فرق ہے نواسے رسول ﷺ اور دشمنانِ اہل بیت ﷺ میں۔ ایک سراپا سعادت ہے اور دوسرا سراپا شقاوت۔ ایک مجسم محبت ہے دوسرا سراسر بغض۔ ایک پیدائشی ایثار پیشہ ہے دوسرا فطرتی ستمگار۔

### حضرت حسینؑ اور ابن سعدؑ کی ملاقات میں

اس اثناء میں عمرو بن سعد اور حضرت حسینؑ کے درمیان ملاقات میں ہوتی رہیں کبھی امام موصوف اس کے پاس جاتے، کبھی وہ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حالاتِ حاضرہ پر گفت و شنید ہوا کرتی۔ عمرو بن سعد نے کہا: ”ابن علی! آپ نے دیکھ لیا کہ اہل کوفہ نے آپ سے کیسی دعا کی۔ اور کس طرح طوطے کی طرح آپؑ سے آنکھیں پھیر لیں۔ اب حالت یہ ہے کہ جنگ اٹل ہو گئی ہے۔ ابن زیاد آپؑ کو یونہی نہیں چھوڑے گا۔ آپ اپنی آخری اور انتہائی خواہش کا اظہار کریں۔ شاید مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ اور جنگ کی تباہ کاریوں سے فریقین فتح جائیں۔“

سیدنا حضرت حسینؑ نے کچھ اضافے کے ساتھ پھر اپنے الفاظ ڈھرائے اور فرمایا: ”میں جنگ نہیں چاہتا۔ میں ہمیشہ سے مسلمانوں کے افتراق اور ان کی خونزیزی کی خلاف ہوں۔ اور اب بھی میری یہی خواہش ہے کہ لڑائی سے بہر صورتِ احترام کیا جائے۔ مجھے کے یاد میں جانے دیا جائے۔ اگر یہ نہیں تو میں کسی ذور و راز ملک میں چلا جاؤں گا اور یہ بھی متظور نہیں تو پھر مجھے یہی کے پاس جانے کا موقع دیا جائے۔ تاکہ اس سے بال مشافع گفتگو کروں۔“<sup>①</sup>

عمرو بن سعد جو شکر ابن زیاد کا لمکان رکھا آنحضرت ﷺ کے ماموں حضرت سعدؓ کا بیٹا تھا۔ آنحضرت ﷺ حضرت سعد بن ابی وقارؓ کا بہت احترام فرمایا کرتے

① الكامل لابن الأثير: 3/284۔ اس کی وضاحت آگے آرہی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ . رَأَيْتَ مَسْدُوراً، پَهْرَے بِينَ كَزَّاءِ

تھے۔ حضور ﷺ سے ان کے بارے میں کتب حدیث میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:  
”فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي“ ”آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔“ حضرت سعد بن عباد  
بڑے اعلیٰ پائے کے تیر انداز تھے۔ حضرت سعد بن عباد اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حضور  
اکرم ﷺ نے ان کی تیر اندازی دیکھ کر فرمایا تھا:

«هَذَا خَالِي فَلْيُرِنِي أَمْرُءَ خَالَهُ»

”یہ میرے ماہوں ہیں۔ کوئی شخص میرے ماہوں جیسا اپنا ماہوں تو دکھائے؟“<sup>①</sup>  
حضرت سعد بن عباد کا شمار عشرہ مبشرہ صحابہ ﷺ میں بھی ہوتا ہے، مختصر یہ کہ عمرو ان کا  
بیٹا تھا۔ (لوگ عموماً سے عمر بن سعد پڑھتے اور بولتے ہیں لیکن یہ عمر و بن سعد ہے،  
عربی کا قاعدہ ہے کہ عمر کے بعد جب ”و“ آئے تو بجائے عمر کے عمر و پڑھا جاتا ہے۔)  
ویسے یہ حضرت حسین بن علی کا احترام کرتا تھا۔ شروع میں بہ طابق ”نَاجِ الْتَّوَارِخِ“ اس  
نے آپ کے مقابلے میں آنے سے انکار کر دیا تھا، مگر مجبوراً آپ کے سامنے آگیا اور  
”مجبوری“ کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ بہر حال مقابلے میں آگیا۔ اس نے حضرت  
حسین بن علی سے جو بات چیت کی، وہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت حسین بن علی نے  
جب تین شرائط پیش کیں تو عمرو بن سعد بہت مسرور اور مطمین ہوا کیونکہ یہ ذاتی طور پر  
صلح چاہتا تھا، اس نے اہنی زیاد کو لکھا کہ ”اللَّهُ تَعَالَى نے جنگ کے شعلوں کو بجھادیا ہے،  
اور رنجیدہ باقوں کو دُور کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اصلاح امت کی کوئی صورت نکل  
آئے گی۔ حسین بن علی نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ یا تو انھیں جہاں سے آئے ہیں وہیں  
بھیج دیا جائے، یا انھیں کسی دوسری سرحد کی جانب جانے کی اجازت دی جائے، اور یا  
انہیں امیر یزید کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ وہ خود اس سے بات چیت کر لیں۔ اور جو

<sup>①</sup> صحيح البخاري، المعازى، باب «اذهمت طائفتان منكم ان تفشلوا»، حديث: 4059-4055،  
وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص، حديث: 2411.

کچھ ان کے درمیان فیصلہ ہو، اس پر فریقین عمل کریں، میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ کا مطالبہ امید افزایا اور باعث مسرت ہے۔ اسے تسلیم کرنے سے سب کا بھلا ہو گا۔<sup>①</sup>

### شہر کی شیطنت

ابن زیاد بھی یہ خط پڑھ کر ذرا مطمئن ہوا، اور مناسب تدبیر سوچنے لگا۔ لیکن جب شہزادی الجوش سے رائے لی، تو اُس نے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”ابن سعد کو مصالحت یا عہد معاهدہ کرانے کا کیا اختیار ہے.....؟ اگر حسین اس وقت ہاتھ سے نکل گئے تو پھر قابو میں نہ آئیں گے۔ اور اپنی طاقت بڑھا کر ہمیں تباہ کر دیں گے، اب صرف ایک صورت ہے کہ یا تو حسین ہماری اطاعت کریں اور یزید کی بیعت کر لیں یا ان سے جنگ کی جائے۔“

ابن زیاد نے شہر کی رائے بن کر اسے پسند کیا۔ اور اس کی تعریف کی اور کہا: اب میں تمھیں روانہ کرتا ہوں، اس (ابن زیاد) نے اسی وقت عمرو بن سعد کے نام ایک حکم نامہ لکھا: ”اگر حسین ﷺ اور ان کے ساتھی اطاعت کر لیں تو ان کو پُر امن طور پر میرے پاس بھیج دو۔ اگر انکا کار کریں تو فوج کی کمان شمر کو دے دو اور حسین سے لڑائی کر کے ان کا سرتن سے جدا کر کے یہاں روانہ کرو اور ان کی لاشوں کا مُلہ کرو، یا گھوڑوں سے رندوا اور شہر کے تابع رہو، وہ جو مشورہ دے اسے قبول کرو، کام میں تاخیر نہ ہونے دو، اپنی رائے کو صحیح اور صائب (درست) نہ سمجھو اور اپنے آپ کو خود مختار اور مطلق العنان مت خیال کرو۔“<sup>②</sup>

### شہر کی کمان داری

شقی القلب شہر، ابن زیاد کا حکم نامہ لے کر ابن سعد کے پاس پہنچا جسے پڑھ کر

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/411. <sup>②</sup> الكامل لابن الأثیر: 3/284، وتاریخ الطبری: 5/414.

ابن سعد بہوت رہ گیا کہ یہاں تو مصلحت کی سہیل بن رہی تھی اور تو قع تھی کہ بھڑکتی ہوئی آگ خندی ہو جائے گی مگر یہ کیا بن گیا کہ سارا کام ہی بگز گیا۔ یہاں تک اس کی سوچ اچھی تھی۔ کاش! وہ بھی خر کی طرح ایمانی جرأت سے کام لیتا اور عزت و منصب پر لات مار دیتا اور پیکر حلم و شرافت نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول حضرت حسین بن علیؑ کے مقابلے میں نہ آتا۔

شر نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ سوار فوج کی کمان عمرو بن سعد کو دے دی اور پیدل لشکر کا کمانڈر خود بن گیا۔ پھر حضرت حسین بن علیؑ کو کہلا بھیجا کہ اگر اطاعت کر لیں تو بہتر، ورنہ جگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ لیکن حضرت حسین بن علیؑ نے ابن زیاد کی اطاعت پر شہادت کو ترجیح دی اور کہا: اگر تم مجھے یزید کے پاس جانے والوں بہت مناسب ہے۔ جو صورت بہتر ہوئی میں اختیار کرلوں گا۔ شر نے کہا: یوں نہیں ہو سکتا۔ آپ علیؑ کو ابن زیاد کی بیعت کرنا ہوگی، اور گورز کوفہ کی بیعت امیر یزید ہی کی بیعت منصور ہوگی۔ آپ علیؑ نے فرمایا ”میں سر کتا تو سکتا ہوں مگر تمہارے یا ابن زیاد کے آگے جھکا نہیں سکتا۔“<sup>①</sup> دشمن کے سامنے ایسا جواب کوئی معمولی بات نہ تھی، بہت بڑی بات تھی۔ آپ علیؑ شیر تھے۔ شیر خدا کے لخت جگر تھے۔ آپ علیؑ میں جرأت و غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور پھر یہ جرأتمندانہ جواب مد مقابل کو اس وقت دیا جبکہ آپ نہتے تھے۔ ساتھ چند جوان..... باقی خواتین اور بچے تھے، اسلحہ بھی برائے نام تھا۔ اور ٹھاٹھیں مرتا ہوا کوئی سپاہ پر مشتمل مہیب لشکر سامنے تھا، اللہ اکبر۔ سلام ہے سیدنا حضرت حسین بن علیؑ کے ایمان و ایقان، شجاعت و بسالت اور جرأت و دلیری پر۔ آپ علیؑ بے دین اور ظالم گروہ کے سامنے دبے، نہ جھکے، نہ بکے۔ ہمارے زمانے کے اصحاب جب و دستار، عقیدت کیشان اہل بیت علیؑ، اہل سیاست، سادات کرام اور ارباب

① الكامل لابن الأثیر: 3/284، و تاریخ الطبری: 5/414.

علم فضل کو بھی اسوہ حسین ﷺ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اللہ توفیق دے۔ آمین!  
 شر وہ سفا ک اور درندہ خصلت شخص تھا کہ جس نے طاقت کے بل بوتے پر حضرت  
 حسین ﷺ کو دبانتا چاہا۔ اور حالات کو خراب کرنے میں بھر پور کردار ادا کیا۔ کاش! یہ  
 تپڑہ باطن، عقل کے ناخن لیتا۔ اپنے رشتے اور آپ ﷺ کے عظیم و رفیع مقام کو پہچانتا  
 اور مفاهیمت کی کوشش کرتا۔ لیکن اس نے کام سنوارنے کے بجائے اور بگاڑ دیا۔ اور  
 تاریخ کا رخ ہی موڑ دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا جہاں کی پھنسکاریں مول لے  
 لیں۔ سب لوگ شر کو سفا ک لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ کوئی شخص اپنے بچے کا نام شر  
 رکھنے پر تیار نہیں۔ لیکن اس کے بر عکس حضرت حسین ﷺ کو ہر شخص عزت و قدر کی لگاہ  
 سے دیکھتا ہے۔ جب بھی صبر و حلم، سردانگی و شجاعت، حیاء و فوا، شرافت و عدالت،  
 تزکیہ و طہارت اور علم و جلالت جیسے اوصاف جلیلہ کا ذکر آتا ہے تو حضرت حسین ﷺ کا  
 نام آنکھوں کے سامنے ضرور آتا ہے۔ لوگوں کو ان خوبیوں پر فخر ہے مگر ان خوبیوں کو  
 حضرت حسین ﷺ پر فخر تھا۔ ہر شخص آپ ﷺ سے محبت اور عقیدت سے اپنے بچوں کے  
 نام آپ ﷺ کے نام مبارک پر رکھتا ہے کہ شاید اس میں بھی وہ جو ہر پیدا ہو جائیں جو  
 آپ میں تھے۔ اور کچھ نہیں تو ایک گونہ حضرت موصوف ﷺ سے نسبت و محبت کا مظاہرہ  
 ہو جائے۔ عالی مقام حضرت حسین ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی کروڑوں اربوں رضا میں ہوں۔  
 اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی اور اہل بیت ﷺ کی محبت و عقیدت میں اور بڑھادے۔  
 (آمین ثم آمین!)

حضرت حسین ﷺ سے محبت دراصل نبی کریم ﷺ سے محبت اور نبی کریم ﷺ سے  
 محبت حقیقت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے محبت ہے۔



## چند اہم نکات

رب تعالیٰ کی شان دیکھیے کہ ایک وہ وقت تھا جبکہ حضرت حسین رض کے سب دوست احباب، اعزہ اور ہی خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سفر سے روک رہے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی بات پر کان دھرنے اور اپنا پروگرام ملتوی کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اور ایک یہ وقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانا چاہتے ہیں، مگر خرمان رہا ہے نہ عمرو بن سعد۔ اور اگر ان کے ارادے میں کوئی لپک پیدا ہوتی ہے، تو انہی زیادتیں مانتا، اور اگر انہیں زیاد قدر رے مائل ہوتا نظر آتا ہے، تو تیرہ بخت شرذی الجوش حائل ہو جاتا ہے، سچ کہا قرآن حکیم ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ اور تم وہی چاہتے ہو جو اللہ رب العالمین چاہتا ہے، (مطلوب یہ کہ) اللہ کی چاہت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔<sup>①</sup> اللہ کرے، ہماری سمجھ میں بھی یہ بات آجائے۔

درحقیقت یہ حضرت حسین رض کا اپنا پروگرام نہ تھا، یہ نوٹھے تقدیر تھا جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے بس تھے۔ کیا خوب کہا اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ۔۔۔  
بزور بازوئے تقدیر تدبیریں نہیں چلتیں

یہاں سے دو ایک باتیں اور بھی معلوم ہوں گی اور وہ موعظت کی باتیں ہیں جو عقیدے سے تعلق رکھتی ہیں، جنہیں دبانے کے بجائے بتانا چاہیے۔ شاید کسی کا بھلا ہو

. ① النکور 81: 29

جائے، مثلاً یہ کہ حضرت حسین بن علی عالم الغیب نہ تھے، کیونکہ اگر آپ بن علی عالم الغیب ہوتے تو حالات معلوم کرنے کے لیے مسلم بن عقیل بن علی کو پیشگی روانہ نہ کرتے اور اس پر خطر سفر کا عزم نہ فرماتے۔ راجحہوں سے وہاں کے حالات دریافت نہ کرتے عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لاتے۔ مسلم بن عقیل پر ہونے والے مظالم اور ان کی شہادت سے پوری طرح باخبر ہوتے، اور قیس بن مسہر اور عبد اللہ بن یقطر کو کوئے نہ بیجھتے۔ اس مسئلے کو قرآن مجید نے خوب حل کر دیا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ﴾

”اے محمد (مصطفیٰ علیہ السلام)! کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔“<sup>①</sup>

﴿جِئِیسا کہ دوست سمجھتے ہیں کہ امام، عالم مَا کَانَ وَمَا يَكُونُ ہوتا ہے، یہ عقیدہ صحیح نہیں۔ قرآن مجید برخلاف کہتا ہے کہ یہ منصب صرف اللہ کا ہے، امام تو رہا الگ کوئی نبی ولی بھی اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ میں شریک ہے نہ شریک ہو سکتا ہے۔ جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن مجید کے خلاف دعویٰ کرتا ہے۔

﴿یہاں سے دوسری یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرت حسین بن علی مشکل کشا اور مالک و مختار نہیں تھے۔ یہ منصب بھی محض اللہ تعالیٰ کا ہے، اور جو لوگ عقیدت و محبت میں آپ علی علیہ السلام کو مشکل کشا اور مالک و مختار کہہ دیتے ہیں، بہت بڑی غلطی کا شکار ہیں۔ آپ غور فرمائیے کہ جو خود مشکل میں گرفتار رہا ہو، وہ بھلا مشکل کشا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو اتنا عاجز و درماندہ ہو کہ نہ واپس جانے کی قدرت رکھتا ہو اور نہ اپنے آپ کو اور اپنے قافلے کو دشمن سے بچا سکتا ہو، وہ بھلا مالک و مختار کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اور سیدہ فاطمۃ الزہراء علیہما السلام کے بارے میں اسی طرح کے گمان رکھنا صحیح

نہیں۔ جب وہ عظیم ہستیاں اپنی اولاد کو (جو محبوب ترین ہوتی ہے) دشمن کے چکر میں سے نہیں بچا سکیں تو ہمیں مصائب سے کیسے چھڑا سکتی ہیں؟..... یہ سب خوش فہمیاں اور سراسر خود را شیدہ نظریات و توهہات ہیں، جن کا حقیقت سے ڈور کا بھی واسطہ نہیں۔ ایسی سوچ اور فکر قرآن و حدیث سے متصادم ہے۔ اس لیے اسے بلا تاخیر بدلا چاہیے۔

اس جگہ ہم ایک بہت اہم بات بیان کرنا چاہتے ہیں، اور وہ اس مشہور خیال یا نظریہ کی تردید ہے کہ حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم اور یزید کے مابین جو معرکہ ہوا، وہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔ اسے حق و باطل کا معرکہ کہنا درست نہیں۔ یہ دلخراش اور المناک حادثہ ایک نوہنہ تقدیر تھا جو پیش آ گیا، ورنہ حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کے جذبات اور خیالات اپنی جگہ کتنے ہی پاکیزہ کیوں نہ ہوں، بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم جہاد و قتال کا ارادہ لے کر نہیں نکلے تھے، اگر آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم جہاد و قتال کا ارادہ لے کر نکلتے تو طاقتو اور آزمودہ کار جنگجوؤں کا ایک لشکر اپنے ساتھ لا تے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ صرف بہتر (72) افراد پر مشتمل ایک سختا منا ساقا فلہ تھا، جس میں اکثریت مستورات اور معصوم بچوں کی تھی اور گفتگو کے چند نوجوان تھے، جو فون حرب و ضرب سے بہت زیادہ واقف نہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم حکومت بنی امیہ کو کافر حکومت نہیں سمجھتے تھے جس کے خلاف جہاد و قتال ضروری ہو۔ اور پچھے بتایا جا چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم بس کوفہ کے گوشہ امن و راحت میں جا کر سکون و طمانیت کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے یا زیادہ سے زیادہ وہاں خلفائے راشدین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کے مطابق خلافت و حکومت کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ موجودہ حکومت پر آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلم کشادِ دل سے دشاد و مطمئن نہ تھے۔ آخر یہ حکومت خلفائے راشدین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کی حکومت جیسی تو تھی نہیں۔ بہ افرق آپ کا تھا جیسا کہ تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

جملہ موّخین نے لکھا ہے، جس کا خلاصہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم

جب کے سے عازم کوفہ ہوئے تو اجلہ اصحاب نبی اللہ نے آپ ﷺ کو جانے سے بہ اصرار و رکنے کی کوشش کی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ باطل کے خلاف معرکہ تھا تو اصحاب رسول نبی اللہ نے آپ ﷺ کو کیوں روکا؟ اگر بات ایسی ہی ہوتی تو کبار صحابہ نبی اللہ اس سفر سے منع کرنے کے بجائے آپ ﷺ کے ہمسفر ہوتے اور آپ ﷺ کی زیر قیادت جہاد کے لئے نکلتے۔

اگر حضرت حسینؑ کا کوفہ کے لیے نکلا واقعی باطل کے خلاف جہاد تھا تو آپ ﷺ نے جہاد جیسے اہم امر میں دعوت عام کیوں نہ دی؟ اور اپنے سفر میں رکاوٹ ڈالنے والوں کو مجرم اور گناہگار کیوں نہ کہا؟ کیونکہ باطل کے خلاف نکلا جہاد ہے اور جہاد سے روکنا گناہ کبیرہ ہے۔ خیر القرون اور بعد خیر القرون کے دور میں پیشک بہت فرق تھا مگر پھر بھی یہ فاسق، فاجر اور کافر حکومت نہ تھی۔ آپ ﷺ اس کے خلاف علم جہاد بلند کرتے تو کیوں کرتے؟

اگر حضرت حسینؑ باطل کے خلاف نکلے تھے تو آپ ﷺ نے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھ کر اپنے قافلے سے یہ کیوں فرمایا تھا:

”اب جس کا جی چاہے واپس ہو جائے میں کسی کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔“<sup>①</sup>

یعنی جب جہاد جیسے عظیم عمل کا وقت آیا تو شرکاء قافلہ کو بجائے باطل کے خلاف ابھارنے اور حکومت وقت سے نکل رینے کی ترغیب دینے کے آپ نے انھیں واپس جانے کی اجازت کیوں مرحمت فرمادی؟

اگر یہ باطل کے خلاف نکل تھی تو شعبیہ کے مقام پر حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر پا کر آپ ﷺ کے قافلے کے ساتھیوں نے بہ منت و سماجت آپ ﷺ کو واپس

<sup>①</sup> الکامل لا بن اثیر 3/278، البدایة والنہایة: 8/170.

جانے کا مشورہ کیوں دیا؟ اور یہ سن کر برادران مسلم بن عقیل نے بے اصرار کیوں کہا: واللہ! ہم اس وقت تک پیچھے نہ ہیں گے جب تک کہ اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ اگر یہ کفر کے خلاف جہاد تھا تو اس وقت حضرت حسین علیہ السلام کا ذاتی رجحان بھی واپسی کا کس لیے ہوا تھا؟ کیا برادران مسلم کے پاس خاطر کے لیے آپ علیہ السلام آگے نہ بڑھے تھے؟ اب یہ قارئین کرام ہی فیصلہ کریں کہ اس قافلے کا مجموعی طور پر آگے جانا نیت جہاد تھا یا بہ نیت انتقام؟ اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ حضرت حسین علیہ السلام کی اپنی نیت انتقام کی نہ تھی۔ آپ علیہ السلام محض برادران مسلم کی دلبوئی کے لیے ساتھ چلے کیونکہ باوفا ساتھیوں کا ساتھ دینا بجائے خود بڑی عزمیت ہے۔ اور یہ ہر کہ وہ کام بھی نہیں۔ یہ آپ علیہ السلام کی انفرادی خصوصیات میں شامل ہے۔ بہت سے صحابہ و اہلیت علیہ السلام کی بھی انفرادی خصوصیات تھیں ان میں ایک یہ وفا کی خصوصیت بھی تھی۔ حسین علیہ السلام کا برادران مسلم کے ساتھ آگے بڑھنے میں یہی قیمتی جذبہ جلوہ فرماتا۔ اس کے برعکس اگر کربلا کی جنگ کو باطل کے خلاف جنگ اور جہاد سے تعبیر کیا جائے تو بہت سے سوالات ابھریں گے جیسا کہ ان کی طرف اشارات کئے گئے ہیں اور ان کے جوابات دینا آسان نہیں ہے۔ اور جو جوابات پیش کئے جاتے ہیں ان سے آپ علیہ السلام کی پوزیشن بجائے صاف ہونے کے اور مندوش و مشکوک ہو جانے کا اندریشہ ہے۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی پوزیشن کوثر و تسلیم کی طرح صاف و شفاف تھی۔ چونکہ آپ علیہ السلام کی نیت میں مطلق تکددیر تھا نہ دورگی۔ لہذا آپ علیہ السلام کا طرز عمل بھی تکددیر و دورگی سے پاک اور صاف تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔

محقر یہ کہ مسلم بن عقیل علیہ السلام کی شہادت کی خبر سن کر حضرت حسین علیہ السلام نے کوفہ کے بے وفاوں سے اپنی عنان توجہ موڑ لی اور ساتھیوں کو واپس جانے کا مشورہ دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ نہ مانے۔ اور آگے جانے پر مُصر ہوئے۔ آپ علیہ السلام بھی حق و فادا کرنے

کے لیے ان کے ساتھ آگے بڑھے۔ مگر اس میں آپ ﷺ کی مجبوری کی سی کیفیت تھی۔ اگر یہ واقعی باطل کے خلاف جہاد تھا تو حضرت حسین ﷺ نے خوب بن یزید اور اس کے شکر سے یہ کیوں فرمایا تھا: ”اگر تم (کوفیوں) کو میرا آنا ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں لوٹ جاؤں گا؟“..... سب جانتے ہیں باطل سے نکل لی جاتی ہے، اس کے سامنے آ کر والپسی کا ارادہ تو نہیں کیا جاتا۔ خصوصاً دشمن اسلام کے مقابل آ کر پیچھے پھیر کر نکل جانا منوع اور حرام ہے۔ قرآن مجید کا یہی حکم ہے۔<sup>①</sup>

بعد ازاں عمرہ بن سعد کا بھاری بھر کم، یعنی چار ہزار سپاہ پر مشتمل شکر بمقام کربلا آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے قافلے کو آ لیتا ہے اور آپ ﷺ کے سب راستے مسدود کر دیتا ہے۔ اور پوچھتا ہے کہ آپ ﷺ یہاں کیوں آئے ہیں؟ تو آپ ﷺ جواب دیتے ہیں: ”تمہارے شہروالوں نے مجھے پے در پے خطوط لکھ کر نکلا یا ہے، اب اگر تمھیں میرا آنا ناپسند ہے تو میں والپس چلا جاتا ہوں۔“

یہاں بھی ہمارا وہی سوال ہے کہ اگر آپ ﷺ باطل کے ساتھ برس پیکار ہونے کے لئے نکلے تھے، تو پھر باطل کے مقابلے میں آ کر والپس پلٹ جانے کا اظہار کیوں فرمایا؟ یہ کیوں نہیں فرمایا؟ تم لوگ فاسق فاجر ہو۔ شراب پیتے ہو۔ بندر پالتے ہو۔ عورتوں کی مجالس اختیار کرتے اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہو اس لیے تمہارے خلاف جہاد کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کے لیے نکلا ہوں۔ آپ ﷺ کو کلمہ حق بلند کرنے سے کون سا امر مانع تھا؟

حضرت حسین ﷺ نے کربلا کے میدان میں دس (10) محرم سے دو ایک روز قبل عمرہ بن سعد سے کہا جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں: ”ہمارے بارے میں آپ تمن صورتوں میں سے کوئی اختیار کر لیں:

چند اہم نکات

۳۱۸

- ۱ میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس چلا جاؤں۔
- ۲ یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں اور خود اس سے معاملہ طے کرلوں۔
- ۳ یا مجھے مسلمانوں کی کسی الیکی سرحد پر پہنچا دیں، جہاں کفار ہوں تاکہ ان سے لڑتا ہو جان دے دوں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت حسین رض کا بیہاں کر بلا میں تشریف لانا اور خیمہ زن ہونا باطل کے مقابلے میں تھا۔ تو اب مقابلے کے وقت پیچھے کیوں ہٹ رہے تھے؟ باطل کے مقابلے آ کر پیچھے ہٹنا یا واپس جانے کی اجازت چاہنا یہ کہاں جائز ہے؟..... اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ رض موجودہ حکومت کو کافر، فاسق، فاجر اور بد عقیق نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے ساتھ جہاد و قتال کیا جائے۔

حقیقت یہی ہے کہ حضرت حسین رض یزید کو باطل پرست جانتے تھے نہ اس کی حکومت کو باطل حکومت کہتے تھے۔ آپ رض کا یزید اور حکومتِ یزید سے پیش اخلاف تھا مگر اخلاف اور سبب اخلاف اور تھا جس کا پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں، اخلاف اولویت و افضليت کا تھا، نہ کہ اسلام اور کفر کا، حق اور باطل کا۔ حد سے حد ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ آپ رض کے مبارک ذہن میں نظام حکومت چلانے کا جو خاکہ تھا وہ موجودہ حکومت کے خاکے سے بہتر تھا۔ اور آپ رض اپنی رائے میں حکمرانی کے لیے اصحاب علم و فضل اور ارباب شرف و تقویٰ کو زیادہ موزوں خیال کرتے تھے اور اپنے خاندان کو فائق سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ رض بجائے رخصت کے عزیزیت اختیار کرنا چاہتے تھے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ آپ رض اخلاف رائے، نقصہ و فساد، جوڑ توڑ، ڈلپوتی کو حد درجہ ناپسند جانتے تھے۔ اس رائے کو آپ طویل، پُر خطر اور خاص طور پر اپنی شان سے فروخت جانتے ہوئے اس سے گریز فرماتے تھے۔ اگر آپ رض حکومتِ یزید کے خلاف کھل کر آواز بلند کرتے تو یقیناً آپ رض کے گرد بھی کافی لوگ جمع ہو جاتے، مگر

یہ انداز، شریعت، صحیح سیاست، تقویٰ اور آپ ﷺ کے فضل و شرف سے ہم آہنگ نہ تھا۔ یہ سب نکات غور کرنے کے ہیں، مگر ہماری عنان توجہ ادھر کبھی منعطف ہی نہیں ہوئی۔ اور ہماری بدمقتوں کی ایک خاص نہجی یا سیاسی پروپیگنڈے نے بات کو کچھ سے کچھ بنا دیا، اور داستان کر بلاؤ ایسے غلو، غازہ، رنگ آمیزی، حاشیہ آرائی اور داستان سرائی سے بیان کیا کہ بات کیا سے کیا بن گئی۔ حقیقت اوجھل ہو گئی اور افسانہ باقی رہ گیا۔ اناللہ۔ پہلے اپنا ذہن بنایا پھر کتابوں سے رنگارنگ حوالے اکٹھے کرنا شروع کر دیے۔

حضرت حسینؑ کی دوسری شرط ”یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں“ اس کا پیچھے رسمیل تذکرہ مختصر اڑ کر کیا گیا ہے لیکن اب اس پر تھوڑی بحث کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ اور یہ بحث ہمارے پیش کردہ نظریے کو واضح اور مبرہن کرنے میں اچھی خاصی مفید ثابت ہو گی۔ امید ہے قارئین نیک نظری اور آبائی تعصب سے الگ ہو کر آمدہ سطور کا مطالعہ فرمائیں گے۔ حضرت حسینؑ نے یزید کے پاس جانے کی خواہش کا جواب میں فرمایا تھا اگر ہم بے نظر غارہ دیکھیں تو یہ اپنے پہلو میں یقیناً بڑی حکمت رکھتا ہے، اور ہمارے بہت سے مسائل و مشکلات کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت حسینؑ نے باوجود یزید سے اختلاف رکھنے کے اب اس کے پاس جانے کی اجازت چاہی، تا کہ معاملے کے حل کی کوئی صورت نکل آئے اور یہ اچھی بات تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ یزید کو معقول، صلح بُو اور با اصول انسان سمجھتے تھے۔ کیونکہ اگر یوں نہ سمجھتے تو یزید کے پاس جانے اور خود اس سے معاملہ طے کرنے کی بات ہرگز نہ فرماتے۔ اکھڑا، شندھو، ضدی، اور بد کردار آدمی سے ایسی توقع رکھنا عبث ہی نہیں غیر داشمندا نہ قرار دیا جاتا ہے۔ جو آپ ﷺ جیسے باریک بین اور عظیم معاملہ فہم انسان کی شان سے بعید ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یزید باطل پرست تھا تو حضرت حسینؑ اسے

ملئے اور اس سے سمجھوتہ کرنے کے خیالات و جذبات کا اظہار کیوں فرماتے رہے؟ باطل پرست سے "سمجھوتہ" چہ معنی دار؟ حضرت حسین رض ان جملہ پیش آمدہ واقعات و حادثات کا اصلی اور بنیادی مجرم اہل کوفہ کو سمجھتے تھے، جنہوں نے پہلے عقیدت و محبت کا بھر پور اظہار کیا، سینکڑوں خطوط لکھے اور پُر زور دعوت دی مگر پھر جلد ہی آنکھیں پھیر لیں، چنانچہ حضرت حسین رض نے فرمایا: «قد خَذَلَنَا شِيعَتُنَا» "ہمارے شیعوں نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔"<sup>①</sup> نیز فرمایا "تمہارے ارادوں پر لعنت ہواے بے وفایاں، جفا کاران، غداران، تم پر تم نے شمشیر کیہے مجھ پر کھینچی۔"<sup>②</sup>

اس میں بھی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیاد سے بھی بے حد کبیدہ خاطر اور ناراض تھے کیونکہ اس نے مسلم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بچوں قیس و عبد اللہ رض کو شہید کیا، اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے مسدود کر دیئے۔ مگر ان سب مظالم کے باوجود ان تمام تر گھناؤنے واقعات کا مرکزی کردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوفہ والوں کو جانتے تھے، جیسا کہ ابھی آپ نمونے کے دو حوالے ملاحظہ فرمائے چکے ہیں۔ یہاں اصل بات جو ہم بتانا چاہتے ہیں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید پر کوئی فرد جرم عائد نہ کی، اور اصل کیس میں اسے نہ رکھا۔ جس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کارروائی میں یزید کو ملوث نہیں پاتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں یزید کا ہاتھ محسوس کرتے تو اس کے اظہار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سی بات روک سکتی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عین جنگ کے وقت جو خطاب فرمایا اور اس میں شیعان کوفہ کو مجرم کہا۔ وہاں یزید کا بھی نام لے سکتے تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر بھی اس پر کوئی الزام عائد نہیں کیا۔ سب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے جراحت، بہادر، حق گوار صداقت پسند تھے۔ ہم ان تواریخ سے متفق نہیں جنہوں نے داستان سرائی سے کام لیا، اور ذاتی

<sup>①</sup> خلاصة المصائب 49، الكامل لا بن أثیر: 3/278، البداية والنهاية: 8/170. <sup>②</sup> جلاء العيون 468.

رجحان، پیرو فی پریگنڈہ اور ہوا کا رخ دیکھ کر تمام بوجہ ایک یزید پر ڈال دیا۔ ارباب تحقیق کی رائے مستند تاریخی استشہاد اور فکر سلیم، اس غیر معقول اور ناموثر نظریے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے کہ تمام ہدایات یزید کی تحسیں، اور اصل قصور و اروہی تھا۔

یہاں تحقیقات تو کچھ اور بھی بتلاتی ہیں، مثلاً جنہوں نے حضرت عثمان بن عوف کو شہید کیا وہ یہی ”مجاہِ اہل بیت“ تھے، حضرت علی بن ابی طالب کے قاتل بھی یہی لوگ تھے۔ حضرت حسن بن عوف سے ذلت آمیز سلوک بھی انہی لوگوں نے کیا تھا، چنانچہ حضرت حسین بن عوف کا اپنا ارشاد گرامی ہے، جو آپ حسن بن عوف نے شیعان کوفہ سے فرمایا، اور اس میں کوئی لپٹی نہیں رکھی۔ فرمایا:

«وَإِنَّ لَمْ تَفْعُلُوا وَنَقْضُتُمْ عَهْدَكُمْ وَخَلَعْتُمْ بَيْعَتِي مِنْ أَعْنَاقِكُمْ فَلَعَمْرِي مَا هِيَ لَكُمْ إِنْ كُرِي لَقَدْ فَعَلْتُمُوهَا بِأَيْيِ وَأَخِي وَابْنِ عَمِّي مُسْلِمٍ»

”تم نے اپنے وعدوں کو گلدستہ طاق نیسان بنادیا، میری بیعت کو توڑ دیا، واللہ! یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں، تم قبل ازاں ایسی عہد شکنی اور بے وفائی میرے والد ماجد اور میرے گرامی قدر بھائی اور میرے برادر عم زاد مسلم بن عاصی سے کر چکے ہو۔“<sup>①</sup> یعنی تم لوگ روایتی ہی نہیں نسلی بے وفا، عہد شکن اور ظالم ہو۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت حسن بن عوف کو زہر بھی انہوں نے دیا، حضرت مسلم کے علاوہ ان کے دو بچوں حضرت قیم، حضرت عبداللہ اور خود حضرت حسین بن عوف اور آپ بن عوف کے خانوادہ کی شہادت کا سبب بھی یہی جغا پسند کوئی بنے۔ جن لوگوں کا ایمان بجائے اللہ اور رسول اللہ نبی مصطفیٰ کے، دولت اور حکومت پر ہو، بھلا وہ ان ابرار و اخیار بزرگوں کے وفادار کیسے ہو سکتے تھے؟ یہ بات برسیل تذکرہ نوک قلم پر آگئی ورنہ ہم مستند تاریخی استشہادات و واقعات، درایت و فکر کی روشنی میں بتا رہے ہیں کہ اس پورے کیس کے

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/403، والکامل لابن الأثیر: 3/280.

اصل مجرم ہیجان کوفہ تھے نہ کہ بیزید تھا۔ حقائق و شواہد اور تاریخی واقعات اس پر شاہد ہیں کہ بیزید ان مظالم اور قبھرمانیوں سے بری تھا۔ اصل مجرموں کو نکال کر سارا بوجہ اس اکیلے بیزید پر ڈال دینا تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ یہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

لاہور کے کوئی ڈاکٹر محمود ساقی صاحب ہیں جنہوں نے ٹر ف نگاہی سے کام لیے بغیر ”امام حسین اور بیزید کے وکیل“ نامی کتاب لکھ کر اپنے مخصوص فرقے کے مخصوص خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور کئی صفحات جناب ڈاکٹر کرنل عمر صاحب کی ضخیم کتاب سے نقل کیے ہیں۔ جس میں کرنل صاحب نے بڑی عقریزی سے مختلف نظریات کی ترجمانی کی کوشش فرمائی ہے۔ اس میں بعض باتیں بڑی اچھی ہیں، مگر ہمارے بہت سے مفہومیں پرانہوں نے غور نہیں کیا۔

اصل موضوع جود لائل و شواہد کی روشنی میں ہم پیش کرتے آ رہے ہیں یہ ہے کہ معمر کر بلا کو ایک اتفاقی حادثہ اور افسونا ک سانحہ امر ربی اور نوویہ تقدیر تو کہا جا سکتا ہے مگر حق و باطل کا معمر کر نہیں کہا جا سکتا۔

اتفاقی حادثہ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس کی پیشگی تیاریاں تحسین نہ عزادم۔ بلکہ کسی کے حافظہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ اس سلسلے میں گذشتہ صفحات میں متعدد لائل و شواہد پیش کیے جا چکے ہیں جن کا اللہ کے فضل و کرم سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اب ذیل میں ایک آخری بھاری اور معقول شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعے کے بعد یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ حضرت حسین رض بیزید کو کیسا خیال کرتے تھے۔ یعنی آپ رض کے امیر بیزید کے بارے میں کیسے تأثیرات تھے۔

عام موئین نے کربلا میں حضرت حسین رض کی تین تجویزیں کو محض ایک سطحی انداز سے لکھ دیا ہے کہ جس سے آدمی کا ذہن کسی خاص نتیجے تک نہیں پہنچتا۔ ہم وہ فکر حقیقت طراز ضروری وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں جس کو پیش نظر رکھنے

سے حلقہ سامنے آتے ہیں اور حضرت حسین علیہ السلام کی پوزیشن بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ حضرت حسین علیہ السلام جب کربلا میں محصور ہو گئے تو آپ علیہ السلام نے عمرو بن سعد کو قسم تجاویز پیش کیں جنہیں قریب قریب سب مومنین نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک تجویز میں جہاں آپ علیہ السلام نے یزید کے پاس جانے کا ذکر کیا وہاں آپ علیہ السلام نے یزید کے پاس جانے کا مقصد بھی بیان فرمایا، جس کو نکتہ رس، اور باریک میں حضرات نے نوٹ کیا ہے، وہ مقصد آپ علیہ السلام کے ہی الفاظ میں ملاحظہ ہو، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

«فَأَضَعْ يَدِيْ عَلَى يَدِ يَزِيدَ»

”مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اس کی بیعت کروں۔“

حضرت حسین علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی متعدد شیعہ و سنی کتب میں موجود ہے، آپ علیہ السلام کا یہ فرمان اگرچہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں، لیکن معمولی لفظی تغیر کے ساتھ اہل تاریخ نے یہ الفاظ بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً: «فَأَضَعْ يَدِيْ فِي يَدِ يَزِيدَ»  
”میں اس (یعنی یزید) کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں۔“

«حَتَّى أَضَعَ يَدِيْ فِي يَدِ يَزِيدَ»

”یہاں تک کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دوں۔“

«فَأَضَعْ يَدِيْ فِي يَدِهِ فَيُحَكِّمُ فِي مَارَأِيِّ»

”پس میں اپنا ہاتھ اس (یعنی یزید) کے ہاتھ میں دے دوں پھر وہ جو مناسب سمجھے گا کر لے گا۔“

«أَضَعْ يَدِيْ فِي يَدِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ»

”میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں۔“

«أَوْ أَنْ يَأْتِيَ يَزِيدَ أَبْنَ عَمِّهِ حَتَّى يَضَعَ يَدَهُ فِي يَدِهِ»

”یا وہ (مراد خود حضرت حسینؑ ہیں)، اپنے چچا زاد براور یزید کے پاس جائیں اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔“

”اوَّلْ أَصَحَّ يَدِيْ عَلَىٰ يَدِ يَزِيدَ فَهُوَ ابْنُ عَمِّيْ لِيَرَىٰ فِيْ رَأْيِهِ“  
 ”یا میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں اور وہ میرا چچا زاد بھائی ہے تاکہ وہ جو مناسب سمجھے کر لے۔“

ان سب عبارتوں کے حوالے موجود ہیں۔ نام نیچے آرہے ہیں اور اگر ترجمہ غلط ہو تو ہماری اصلاح کر دی جائے۔ اور اگر دونوں باتیں درست ہوں تو براہ کرم انھیں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ایسے فیصلہ کن الفاظ پر سانحہ کر بلکہ حقیقت اور حیثیت کا فیصلہ منجھ ہے۔<sup>①</sup>

معزز قارئین! یہ الفاظ تنخیص شافی، اعلام الوری، ناسخ التواریخ، الامامة والسياسة، تاریخ طبری، کامل ابن اثیر، المبدایہ والنہایہ، الاصابہ، تاریخ الخلفاء، تاریخ ابن خلدون وغیرہ متعدد کتب میں مذکور ہیں۔ وہاں آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

فریقین کی معتبر کتب میں حضرت حسینؑ کے یہ ارشادات مبارکہ روز روشن کی طرح چمک رہے ہیں، بحمد اللہ کوئی ذی علم ان کا انکار نہیں کر سکتا لیکن ضد، تعصب، تقلید و جمود یا اعلیٰ کی وجہ سے کسی کو خبر نہ ہو، یا کوئی نہ دیکھے تو اس کی مرضی۔

۔ آنکھیں اگر بند ہیں تو دن بھی رات ہے  
 بھلا اس میں کیا قصور ہے آفتاب کا؟

بیشک آپ ﷺ کے پاس دش جانا چاہتے تھے اور اس قضیہ کو، بجائے طول دینے کے خوش اسلوبی سے حل کرنے کے آرزومند تھے، تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے اپنے پہلے منصوبہ کو ختم کرنے کے ممتنی تھے، کیونکہ آپ ﷺ کا وہ منصوبہ اہل

① اگر نظر غائر دیکھا جائے تو اس سے حضرت حسینؑ پر ہر لازم ختم ہو جاتا ہے۔

کو ذکر کی عیاری و غذہ ارجی کی وجہ سے پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا، اب شرعاً ضروری تھا کہ آپ ﷺ حاکم وقت کی بیعت کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا صاف اور صریح الفاظ میں عمر بن سعد کے سامنے اظہار فرمادیا۔ لیکن شر آڑے آگیا اور آپ ﷺ باوجود خواہش کے یزید کے پاس نہ پہنچ سکے۔ اگر ابن زیاد، ستم پیشہ شمرڈی الجوشن کے غلط مشورے پر عمل پیرانہ ہوتا تو اس وقت تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہوتا، حادثہ کربلا رونما ہوتا، نہ اسلام میں کوئی الگ فرقہ جنم لیتا۔ امت کو فساد کی آگ میں جھوٹنے اور ملت اسلامیہ کا بٹوارہ کرنے میں جن ورنہ طینت لوگوں کا ہاتھ ہے ان میں شر کا نام سر فہرست آتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت حسینؑ کا ارشاد "کہ مجھے چھوڑ دو میں یزید، جو میرا برادر عمزاد ہے، خود اس کے پاس جا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔" یہ بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ یزید کو باطل پرست یا فاسق و فاجرنہ جانتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمادیا، اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں یزید مسلمان تھا اور اس کی حکومت اسلامی تھی، ورنہ حضرت حسینؑ نے فاسق و فاجرانہ کا فرکی بیعت کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں: "کہ آپ ﷺ باطل سے لکر لینے کے لیے نکلے تھے، آپ ﷺ نے شہید ہو کر اسلام کو بچالیا؟ اگر آپ ﷺ شہید نہ ہوتے تو اسلام ختم ہو جاتا؟ آپ ﷺ لا الہ کی بنیاد ہیں، آپ ﷺ سے قبل لا الہ کی بنیاد نہ تھی وغیرہ وغیرہ" اور جائے حیرت یہ کہ دین و ملت کے بڑے بڑے مفکر، بڑے بڑے قائد، اہل قلم اور عبقری اس رو میں بہہ گئے، اور ایسی باتیں کرنے لگے جن کی تائید و ادعات و حالات کرتے ہیں نہ دلائل و شواہد۔ یعنی بقول ان کے اسلام کو حضور سرور کائنات ﷺ نے نہیں بچایا، بدرو جنین کے جان شاروں نے نہیں بچایا۔ تیر تلوار کے بے محابا جملوں سے اپنے جسم کو چھلنی کروانے والے سر بکف مجاہدین اسلام نے نہیں بچایا، بلکہ حضرت حسینؑ نے بچایا۔ ایک جانب تعریف کرتے وقت دوسری طرف کا بھی خیال رکھنا

چاہیے کہ بات کا مفہوم کیا ہے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ ہماری اس مبالغہ آمیز تحریر و تقریر سے کسی دوسرے کی تحیر یا حقائق کی تردید تو نہیں ہو رہی؟..... مگر افسوس! حقائق سے صرف نظر کر کے ایک ہی راگ الایا جا رہا ہے کہ کربلا کی جنگ حق و باطل، کفر و اسلام، توحید و شرک کی جنگ تھی، وغیرہ وغیرہ، کوئی بھی غور نہیں کرتا کہ حقیقت حال اور امر واقعہ کیا تھا۔ ایسے لوگ بظاہر حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں، مگر مبینی بر دروغ و کذب ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے بھی خلاف باتیں کرتے ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے بھی خلاف ہیں اور آپ کے حق گویا نہ حق پرستا نہ مشن کے بھی منافی۔ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ موت، مبالغہ آمیز اور خلاف واقعہ باتوں کو پسند کرتے تھے ان کی تشبیہ گوارا فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق گو اور حق پرست تھے۔ حق، جھوٹ موت اور فرضی داستانوں اور افسانوں کو نہیں کہتے بلکہ اصلی، سچی اور رسولہ آنے کھری باتوں کو کہتے ہیں۔ اور جس بات میں جھوٹ اور باطل کی آمیزش ہو وہ بات حق نہیں رہتی۔ ذیل کے اشعار جوزبان زد خاص و عام ہیں، بھی اسی طرح کے ہیں، انھیں فقط پروپیگنڈہ یا محض جذبات اور عقیدت کی بنا پر کہہ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ امر واقع کے خلاف ہیں۔ مثلاً:-

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یا

شاہ است حسین پادشاہ است حسین

دین است حسین، دین پناہ است حسین

سرداد نہ داد دست در دست یزید

حق کہ بنائے لا إله است حسین

یعنی حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم شاہ ہیں پادشاہ ہیں، آپ دین بھی ہیں اور دین کی

حافظت بھی ہیں۔ آپ نے اپنا سر تودے دیا مگر یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیا۔ قسمیہ اور حقیقی بات یہ ہے کہ آپ کلمہ شریف لا الہ الا اللہ کی بنیاد ہیں۔ جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت قائم نہیں رہ سکتی اسی طرح آپ کے بغیر کلمہ شریف قائم رہ سکانے قائم رہ سکتا ہے۔

یہ اشعار حضرت خواجہ ابیری رض کی طرف منسوب ہیں۔ بالفرض ان کے بھی ہوں پھر بھی قابل قبول نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اشعار حقائق و شواہد کے سراسر خلاف اور پوری طرح شیعیت کے آئینہ دار ہیں۔ آئیے ذرا حقائق کی دنیا میں قدم رکھئے اور سطور ذیل کا توجہ سے مطالعہ کیجئے۔

یہ ایک حقیقت ہے جسے سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت حسین رض کو فیوں کے بلانے پر عازم کوفہ ہوئے تھے، اب سوال پیدا ہوتا ہے، اگر آپ رض بالفرض کوفہ تشریف نہ لے جاتے اور زندہ وسلامت رہتے تو کیا آپ رض کے زندہ وسلامت رہنے سے اسلام زندہ وسلامت نہ رہتا؟..... کتنی عجیب ہے یہ سوچ؟ اور کتنے حیرت زدہ ہیں یہ خیالات؟ اصل بات یہ ہے کہ حب حسین رض کے نام پر قاتلین حسین رض کی ایک چال تھی جسے بہت سے سنی بھائی بھی سمجھ نہیں پائے۔ کتب کھنگانے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت حسین رض کی شہادت میں کوئی (باواسطہ اور بلا واسطہ دونوں طرح) شریک تھے، کیونکہ کچھ کوئی تو آپ رض کو اپنے ساتھ لارہے تھے اور کچھ کوئی ادھر ادھر سے آپ رض کے ساتھ آملے تھے، چنانچہ شیعہ دوستوں کی معتبر کتاب خلاصۃ المصائب میں لکھا ہے:

«لَيْسَ فِيهِمْ شَامِيٌّ وَلَا حِجَازِيٌّ بَلْ جَمِيعُهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ»

“یعنی قاتلین حسین رض صرف کوئی تھے، ان میں نہ کوئی شامی تھا نہ حجازی۔”<sup>①</sup>

اب کو فیوں کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر حضرت حسین رض کر بلے سے براہ راست یزید

① خلاصۃ المصائب، ص: 201.

تک پہنچ گئے تو ہمارا سب راز خلیفہ یزید کے سامنے آشکار ہو جائے گا، کیونکہ حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہمارے خلاف تحریری ثبوت اور ٹھوس استشهادات موجود ہیں، انھیں اپنی ذلت ہی کا نہیں موت کا خطرہ تھا، چنانچہ انھوں نے فضا کو مسموم بنایا، اور خوفناک حالات پیدا کر کے پیکر حلم و شرافت، مجسمہ حیا و فقا، نمودہ صبر و رضا حضرت حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قالہ حسین پر دھماوا بول دیا، جس کے نتیجے میں بھی انک لڑائی ہوئی اور کوئیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو ظلم کرتے ہوئے شہید کر دیا۔ اللہ۔ اور اپنی خفت مثانے اور اپنے اوپر سے ذلت کا داغ دور کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھنڈے اختیار کئے۔ مثلاً روئے، پیٹے، کپڑے پھاڑے، بال نوچے، نالہ و شیوں بلند کیا، مخلفیں اور مجلسیں منعقد کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ پہلے سے بڑھ کر مصنوعی عقیدت کا ڈھنڈوڑا پیٹا۔ آپ کے نام کو جس قدر ہو سکا اچھا لام۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے نعرے لگائے۔ شہداء کی شہادتیں بنائیں۔ تابوت علم بناء، سجا کر بازاروں میں جلوس نکالے۔ اور دنیا کے سامنے آشکار کیا کہ خاندان اہل بیت اور حضرت حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم سے بڑھ کر گویا کسی کو محبت نہیں۔ طرح طرح کے مریثے پڑھے۔ نظمیں لکھیں۔ اور یہ مشہور کرنے کی کوشش کی کہ سانحہ کربلا سے قبل شجر اسلام پتھر دہ تھا۔ سانحہ کربلا کے بعد شاداب ہوا ہے، اس بھرپور اور زوردار پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر شعراء اور ادباء نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا "اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"۔

ان کے خیال میں گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ رہنے سے اسلام مردہ ہوا جاتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دینے سے اسلام زندہ ہو گیا۔ لاحول ولا قوة.....

قارئین کی خدمت میں عرض ہے اگر ان باتوں پر کبھی پہلے غور نہیں کیا تھا یا وقت نہیں ملا تھا توبہ ہی کر لیں۔ اور حضرت حسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے نتیجے میں اسلام کو جوزندگی ملی ایک نظر وہ بھی دیکھ لیں۔ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے کہ شیعہ احباب ہی کی

کتب ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے:

[1] حضرت زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد پانچ آدمیوں کے سوا باقی سب مرد ہو گئے، ..... چنانچہ حضرت امام جعفر علیہ السلام کے حوالے سے لکھا ہے آپ فرماتے ہیں کہ ”شہادتِ حسین“ کے بعد تین آدمیوں کے سوا سب لوگ مرد ہو گئے۔<sup>①</sup>

ان دونوں حوالوں میں جو نام بتائے گئے ہیں، ان میں حضرت زینب بنت علیہ السلام اور حضرت زین العابدین علیہ السلام کے اسماءؓ گرامی نہیں ہیں۔

[2] امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: «فَلَمَّا أُنْ قُتِلَ الْحُسَيْنُ إِسْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ»<sup>②</sup>  
”جب حسین علیہ السلام شہید کیے گئے تو اللہ کا غصب بڑھ گیا۔“

[3] ”حضرت زین العابدین علیہ السلام ہر وقت روتے رہتے تھے کہ آپ کی شہادت سے اعلیٰ جہاں گمراہ ہو گئے، خدا کا دین ضائع ہو گیا اور رسول خدا کی سنتیں معطل اور بنو امیہ کی بدعتات ظاہر ہو گئیں۔“<sup>③</sup>

حضرت حسین علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے گرامی منزلت رفقاء کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو اسلام کو زندگی ملی وہ آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ عام لوگ مرد ہو گئے، غصب الہی بڑھ گیا، دین ضائع ہو گیا، سنتیں ختم ہو گئیں اور بدعتات کو فروغ حاصل ہوا۔

یہاں ہم اتنی بات کی وضاحت کر دیں کہ حضرت حسین علیہ السلام کی نیت پہلے بھی اچھی تھی اور بعد میں بھی اچھی تھی۔ آپ علیہ السلام «فَأَضَعْتُ يَدِي فِي يَدِهِ» کا جملہ فرمایا کہ ہر اعتراض سے بری الدسمہ ہو گئے اور اللہ کی رحمت سے پاک صاف ہو کر فردوس اعلیٰ میں پہنچ گئے۔ جو لوگ آپ علیہ السلام پر کوئی قصور یا الزام دھرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام

① مجالس المؤمنين مجلس پنجم، ص: 35، و رجال کشی: 81. ② اصول کافی، ص: 232.

③ جلاء العيون، ص: 453.

نے اس سفر کی بدولت حالات کو ابتر کر دیا۔ حکومت وقت کو پریشانی سے دوچار کر دیا۔ آپ ﷺ نے غیر شرعی پیش قدمی کی اور یوں آپ ﷺ نے اپنے عمل سے امت کا بٹوارہ کر دیا۔ ایسی باتوں کو اس طرح کے مُھونڈے انداز سے پیش کر کے آپ ﷺ پر متعدد فرد ہائے جرم عائد کر کے خاکم بدہن آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کا ذہن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان سے متفق نہیں، اور اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر ظلم و تمہارا آپ ﷺ کی شہادت مظلومانہ تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ جنگ کے لیے نکلے، نہ جنگ کی خواہش کی۔ نہ کسی سے لڑائی مولی، نہ کسی کو قتل کیا، نہ کسی کے قتل کا مشورہ دیا۔ بلکہ آپ ﷺ نے اصلاح احوال کی کوشش فرمائی۔ مصالحت کی راہ نکالی، بہترین تجواویز پیش فرمائیں۔ اور مستند تاریخی استشهادات سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کسی کلمہ گو سے (اندر اس کا خواہ کیسا ہو) ہرگز نہیں الجھے۔ نہ الجھنا چاہتے تھے..... اس کے برعکس وہ لوگ شدید خاطلی اور مجرم ہیں کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی ان پیاری پر امن، مبنی برداش اور حکیمانہ تجواویز کو مُھکرا دیا۔ ہمارا ظن ہے وہ عذاب الہی سے دامن نہیں بچا سکتے۔ اور تم بالائے تم یہ کہ ان ظالم اور انسان نما بھیڑیوں نے آپ ﷺ پر ترقی جفا چلانے کے علاوہ آپ ﷺ کے معصوم و بے گناہ بچوں پر ہاتھ صاف کرنے سے دربغ نہ کیا۔ شاید اس سے بڑھ کر اس نوعیت کا المناک و کربناک سانحہ ہشم فلک نے نہ دیکھا ہو۔ مختصر یہ کہ آپ اور آپ کے سب ساتھی حدود رہ نیک، شریف، معزز اور مظلوم تھے۔ یہ داستان خونچکاں تھی، ایک طرف طاقت تھی دوسری طرف شرافت، ایک طرف علم تھا دوسری طرف جہالت، ایک طرف ظلم تھا دوسری طرف عدالت، ہم ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور تسلیم کرنا چاہیے، مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک سانحہ تھا جو سوئے اتفاق سے پیش آگیا۔ اور قصد، ارادے اور پیشگی پلانگ اور تیاری کے بغیر تھا۔ اور اب بھی ہمارا موقف یہی ہے کہ یہ جہاد تھا نہ حق و باطل کی جنگ تھی،

لہذا اسے معرکہ حق و باطل کہنا درست نہیں۔ اگر بات یونہی ہوتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسین علیہ السلام باقاعدہ جنگجوؤں کی فوج لے کر نکلتے۔ اور پھر یزید کی بیعت کا کبھی دبے الفاظ میں بھی اظہار نہ فرماتے، اور کبھی اقرار نہ کرتے۔

اور یہ بات بھی غلط یا بے وزن نہیں ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام نے میدان کر بلایں پہنچ کر اہل کوفہ کی غداری اور فریب کاری دیکھ کر اپنے موقف، منصوبے اور پروگرام میں تبدیلی فرمائی تھی، خود بتائیے اگر آپ علیہ السلام کی سر بلندی اور کفر کے خاتمے کے خلاف نکلے تھے تو پھر ارادے میں یہ تبدیلی کیسی تھی؟

بات سیدھی ہی ہے اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں کہ حضرت حسین علیہ السلام اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔ ویسے اگر ہماری رائے پوچھی جائے تو ہم کہیں گے کہ عالی جناب حضرت حسین علیہ السلام بہر پہلو یزید سے افضل، اشرف، اتفاقی اور اعلیٰ تھے۔ آپ علیہ السلام ہی کو ان کا یہ حق ملنا چاہیے تھا۔ اجتہادی غلطیاں اگر ادھر سے ہوئیں تو ادھر سے بھی ہوئیں اور زیادہ ہوئیں۔

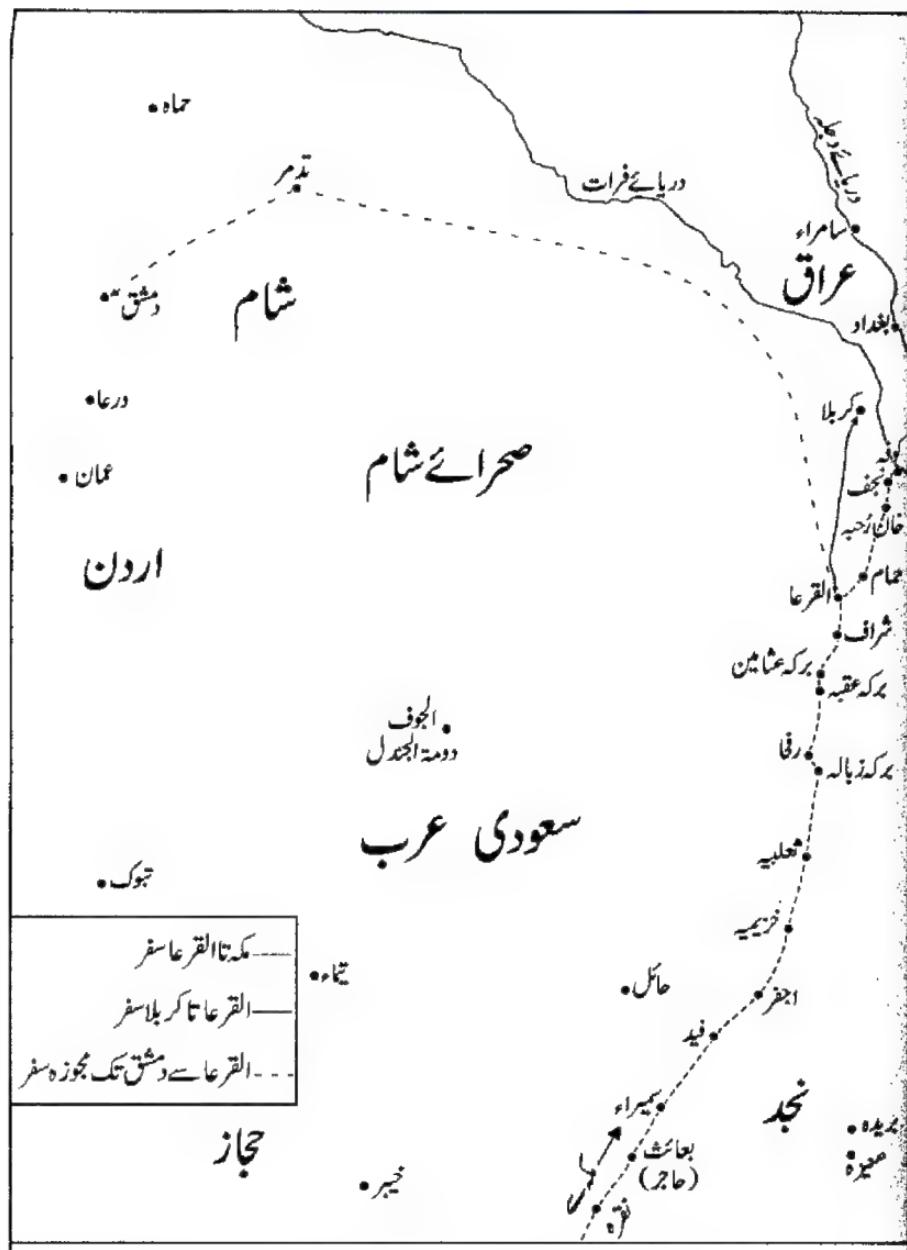
یہاں یزید سریر آرائے خلافت ہو چکا تھا، اور ادھر کوفہ سے پُر زور دعوت نامے آ رہے تھے کہ آپ علیہ السلام تشریف لے آئیں، یہاں کوئی امام نہیں، ہم آپ علیہ السلام کو امام بنالیں گے، آپ علیہ السلام نے سوچا، وہاں چلا جاتا ہوں، شاید امن کی کوئی صورت نکل آئے اور سکون کا سانس لینا نصیب ہو اور شاید میرے مجوزہ لاجح عمل کی سمجھیں کے لئے کوئی موزوں صورت سامنے آ جائے۔ مگر آپ علیہ السلام جب دشت کر بلایں پہنچ تو اہل کوفہ کی غایت درجہ طوطا چشمی، بے مرقتی، سرد مہری اور بے وفا کی دیکھ کر اپنے پہلے خیال میں تبدیلی فرمائی کہ اگر میں یہاں خلیفہ یا امیر نہیں بن سکتا تو بغیر بیعت کے تو نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ اسلامی حکم بھی یہی ہے کہ امیر ضرور ہونا چاہیے۔ امیر کے بغیر

زندگی گزارنا غیر شرعی امر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے بیعت یزید کی آمادگی ظاہر کی جیسا کہ شیعہ سنی معتبر کتب کے حوالہ جات آپ ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اگر ضد اور تعصب سے الگ ہو کر ذرا گہرائی سے دیکھیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی یہ فکر بڑی عالی اور عظیم تھی۔ اور اس توجیہ سے بظاہر کوئی شاندار اور بہتر اور کوئی توجیہ بھی نہیں۔ اس میں حضرت حسین ﷺ کی کوئی تحقیر نہیں ہے، اور اگر کوئی اس سے بہتر توجیہ ہو سکتی ہو تو وہ بتا دی جائے۔ ہمیں اس کے قبول کرنے میں مطلق کوئی عذر نہ ہو گا مگر خیال رہے کہ دور از کار اور پہنچ پہنسی توجیہات نہیں ہوتی چاہئیں۔

ایک اور ملحوظہ اگر پیش نظر رکھا جائے تو مسئلہ مذکورہ کی توضیح میں مدد مل سکتی ہے، اور وہ یہ کہ حضرت حسین ﷺ کو جب مسلم بن عقیل ﷺ کی شہادت اور ہیبعان کوفہ کی غداری و بے وقاری کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے واپسی کا ذکر کیا، مگر آپ ﷺ کی واپسی میں چند رکاوٹیں حائل ہوئیں۔ اگر تاریخ کے ساتھ جغرافیہ کا مطالعہ کیا جائے، تو اور اچھی رہنمائی ملتی ہے کہ ابھی آپ ﷺ کوفہ سے تین منازل دور تھے کہ آپ ﷺ نے اپنارُخ کوفہ سے پھیر کر دمشق کی جانب کر لیا، مقام القرعا سے دوراست نکلتے تھے، ایک کوفہ کی طرف اور دوسرا دمشق کی طرف..... کربلا و دمشق کے راستے میں پڑتا ہے، یہاں سے کوفہ تقریباً تیس میل دور تھا، اور وہاں کامیل یہاں سے بڑا ہے۔ آپ ﷺ کے سفر کو معلوم کرنے کے لیے وہ نقشہ سامنے ملاحظہ کیجیے۔

یہ نقشہ آج بھی اسی طرح ہے، جس کا جی چاہے پتہ کر سکتا ہے۔ حقیقت کی نظر سے دیکھنے سے ہی حقائق سامنے آ سکتے ہیں۔ بصورت دیگر حقائق سامنے نہیں آ سکتے۔

① دیکھئے الكبار للذهبي، الكبيرة، الأربعون، الغادر بأميره، وغير ذلك، ص: 3، آيات 45: 17، 9: 16، 4: 25، 244: 252 یہ سب احادیث سند اصح ہیں۔ نواحیب کا حضرت حسین ﷺ کو کسی بھی پہلو سے مطعون نہ ہانا صریح ناجائز اور علم ہے۔



اس نقشے میں سیدنا حسین بن علی کے کوفے کی جا ب سفر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقام "القرعا" واضح کیا گیا ہے جہاں سے سیدنا حسین بن علی نے مسلم بن عقیل کی شہادت اور اہل کوفہ کی بے وقاری سے آگاہ ہوتے ہی اپنارخ کوڈ کے بجائے دمشق کی جانب کر لیا تھا مگر دشمن انھیں گھیر کر میدان کربلا میں لے گیا۔ (تیار کنندہ: مجس فارانی)

حضرت حسین بن علیؑ نے کوفہ جاتے ہوئے حالات کو خندش و مخلکوں دیکھ کر "القرعا" سے رُخ بدل کر دمشق کی جانب فرمایا تھا، مگر جب وشت کر بلا میں پہنچے تو آپ ﷺ کو روک لیا گیا۔ اور ابن زیاد کی فوجوں نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لے لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے پاس جانا چاہتے تھے، تا کہ اصلاح اور توافق کی کوئی صورت نکالی جاسکے جیسا کہ تفصیلات پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اگر اعتدال اور امعان کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں ایسی کوئی قبادت بھی نہیں۔ بلکہ شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے ایک مناسب اور بہتر صورت نکلتی تھی جو آپ نے پیش فرمائی۔ آگے پسند اپنی اپنی، نظر اپنی اپنی۔ اور یہ تبدیلی روز روشن کی طرح آپ ﷺ کے موقف کی تبدیلی پر دلالت کننا ہے۔ مگر یہاں پہنچ کر ابن زیاد کے تازہ حکم نامے نے آپ ﷺ کی مبارک خواہش کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا اور اس کے ساتھ کوئیوں کی ملی بھگت نے آپ ﷺ کی آرزو کے پھول کو کچل مسل کر رکھ دیا۔

آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ قریب تھا کہ صلح کی صورت نکل آتی مگر شمر نے سارا معاملہ تلپٹ کر دیا، اور بنتی صورت کو بگاڑ دیا، نہ صرف عمر بن سعد بلکہ گورنر عبید اللہ بن زیاد بھی حضرت حسین بن علیؑ کی شرائط مان چلا تھا، لیکن اس بد طینت شر نے بیل منڈھے نہ چڑھنے دی اور خرمن امن کو آگ لگا دی۔

اب ریگزار کر بلا میں قافلہ حسین بن علیؑ ہے اور لشکر ابن زیاد۔ قافلہ حسین بن علیؑ کی قیادت حضرت حسین بن علیؑ فرمار ہے تھے جبکہ لشکر ابن زیاد کی کمان عمر بن سعد کر رہا تھا۔ دولت اور حکومت سارے کام کر رہی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ عمر بن سعد منصب، عزت اور جان سب کچھ قربان کر دیتا، لیکن سیدنا حضرت حسین بن علیؑ کے مقابلے میں نہ آتا، مگر اس نے ایسے نہ کیا۔ اب صورت حال بگزنا شروع ہوتی ہے، دشمن کی خون آشام تکواریں خانوادہ حسین بن علیؑ پر لہرا رہی ہیں، قریب تھا کہ طبل جنگ بجتا، اور شمر اپنی

۳۳۵

چند اہم نکات

آتش غضب فرو کرنے کے لیے مکار کو فیوں کی معیت میں آگے بڑھتا، طرفین کے قائدین نے اپنے اپنے گروہ کو ضروری ہدایات دیں۔

اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس لڑائی میں دشمن کا اقدام سراسر ظالماً تھا، جبکہ حضرت حسین علیہ السلام کا مدافعانہ تھا۔ اب داستانِ ظلم اور حادثہ خونچکاں کا آغاز ہونے والا ہے۔



## فریقین کی تقریبیں

رفتہ رفتہ حالات نازک تر اور قابو سے باہر ہوتے گئے اور دونوں طرف سے تقریبوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ زیادی فوج کے افراد بھی اپنے سپاہیوں کو ابھارتے اور کبھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیقوں کی ندمت کرتے اور ان کی ”برائیاں“ بیان کر کر کے فوج کو ان پر حملہ کے لئے اُکساتے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ پہلے تو زیادی لشکر سے مخاطب ہو کر بار بار جنگ سے گریز کرنے فساد سے بچنے اور اہل بیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ جانے پہچاننے کی تلقین فرماتے رہے۔ اور یہی کہتے رہے کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمیں واپس جانے دیا جائے۔ اور حقیقت بھی یہ تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے ارادے سے نہ آئے تھے، لیکن جب پانی سر سے گزر گیا اور جنگ ناگزیر ہو گئی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو مدافعت کے مسائل و نفاذیں سنانے، پامروی اور استقلال دکھانے اور جانیں لڑانے کی ہدایت کرتے رہے، پھر اپنے اہل و عیال اور تمام اہل بیت کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کرنے، رضاۓ الہی پر سر جھکانے، عبادت میں مصروف رہنے اور اللہ تعالیٰ کو ہر حالت میں خوش رکھنے کی تاکید فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ شہداء پر ماقم کرنا، ان پر تیخ چلا کر رونا پیٹنا، یعنی اور نوح کرنا از روئے شریعت سخت منع ہے، یہ سب قبیح اعمال ہیں، انھیں اختیار کرنے والا اسلام سے دور چلا جاتا ہے۔

۳۳۷

## فہرست کی تقریبیں

کاش کہ ان باتوں کو ثواب جانتے اور سیدھے سادے لوگوں کو غلط راہ پر ڈالنے والے خطباء وذاکرین کرام بھی کچھ سوچیں۔ اور اپنے حالات پر غور کریں۔ اللہ انہیں عدل و انصاف کی بات کرنے، حق و صداقت کا پرچم لہرانے اور تاریخی رطب و یابس پر گرنے اور اسے جمع کر کے لوگوں کو سنانے کی بجائے قرآن و حدیث کی صاف شفاف اور نظری ہوئی تعلیمات پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



## شہادت کا حادثہ فاجعہ

آخر اپنے دفاع کے لیے حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کو بھی تکوار انخانا پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم نے بہت کوشش کی کہ جنگ مل جائے، اور فساد دب جائے اور مسلمانوں میں قتل و خونزیزی کا راستہ نہ کھلے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کی تمام کوششیں بیکار اور تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں، زیادی فوج مارنے سرٹھل گئی۔ اشقیاء قتل حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کے درپے ہو گئے اور لڑائی کے لیے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔

حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کے ساتھ مشہور روایت کے مطابق کل 72 آدمی تھے۔ ان میں تیس کے پاس سواریاں تھیں اور چالیس پیدل تھے۔ اور سب کے پاس ہتھیار بھی نہیں تھے۔ اُدھر فوج پانچ ہزار مسلح اور جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ جو سب کی سب سلاح جنگ سے لیس تھی۔ راشن پانی کی بھی اسے کمی نہ تھی۔ اور اس کے لیے تازہ دم کمک بھی ہر وقت تیار رہتی تھی۔ لیکن حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم کی محقری بے کس و بے بس جماعت کے پاس نہ تو کوئی بڑا ذخیرہ خوراک تھا، نہ پانی۔ اور نہ انہیں دریائے فرات سے پانی کی ایک بوند لینے کی اجازت تھی۔

محرم 61ھ کی 9 تاریخ کو جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ جس عمرو بن سعد نے حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالہ وآلہ وسالم سے متعدد ملاقاتیں کیں، جس کے ساتھ مصالحت کی گفتگویں

ہوئیں، اور جس شخص نے حضرت حسین رض کے مطالبات کو بظاہر درست سمجھ کر ابن زیاد سے نامہ و پیام کیا۔ اسی عاقبت نا اندیش نے سب سے پہلا تیر سپاہ حسینی کی طرف پہنچا۔ اور اپنی فوج سے کہا:

”لوگو! گواہ رہو۔ حسین رض پر پہلا تیر میں نے ہی پھینکا ہے۔“ جیسے اس نے کوئی بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہو۔ کم از کم عمرو بن سعد کو اس ظلم میں پہل کرنے کی یہ ذلیل حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن اس نے اپنے اوپر سے ”حب حسین“ کا دھبہ مٹانا اور شمر اور ابن زیاد کو خوش کرنا چاہا۔ کاش کہ یہ شمر اور ابن زیاد کا ساتھ چھوڑ کر حضرت حسین رض کو خوش کرتا۔ اور مظلومین کر بلا کی دعائیں لیتا۔ مگر یہ مقدر کی بات ہے۔ ابن سعد کا تیر چلانا تھا کہ ابن زیاد کی فوج نے تیروں کا تانتا باندھ دیا۔ جس سے حضرت حسین رض کے مجاہدوں کی سواریوں کو کافی نقصان پہنچا۔ اور یوں ظالم کو فیوں نے لڑائی کی ابتدا کر کے اپنی بد فطرتی اور عقر بیت کا مظاہرہ کیا۔<sup>①</sup>

جنگ شروع ہونے پر بھی حضرت حسین رض موقع بحوق لشکر کے مقابل جا کھڑے ہوتے اور بلیغ الفاظ میں اس کو جنگ سے باز رہنے اور اہلی اسلام کا خون محفوظ رکھنے کی تلقین فرماتے۔ لیکن ظالموں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ہاں! اثر ہوا تو صرف یہ کہ ابن سعد کی فوج کا وہ خر نامی کمانڈر، جو ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین رض کو محصور کر کے میدان کر بلا میں لا یا تھا، حضرت حسین رض کا غلام بے دام بن گیا اور اپنی فوج سے نکل کر سپاہ حسینی میں شامل ہو گیا۔<sup>②</sup> جب ابن سعد اور شمر اور دوسراے افسروں نے یہ منظر دیکھا تو بہت غصب ناک ہوئے اور آتش جنگ کے شعلوں کو اور بھی تیز کر دیا۔

اب دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوا۔ زور دار حملے ہونے لگے۔ حضرت

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/429، والکامل لابن الأثیر: 3/289. <sup>②</sup> تاریخ الطبری: 5/427، والکامل لابن الأثیر: 3/288، والبداية والنهاية: 8/182.

حسین بن علیؑ کے اعیان و انصار بھی میدان میں نکل آئے۔ اور ایسی دادشجاعت دینے لگے کہ دشمن ان کی جواں مردی اور بہادری دیکھ دیکھ کر دنگ رہ جاتا جس سے اس پر خوف و ہراس طاری ہوتا تھا۔

دشمنوں کی شقاوت و قساوت اس درجہ شرمناک اور انسانیت سوزتھی کے مجاہدین میں سے جو شخص پانی کا گھونٹ لینے جاتا وہ اسی پر پل پڑتے اور ایک دم دھاوا بول کر شہید کر دیتے۔

حضرت عباس بن علی پانی لینے گئے تو ان پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ اس علمدار حسین بن علیؑ نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کئی اشقياء کو ہمیشہ کی نیزد سلایا۔ لیکن ظالموں نے نہایت بے دردی سے ان کے بازو کاٹ دیئے اور پھر انھیں شہادت کا جام پلا دیا۔ <sup>①</sup> انا للہ۔

اسی طرح چچ مہینے کا فرزند حسین بن علی اصغر بن علیؑ بھوک پیاس سے نہ حال ماہی بے آب کی طرح ترپ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی والدہ کا دودھ کثرت عطش سے سوکھ چکا تھا۔ حضرت حسین بن علیؑ اپنے اس معصوم نونہال کو بازوؤں پر اٹھائے لشکر ابن سعد کے سامنے آئے۔ اور فرمایا: ”ظالمو! اگر ہمیں پانی کا قطرہ نہیں چھوٹے دیتے اس نہیں کی جان پر تو ترس کرو جس کا گلا سوکھ کر کا نہ ہو چکا ہے، اس نے تو تمہارا کوئی قصور نہیں کیا ہے۔“ مگر سنگدوں نے پانی کی اجازت دینے کے بجائے کھینچ کر ایسا تیر مارا جو علی اصغر معصوم کے حلقوم میں پیوسٹ ہو گیا۔ اور وہ بازوئے حسین پر دم توڑ کر فردوس بریں میں پہنچ گیا۔ <sup>②</sup>

القصہ گھسان کے رن پڑتے رہے۔ اور حقیقی نہیں منے لشکر کے مجاہد سپاہی بے جگری و پا مردی سے لڑا کر اور دشمنوں کو تھہ تیغ کر کر کے جام شہادت نوش کرتے رہے۔ ان

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 446/5، <sup>②</sup> تاریخ الطبری: 448/5، والکامل لابن الأثیر: 3/294.

مجاہدین میں کچھ ایسے نابالغ بھی تھے جنہوں نے ابھی دنیا کے نشیب و فراز نہ دیکھے تھے۔ خصوصاً حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور سنتجہ اور بھانجے۔ مگر شوق شہادت میں وہ بھی ایسی دلاوری اور بے گجری سے لڑے کہ دشمن کے مجھے چھوٹ گئے۔ اور اسی طرح اس معزکہ کربلا میں حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سپاہی اور تمام فرزندان گرامی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں میں صرف حضرت علی زین العابدین زندہ رہے، جو پیاری یا کسی وجہ سے میدان میں نہ آ سکے۔ کوفیوں نے ان کی جان لینے کی بھی بڑی کوشش کی، لیکن حضرت نسب اور سکینہ صلی اللہ علیہ وسلم آڑے آگئیں اور وہ رنج گئے۔ ان کے علاوہ اور حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے غالباً حضرت زید صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی زندہ نہیں بچا۔<sup>①</sup>



<sup>①</sup> الكامل لابن الأثير: 3/295۔ تاریخ الطبری: 5/454۔ البداية والنهاية: 8/188

## حضرت حسین علیہ السلام کی المناک شہادت

10 محرم 61ھ جمعہ کے دن جناب حسین علیہ السلام تہارہ گئے، اور آپ علیہ السلام کے تمام ساتھی شہادت پا گئے، لیکن آپ علیہ السلام نے اپنی بے کسی اور تہائی کا کچھ خیال نہ کیا، کوئی گراں کی طرح حوصلہ مضبوط رکھا، استقامت اور استقلال میں ذرا فرق نہ آنے دیا، اور نہایت سکون و اطمینان سے اعداء کے مقابلے کے لیے تیار رہے۔ اگر اہل بیت علیہم السلام میں کوئی بی بی بے صبری کا اظہار کرتی یا آہ و بکا میں مصروف ہوتی تو آپ علیہ السلام فوراً خیسے میں تشریف لے جاتے، تلقین صبر کرتے۔ رونے چلانے اور چینخ پینے سے منع فرماتے اور راضی برضاۓ اور تقدیر الہی پر صابر و شاکر رہنے کی ہدایت کرتے۔ آپ علیہ السلام نے اپنی ازواج، اپنی ہمیشہ نہیں، اپنی دختر سیکنہ جہانگلہ کو وصیت فرمائی کہ ان حالات میں میرا بچنا محال ہے۔ مگر میرے جانے کے بعد کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالنا اور کوئی ایسا کام نہ کرنا جو حق تعالیٰ کی مرضی اور حکم شریعت کے خلاف ہو۔ مثلاً شہین و شیوں، نوحہ و مریمہ، سینہ کوبی، بال نوچنا اور کپڑے پھاڑنا، چینخ چلا کر گریہ و بکا کرنا، دو ہتریں اور لکے مارنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ حرکات منوع ہیں۔

حضرت حسین علیہ السلام اہل بیت علیہ السلام کو ہدایت اور نصیحت کرنے کے بعد پھر میدان میں تشریف لے گئے۔ ایک بار پھر دشمن کو اپنی مظلومی، بے کسی، تہائی اور بے بسی کی جانب توجہ دلائی۔ اپنے نواسے رسول اور فرزندِ بتوں ہونے سے آگاہ کیا کہ شاید ان کے دل

پیچ جائیں۔ مگر پھر دل دشمن پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر آپ ﷺ بھی ہے فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ① وَجَزُؤُهُمْ سَيِّعَةٌ ② ”اگر وہ تمہارے ساتھ لڑائی کریں تو تم بھی ان کو قتل کرو۔“ وَجَزُؤُهُمْ سَيِّعَةٌ ”برائی کا بدلہ برائی کے برابر لیا جاسکتا ہے۔“ کے حسب فرمان یکہ و تہا لڑنے کو تیار ہو گئے۔ شقی القلب کو فی آپ ﷺ پر پے در پے حملے کرتے۔ اور آپ ﷺ کی رحمت کی بدولت نہایت جرأت و ہمت سے ان کے حملے کو ناکام بنا دیتے۔ اور حملہ آوروں کو ذور تک دھکیل دیتے۔ اس وقت حضرت مددوح ﷺ کی پامردی، استقامت اور شجاعت دید کے قابل تھی جب دشمن کی فوج یلغار کرتی ہوئی آپ ﷺ تک پہنچتی اور مژدی ڈل لٹکر کی یورش کو ایک ہی وار میں فنا کر دیتے۔ مقابل فوج کے نامی جرنیل اور افسر بڑے بڑے دلیر سورے اور قوی بہادر تو آپ ﷺ کی صورت دیکھتے ہی لرزہ براندام ہو جاتے اور آپ ﷺ کی ہبیت سے انہیں آپ ﷺ کے نزدیک آنے کی جسارت نہ ہوتی۔

اکثر مؤرخین راوی ہیں کہ حضرت حسینؑ نے بہت سے طالبوں کو تہائی کانے لگا دیا۔ آپ ﷺ کی شمشیر جہانگیر جس طرف بڑھتی تھی کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے۔ اور اشقياء کٹ کر گرتے تھے۔

۔ ایں سعادت بزور بازو نیست  
تا نہ بخند خدائے بخندنا

آخر ایک ایکی جان پانچ چھ ہزار سفا کوں کا کب تک مقابلہ کر سکتی تھی؟ اگرچہ حضرت حسینؑ نے بڑی جرأت و بسالت کا ایمان افروز مظاہرہ کیا اور بے یار و مدد گار ہوتے ہوئے بھی دشمنوں سے ڈٹ کر لڑتے، ان کو پسپا کرتے اور ان کے پُر زے اڑاتے رہے۔ لیکن پایان کار زخموں سے چور ہو کر اور اعداء کے تفع و پیکان کی

① البقرة: 191. ② الشورى: 40.

حضرت حسینؑ کی شہادت

344، ج ۶۰

جراتیں کھا کر آپ ﷺ بے دم ہو گئے۔ زیادہ خون بہنے کی وجہ سے طاقتِ جواب دے گئی۔ درندوں نے آپ ﷺ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تیروں کی بارش ہونے لگی۔ تواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ امام مظلوم سب وار اپنے جسم پر لے لے کر کافی خون بہہ نکلنے سے بالآخر گر گئے۔ گرنے پر ستمگروں نے تواروں اور بھالوں کے اور وار یکے، جن کی تاب نہ لا کر گلتا نبوت کا یہ سدا بہار پھول مسل گیا۔ جس ریحاتہ نبی کو دوشی رسالت کی سواری کا فخر حاصل تھا، جس کو سردار دو عالم ﷺ نے بوسے دیے تھے اور جس کے ذرا بھر رونے اور معمولی سی تکلیف سے سرورِ کائنات ﷺ بے چین و مضطرب ہو جایا کرتے تھے، کوئی بھیڑیوں نے اس عظیم و بزرگ اور وحید العصر ہستی کو نہایت بے رحمی سے شہید کر دیا۔<sup>①</sup>

حضرت حسینؑ نے دس محرم الحرام 61ھ بروز جمعہ، بوقت عصر شہادت پائی، شہادت کے وقت آپ ﷺ کی عمر 57 سال کے قریب تھی۔ <sup>②</sup> إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، أَعْلَى اللَّهُ مَقَامَةٌ!

شہادت کے بعد جب آپ ﷺ کی لاش مبارک کو دیکھا گیا تو بے شمار زخموں کے علاوہ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر 33 زخم تیروں کے اور 34 زخم تواروں کے پائے گئے۔<sup>③</sup>

ایک قابلی ذکر بات یہ ہے کہ حضرت حسینؑ نے کربلا میں جس وقت اقامت فرمائی۔ تو دشمن کے نرغے میں آنے اور محصور و نظر بند ہونے کے باوجود احکامِ الہی کی پابندی اور فرائض و سنن کی ادائیگی میں ذرا کوتاہی نہ کی۔ آپ کتاب اللہ اور

<sup>①</sup> الكامل لابن الأثیر: 3/295، والبداية والنهاية: 189/8، 190/5. <sup>②</sup> المتنظم لابن جوزی: 345/5، والبداية والنهاية: 8/200. <sup>③</sup> الكامل لابن الأثیر: 3/295، تاريخ طبری: 453/5، والبداية والنهاية: 8/190.

345. حضرت حسین علیہ السلام کی المناک شہادت

سنّت رسول اللہ ﷺ کے مطابق یہاں بھی عمل کرتے اور قرآن و حدیث سے باقاعدہ تمسک فرماتے رہے۔ آخری دم تک نماز میں توقف نہیں کیا۔ آپ علیہ السلام کے محترم نانا جان علیہ السلام نے اپنے آخری وقت میں وصیت کرتے ہوئے ”الصلوٰۃ الصلوٰۃ“ کہہ کر مسلمانوں کو نماز کی تاکید فرمائی تھی۔<sup>①</sup>

نوادر سر رسول علیہ السلام نے نانا جان علیہ السلام کی اس وصیت پر آخر دم تک عمل کیا۔ جو بمقابلہ روایات بھوک پیاس سے مُذھاں ہو جاتے تھے۔ بھوک سے پہیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ چاروں طرف تواریں اور بھالیں چمک رہی تھیں۔ آپ علیہ السلام کا سرقلم کرنے کے لیے وشم نوٹ نوٹ پڑتے تھے لیکن اس حالت میں بھی آپ علیہ السلام ذکرِ الہی اور اہم ترین عبادات سے غافل نہیں ہوئے تھے۔ وقت پر پابندی سے نماز پڑھتے اور دوسروں کو پڑھاتے۔ امامت فرماتے اور ساتھیوں کو نماز کا پابند رہنے کی ہدایت کرتے، ہاں! جنگ کی ایسی نازک ساعتوں میں حکمِ شریعت کے ماتحت نماز خوف ادا کی جاتی ہے۔ کاش! مجان حسین علیہ السلام ادا یتگی نماز میں بھی ان کی پیروی کریں اور صلوٰۃ مسنونہ کے پابند بیٹھیں۔



① حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں: ”رسول اللہ علیہ السلام کا (زندگی میں) آخری کلام“ الصلاة الصلاة وما ملكت أيمانكم تھا۔ دیکھئے سنن أبي داود، الأدب، باب فی حق المملوک، حدیث: 5156، وابن ماجہ، الوصایا، باب هل أوصى رسول الله علیہ السلام، حدیث: 2698.

## شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی

بنا کر دند خوش رسمے بجا ک و خون غلطیدن  
 خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را  
 عالی مقام حضرت حسین رض کے ساتھ آپ رض کے جن اعزہ و احباب نے شہادت  
 پائی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

**[1]** جعفر بن عقیل بن ابی طالب۔ آپ نے 15 آدمیوں کو قتل کیا، آپ کا قاتل بعض  
 نے بشر بن حوطہ ہمدانی لکھا ہے۔

**[2]** عبد الرحمن بن عقیل بن ابی طالب آپ نے پچاس آدمیوں کو ٹھکانے لگایا، آپ کا  
 قاتل عبد اللہ بن عروہ خشمی تھا۔ بعض نے نام عثمان بن خالد جہنی لکھا ہے۔

**[3]** عبد اللہ بن عقیل بن ابی طالب۔

**[4]** محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب۔

**[5]** عبد اللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔ آپ بڑی بہادری سے لڑے، بہت آدمی  
 تذخیر کیے۔ آپ کا قاتل زفل بن مزاحم حمیری تھا، بعض مؤرخین نے قاتل کا نام عمر  
 بن صحیح صداوی اور بعض نے مالک بن اسید حضرتی بتایا ہے۔

**[6]** محمد بن عبد اللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب۔ آپ حضرت نبی ﷺ کے بیٹے اور  
 سیدنا حضرت حسین رض کے حقیقی بھانجے تھے، آپ نے دس آدمیوں کو قتل کیا اور

- آپ کے قاتل کا نام عامر بن نہشل تھی ہے۔
- [7] عون بن عبد اللہ بن جعفر طیار۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ستائیں آدمیوں کو موت کے گھاث آتا رہا۔ آپ کے قاتل کا نام عبد اللہ بن قطبہ ہے۔
- [8] ابو بکر بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ حضرت حسین علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے ہیں۔ ان کے قاتل کا نام حرمہ ہے۔
- [9] عمر بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے ہیں۔
- [10] عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ یہ بھی حضرت حسین علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے ہیں۔
- [11] قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ آپ ۱۹ برس کے بڑے بہادر نوجوان تھے، آپ کا قاتل سعد بن نفیل اروی تھا۔
- [12] محمد بن علی بن ابی طالب۔ آپ حضرت حسین علیہ السلام کے علاقی بھائی ہیں (علاقی بھائی وہ ہوتا ہے، جس کی ماں الگ ہو گر باب ایک ہی ہو)
- [13] عثمان بن علی بن ابی طالب۔ یہ بھی حضرت حسین علیہ السلام کے علاقی بھائی ہیں۔ آپ کا قاتل یزید بن ابٹی ہے۔
- [14] ابو بکر بن علی بن ابی طالب۔ یہ بھی حضرت موصوف علیہ السلام کے علاقی بھائی ہیں۔ آپ کے قاتل کا نام قدامہ موصیٰ ہے۔ بعض نے زیر بن بدر غنی اور عبد اللہ عقبہ کے نام بتاتے ہیں۔
- [15] جعفر بن علی ابن ابی طالب۔ آپ بھی حضرت حسین علیہ السلام کے علاقی بھائی ہیں۔
- [16] عباس بن علی بن ابی طالب۔ آپ حضرت حسین علیہ السلام کے علاقی بھائی ہیں، آپ لشکر کے عمددار تھے، آپ علی اصغر اور سکینہ کے لیے فرات سے پانی لینے گئے تھے، اس بناء پر آپ کو ساقی اہل بیت علیہ السلام کہتے ہیں۔
- [17] عبد اللہ بن علی بن ابی طالب۔ سیدنا حسین علیہ السلام کے علاقی بھائی ہیں، آپ کے قاتل

۳۴۸

۱۷۔ شہدائے کربلا کے اسائے گرائی

کا نام ہانی بن نویب حضرتی ہے۔

۱۸ علی اکبر بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحزادے ہیں، آپ کا قاتل سعد بن عمرو بن نفیل ازدی بتایا جاتا ہے۔

۱۹ علی اصغر بن حسین بن علی بن ابی طالب۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے شیرخوار بیٹے ہیں۔

۲۰ فیروز، یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے باوفا غلام ہیں۔

۲۱ سلم بن عوجہ

۲۲ حبیب بن مظاہر اسدی

۲۳ سعد۔ (جیاشم)<sup>①</sup>



① البداية والنهاية: 191، والكامل لابن الأثير: 302 - 303، وتاريخ الطبرى:

## شہادت کے بعد

حضرت حسین رض کو شہید کرنے کے بعد بھی زیادی بد طینت اور درندہ صفت کا سہ لیں شقاوت سے باز نہ آئے، شریجے ”ذیاب فی ثیاب“ (انسانی لباس میں بھیڑیا) بھی کہا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لغش مبارک پر چڑھ گیا، اور سیدنا قدس پر بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک کاٹ لیا۔ (العیاذ بالله) <sup>①</sup> اور بعض روایات کے مطابق اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاش مبارک کو گھوڑوں سے پامال کیا گیا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم سے پوشاک اتنا کر کر برہنہ کر دیا گیا ہو تو ان سے کوئی بعید نہیں، یہ ان ہونی یا حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ جن طالموں نے زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت نہ کی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر بریدہ جسد اطہر کی تقطیم کیوں کر سکتے تھے؟

اس کے بعد جفا کاروں نے خیموں کی طرف رجوع کیا اور امام شہید رض کا کل مال اس باب لوٹ لیا۔ جناب زین العابدین فرزند حضرت حسین رض کو بھی قتل کرنا چاہا مگر حضرت زینب اور حضرت سکینہ ان پر گر پڑیں اور وہ شہید ہونے سے بچ گئے، بعض نے انھیں کم عمر بتایا ہے اور بعض نے بچوں کا باپ۔ بہر حال کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا۔ دشمن کی فوج نے تمام یہیوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ اور امام مظلوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس کو نیزے پر چڑھا کر معہ تمام اہل بیت کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفہ میں سفاک اہنی زیاد کے پاس بھیج دیا۔ چشم فلک نے ظلم و ستم اور درندگی کی ایسی داستان خونچکاں شاید ہی کہیں دیکھی ہوگی۔ ۝ لَا تَأْتِيَهُ وَ إِنَّا لِلّٰهِ لَجَعُونَ ۝

<sup>①</sup> الكامل لابن الأثير: 3/295، والبداية والنهاية: 8/189-190، وتاريخ الطبرى: 5/453.

## حوادثہ کربلا کے بنیادی مجرم

یہاں چند باتیں عرض خدمت کرنا ضروری ہیں۔ امید ہے وہ قارئین کے لیے بھی مفید اور ازدواج علم کا باعث ہوں گی۔ (ان شاء اللہ)

بعض دوست جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح کی شہادت لشکر اہن زیاد کے ہاتھوں واقع نہ ہوئی تھی بلکہ محض اہل کوفہ کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی یہ محل نظر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کوئی بھی بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں صورتوں میں اس جرم میں شریک رہے، مگر لشکر اہن زیاد کو اس ستم و جھا سے میرا قرار دینا بھی ایک ڈھنائی ہے۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، قتل حسین صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح میں لشکر اہن زیاد کا پورا ہاتھ تھا۔ اس کیس کے (کوئیوں کے علاوہ) بنیادی طور پر تین مجرم ہیں: شرذی الجوشن، عبد اللہ بن زیاد اور عمرو بن سعد..... خوب بن یزید چوتھا مجرم ہوا چاہتا تھا مگر تائب ہونے کے بعد وہ مجرم نہ رہا، کیونکہ اول اس نے آپ صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا، اور اہن زیاد کی بیعت پر ضد کرتا تھا اور آپ صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح کے والپس جانے پر مصر تھا اور کربلا تک یہی آپ صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح کو لاایا تھا۔ مگر اللہ کی قدرت ریگ زار کربلا میں عین لڑائی کے وقت یہ تائب ہو چکا تھا، اس لیے یہ مجرمین کی فہرست میں نہ رہا۔

عمرو بن سعد اگرچہ بہ نسبت شر اور اہن زیاد کے بہتر تھا، مگر وہ لالج اور خوف کا شکار ہو چلا تھا۔ دیسے وہ حضرت حسین صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح کی شرائط کو مان لینے کے حق میں تھا، یہ قتل حسین صلوات اللہ علیہ و سلم و علی آلہ و سلم و علی آله وآلہ واصحیح میں مجبوراً شریک ہوا تھا، یا جیسے کیسے..... بہر حال اس کے شریک ہونے

سے انکار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«فَوَسَبَ إِلَىٰ فَرَسِيهٍ فَرَكَبَهَا ثُمَّ دَعَا بِسَلَاحِهِ.....»

”عمرو بن سعد ابنِ زیاد کا حکم ملتے ہی مقابله حسین رضی اللہ عنہ کے لیے کو دکر گھوڑے پر جا بیٹھا اور تھیار سجائے اور فوج لے کر سیدھا مقابله کے لیے چل پڑا۔“

عبداللہ بن زیاد ذاتی طور پر جابر، متین و اور سخت مزاج حکمران تھا۔ اور حکومت کا ولدادہ تھا۔ ہر قسم کا کریڈٹ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے نہ صرف حضرت مسلم اور ان کے ساتھیوں پر مظالم توڑے بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اعزہ پر بھی قسم ڈھائے، اس لیے بلا شک کہا جاسکتا ہے کہ ابنِ زیاد بڑا جفایپیش، چیرہ دست اور سنگدل حکمران تھا جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اعیان و انصار رضی اللہ عنہم پر مظالم توڑنے میں کوئی کمی نہ اٹھا کر گئی۔ حالانکہ اگر یہ چاہتا تو آپ رضی اللہ عنہ کی شایان شان نرم بر تاؤ رکھ سکتا تھا۔ اور امیر زید سے مشورہ کر کے بہتر راہ نکال سکتا تھا، لیکن یہ ادھر آیا ہی نہیں، اور صلح و صفائی کے تمام موقع ہاتھ سے نکال دیے۔

یوں بھی ابنِ زیاد کو قتل حسین رضی اللہ عنہ سے کیسے بری قرار دیا جاسکتا ہے؟ اسی نے تو ابنِ سعد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

«وَبَعَثَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زَيَادٍ عَمْرَو بْنَ سَعْدٍ لِقتَالِهِمْ»

”ابنِ زیاد نے ابنِ سعد کو قافلہ حسین رضی اللہ عنہ سے قاتل کے لیے بھیجا۔“<sup>③</sup>

در اصل ابنِ سعد کا لشکر جو چار ہزار سپاہ پر مشتمل تھا، ویلم کی طرف لڑائی کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ ابنِ زیاد نے اس لشکر کو قاتل ویلم سے روک کر قال حسین رضی اللہ عنہ کے لیے

① البداية والنهاية: 170/8. ② البداية والنهاية: 8/170.

٦٣٢. حدیث کربلا کے بنیادی مجرم

روانہ کر دیا، کیونکہ اس کے خیال میں یہ قتال اس قتال سے زیادہ ضروری تھا، ملاحظہ ہو  
البدایہ کی عبارت:

«وَكَانُوا أَرْبَعَةَ آلَافِ يُرِيدُونَ قِتَالَ دَيْلَمَ فَعَيْنَهُمْ أَبْنُ زَيَادٍ  
وَصَرَفَهُمْ إِلَى قِتَالِ الْحُسَيْنِ»<sup>①</sup>

علاوه ازیں ابن زیاد نے حضرت حسین بن علی پر وقتاً فتاً وقارہ حیات تنگ کرنے کے  
احکامات نافذ کیے، جن کی تقلیل تمام ماتحت عملہ بجالاتا رہا۔ ابن زیاد کی یہ حرکت بھی  
بہت ذلیل تھی جو اس نے حضرت حسین بن علی کے بریدہ سر اقدس کے ساتھ کی۔ امام ابن  
کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

«فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَصِيبِهِ فِي أَنْفِهِ أَنَّ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ كَانَ قَدْ شَمِطَ»  
”آپ بن علیؑ (کے بریدہ سر اقدس) کی ناک مبارک پر اپنی چھڑی رکھی اور کہا کہ  
ابو عبد اللہ (حضرت حسین بن علیؑ کی کنیت) کے بال تواب پک چکے ہیں۔“<sup>②</sup>  
لیکن بخاری شریف میں حضرت انس بن علیؑ کا قول مذکور ہے، الفاظ یہ ہیں:

«فَجَعَلَ يَنْكُتُ وَقَالَ فِي حُسَيْنِ شَيْئًا»

”جب ابن زیاد کے سامنے حضرت حسین بن علیؑ کا سر لایا گیا تو اس نے چھڑی  
سے اشارہ کیا اور ان کے حسن کا ذکر کیا۔“

فتح الباری میں بروایت ترمذی یہ الفاظ ہیں: مَارَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا  
”میں نے اس چہرے جیسا خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا۔“ لیکن ہمارے اکثر دوستوں  
نے ”ینکٹ“ کا ترجمہ چھڑی مارنا اور قال فی حُسَيْنِ شَيْئًا کا ترجمہ ”برا بھلا کہنا“  
کیا ہے اور بعض نے اس بات کو یزید کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ باتیں امر واقع

① البداية والنهاية : 169/8. ② البداية والنهاية : 1/171.

کے خلاف ہیں۔ اور اگر یہ صحیح ثابت ہو جائیں تو بہت بڑی اور تکلیف دہ باتیں ہیں..... اور اس بات میں تو شبہ نہیں کہ ان زیاد کا سب سے گھناؤ نافع شرذی الجوشن کو قتل حسین ﷺ پر متعین کرنا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سعد بھی مجرم تھا اور ان زیاد بھی۔ لیکن جس نے جور و جھا اور درندگی میں ان دونوں کے کان کاٹ دیئے، وہ یہی شقی شرذی الجوشن تھا۔ یہ ظالم حضرت حسین ﷺ کا قربی رشتہ دار تھا، شمر کی پھوپھی ام البنین بنت خرام حضرت علی ﷺ کی زوجہ تھیں، اور ان کے بطن سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ کربلا میں حضرت حسین ﷺ کے ساتھ تھے۔ شر نے اسی تعلق قرابت کی بنا پر کربلا کی جانب روانہ ہوتے وقت ان زیاد سے ان چاروں بچوں کے لیے امان حاصل کی تھی۔ لیکن اس ازلی شقی سے کوئی پوچھھے کہ تمہیں ان بھائیوں کی امان لینے کی فکر تھی مگر تمہیں دوسرے بھائیوں یعنی علی ﷺ کے گوشہ جگر، سیدہ فاطمۃ الزہراء ﷺ کے پارہ دل اور نبی ﷺ کے نور عین کی فکر نہ تھی؟ ایسے کیوں کیا؟ ان کی تو امان لیتے تھے مگر حضرت حسین ﷺ کی ..... جان .....؟ کیسی بیہودہ اور معاندانہ و مبغضانہ ذہنیت تھی۔ اچھے بھائی تھے حسین ﷺ کے؟ تھُف ہے ایسا بھائی ہونے پر۔ اور ہزار بار افسوس ہے ایسی ذلیل حرکات پر۔

حضرت حسین ﷺ نے ریگزار کربلا میں اسے دیکھتے ہی فرمادیا تھا:

«صَدَّقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: كَأَنِي أَنْظُرُ إِلَى كُلِّ  
أَبْقَعٍ يَلْغُ فِي دِمَاءِ أَهْلِ بَيْتِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ»

”اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: گویا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون میں منہ

اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر ہے کہ شر کو برص کا عارضہ لاحق تھا۔ شر، حضرت حسین بن حیدر رض کا سخت دشمن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسالم کی عزت و عظمت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ لگتا ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسالم کے خلاف ایسے ہی موقع کی تاک میں تھا۔ اس ذلیل، ملعون اور کمینہ فطرت انسان نما درندے اور چتنکبرے کتے نے ریگزار کربلا میں خیابانِ زہرا کے شگفتہ پھول کی پیتاں آن کی آن میں توڑ مسل کر رکھ دیں، یہی ہے وہ درندہ خصلت جو انسان کے لبادے میں بھیڑ یا تھا کہ جس نے بمطابق مشہور روایت حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم کا سر تن سے جدا کیا، اور اسی نے خاندان رسالت کا ہر بھرا چمن دیکھتے ہی دیکھتے ویران کر دیا، اور یہی تھا وہ ریکارڈ توڑ کمینہ فطرت جس نے پیار عابد کو ذبح کرنا چاہا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے انھیں بچالیا۔

ابن سعد، ابن زیاد اور شر قتل حسین صلی اللہ علیہ وسالم کے براہ راست مجرم ہیں، بہت بڑے مجرم۔ ان کے علاوہ اہل کوفہ تھے، ان کا ہم الگ ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ ان میں وفات نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اور یہ سب ایک دوسرے کے ایماء اور اشارے پر چلتے رہے اور وہ بھی بڑے ظالم تھے جو کسی نہ کسی درجہ میں حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسالم اور مقتولین کربلا کے قتل میں شریک تھے۔ یہ لوگ حد درجہ گناہ گار اور مجرم تھے۔ انھی قاتلین حسین صلی اللہ علیہ وسالم کے بارے میں کسی نے کہا ہے۔

أَتْرَجُوهُ أُمَّةً قَتَلَتْ حُسَيْنًا شَفَاعَةً جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ  
فَلَا وَاللَّهِ لِيَسَ لَهُمْ شَفِيعٌ وَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي الْعَذَابِ  
”کیا تم قاتلینِ حسین صلی اللہ علیہ وسالم کے بارے میں یہ سمجھتے ہو کہ روزِ محشر حسین صلی اللہ علیہ وسالم کے

نانا جان علیہ السلام ان (کمینہ فطرت لوگوں) کی سفارش کریں گے؟ نہیں، کبھی نہیں، واللہ ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ روز قیامت عذاب میں گرفتار ہوں گے انھیں اس ظلم و استبداد کی سزا مل کر رہے گی۔“ (ان شاء اللہ)

ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ یہ سب مجرم اور جنما کی تفعیل چلانے والے اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے نجات کے لئے ہیں نہ نجات کیں گے۔ اور یہ خوفناک عذاب سے دو چار ہوں گے۔



## ایک اہم سوال

اب ایک اہم اور قابل ذکر سوال باقی رہ جاتا ہے کہ قاتلین حسین علیہ السلام میں یزید کا نام ہے یا نہیں؟ ..... یہ سوال اہم بھی ہے اور مشکل بھی۔ اس بارے میں بالعموم تین نظریات ملتے ہیں:

**پہلا نظریہ:** یزید حضرت حسین علیہ السلام کا قاتل تھا، یہ سارا کام اس کے حکم اور خواہش پر ہوا۔ اور وہ قتل حسین علیہ السلام سے خوش تھا۔ بڑا اور اصلی مجرم یہی تھا۔

**دوسرا نظریہ:** یزید اس سلسلے میں قطعاً بے خبر تھا۔ قتلِ حسین علیہ السلام کا حکم دینا تو رہا درکنار اسے اس حادثہ کی اطلاع تک نہ تھی۔ یہ سب کچھ اسے بعد میں معلوم ہوا جس کا اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ قاتلین پر لعنت بھیجا رہا۔

**تیسرا نظریہ:** یزید برادرِ راست قتلِ حسین علیہ السلام میں پیشک شریک نہ تھا مگر وہ بالواسطہ شریک تھا۔ بالفرض شریک نہ بھی ہو، مگر اس کے دورِ حکومت میں تو یہ حادثہ ہوا ہی تھا۔

جہاں تک پہلے نظریے کا تعلق ہے تو اس کی ہموائی نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس سلسلے میں کوئی صحیح دلیل نہیں ملتی، جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں ان کے پاس کوئی مستند حوالہ ہو تو پیش کریں۔

تیسرا نظریہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ کسی صحیح روایت سے اس کی بھی تائید نہیں ہوتی..... حقیقت یہ ہے کہ یزید قتلِ حسین علیہ السلام میں نہ بلا واسطہ شریک تھا، نہ بالواسطہ شریک تھا۔ ہال یہ درست ہے کہ یہ حادثہ فاجعہ اس کے دورِ حکومت میں ہوا، مگر محض اس وجہ

ایک اہم سوال

• 357

سے یزید کو کیسے مجرم قرار دیا جاسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس کے عہد حکومت میں ہوا.....؟  
 یہاں چند باتیں سامنے رکھ لی جائیں تو اشکال کے حل ہونے میں مدد لے سکتی ہے:  
 ① یزید جب تخت خلافت پر بیٹھ گیا، اور مسلمانوں نے اسے خلیفہ تسلیم کر لیا تو فرمائیے  
 وہ ملک میں امن و امان قائم کرنے کا ذمہ دار تھا یا نہ تھا؟

[2] جس علاقے میں اس نے شورش کا زیادہ خطرہ محسوس کیا، اگر وہاں اس نے سخت انظمات کیے تو بھیتیت ایک حکمران ہونے کے اس نے اچھا کام کیا یا برا کام کیا.....؟ کیا پہلی اس کی ذمہ داری تھی یا نہ تھی.....؟

[3] معلوم ہے حضرت حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت نہ کی تھی، کیونکہ آپ علیہ السلام اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ اہل سمجھتے تھے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے (ہمارا اپنا بھی یہی خیال ہے) مگر تاریخ گواہ ہے کہ یزید نے آپ علیہ السلام کا احترام روا کھا، کوئی اور ہوتا تو وہ غالباً آپ علیہ السلام کو مدینے اور مکے سے باہر نہ جانے دیتا۔ اور مسلم بن عقیل جو حضرت حسین علیہ السلام کے لیے بیعت لیتے رہے اس کی ایک دن کے لیے بھی اجازت نہ دیتا۔

**4** بیزید نے یہ جانے کے باوجود کہ آپ نہ صرف یہ کہ حکومت سے اختلاف رکھتے ہیں اور حکومت کو تسلیم نہیں کرتے، سب کچھ گوارا کیا۔ لیکن جب بیزید کو یہ علم ہوا کہ اہل کوفہ آپ کو بلا رہے ہیں اور آپ ﷺ کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں تو اسے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میری سلطنت کا ایک عظیم حصہ (کوفہ، عراق) کٹ کر ہی نہ رہ جائے اور میری بقايا حکومت میں بھی ناقابل تسخیر ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے، تو اندر میں حالات اس نے حکومتی اور سیاسی نقطہ نظر سے جو انتظامات کیے خود ہی انصاف سے کہیے وہ اگر نہ کرتا تو اور کیا کرتا، کیا یہ اس کا حق نہ تھا؟ کیا انتظامات کرنا اس کے لیے ناگزیر نہ ہو چکا تھا؟ اس کے قلمرو میں طرح طرح کی اور شورشیں اٹھنے کا خطرہ لاحق نہ تھا؟ کیا ایسے مخدوش اور مہیب و خطرناک حالات میں کوئی حکومت چین سے بیٹھ سکتی ہے؟

۱۰۰۔ ایک اہم سوال

۳۵۸

۵ ان حالات میں بظاہر دو ہی صورتیں تھیں۔ یزید حکومت کرتا یا حضرت حسین بن علیؑ حکومت کرتے، کیونکہ حضرت حسین بن علیؑ کا یہ اقدام حکومت یزید کے خلاف ایک کھلا چیلنج تھا، اور یہ حکومت میں ایک اور ذیلی حکومت قائم کرنے کے مترادف تھا۔ نئی حکومت وجود میں آئی یا نہ آئی بہر حال حکومت وقت کو خطرہ تو تھا ہی۔ حاس حکومتیں تو ان حالات میں نہایت چوکس ہو جاتی ہیں۔ آپ خود ہی بتائیں میں اندر میں حالات کسی ملک میں بیک وقت دو متوازی حکومتیں قائم ہو سکتی یا چل سکتی ہیں؟ اور اس صورت حال میں ملک میں کیونکر امن و امان قائم رہ سکتا ہے؟ جبکہ کسی بھی ریاست میں امن و امان قائم کرنا اور ہر طرح کی شورش کو دباانا حکومت کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔ انصاف سے کہیے: کیا یہ کسی حکومت کا فریضہ ہوتا ہے کہ نہیں؟

۶ یزید کا اگر جرم تھا تو یہی تھا کہ وہ امیر معاویہ بن علیؑ کے ایماء، صحابہؓ کے انتظام اور تابعین بن علیؑ و عامتہ اُمّۃ المُسْلِمِینَ کے بیعت کرنے پر سریر آرائے خلافت ہو گیا تھا، یا تو وہ زمام اقتدار نہ سنبھالتا۔ اور اگر اس نے سنبھالی تھی تو پھر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتا۔ کیا اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا جرم ہے؟ کچھ دیر کے لیے ہماری پاتوں کو چھوڑ دیجئے۔ آپ خود کہیے کہ اندر میں حالات بحیثیت حکمران ہونے کے یزید کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ وہ اگر اس وقت امارت سے دست کش ہوتا تو حالات کیا ہوتے۔ کیونکہ اہل نفاق اور دین و شرمن عناصر گھات میں بیٹھے ایسے ہی حالات کے منتظر تھے۔ ان خطرناک اور مہیب حالات کو کنٹرول کرنا کیا اس کے لیے آسان ہوتا۔

۷ جہاں تک حضرت حسین بن علیؑ کو سمجھانے کا تعلق ہے تو وہ سب نے سمجھایا، حکومت نے بھی سمجھایا اور آپ بن علیؑ کے احباء، اعزہ اور رفقاء نے بھی، جس کی تفصیل دوسرا جگہ دی جا چکی ہے، مگر آپ اپنا جو عزم کرچکے تھے اس کے خلاف کسی کی بات کو تسلیم کرنا تو رہا الگ، اس پر ایک لمحہ کے لیے بھی نظر التفات مائل کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے، اب اس

اے جو ایک اہم سوال

359

صورت حال میں یزید کے لیے سوائے کوفہ کے انتظامات سخت کرنے کے اور کیا چارہ کا رہا؟  
 [8] حضرت حسین بن علیؑ کو شہید کرنے کا اگر یزید نے حکم دیا ہوتا تو قافلہ حسین بن علیؑ کے بقیہ الیف (یعنی شہادت سے فتح جانے والے) اعزہ مثلًا حضرت زینب و حضرت زین العابدین جعفر بن ابی طالبؑ اس کا اعلان یا اظہار فرماتے۔ اعلان و اظہار سے انھیں کون سی چیز روک سکتی تھی؟ مگر ان پر ستاراں حق نے بجائے یزید کے حضرت حسین بن علیؑ کا قاتل ابن زیاد، شمر، عمرو بن سعد اور اہل کوفہ کو قرار دیا، یزید پر کسی نے الزام عائد نہیں کیا۔ دیکھ لجھے مستند اور معتبر کتب۔ سارے حقائق آپ کے سامنے آ جائیں گے۔ علاوہ ازیں سیدہ زینب بنت علیؑ نے کوئیوں کو جو بدعاوی، یزید کا اس میں بھی نام نہ تھا۔ دیکھیے سیرت فاطمۃ الزہرا آغا سلطان مرزا شیعہ، ایڈیشن: سوم، ص: 268۔ حق برادر ز لاہور اور ہفت روزہ رضا کار، لاہور کیم مسی 1960 ص: 80۔

[9] اگر حسین بن علیؑ کا قاتل یزید ہوتا تو وہ اس قتل پر خوش ہوتا اور قاتلین کو انعامات سے نوازتا، کسی کو تھکلی دیتا، یا سراہتا، یا نقدی دیتا اور ہیرے جو اہرات باشتاتا، یا کوئی جاگیر بنخشا، یا منصب میں ترقی دیتا، یا کم از کم چراغاں ہی کرتا، یا قاتلین کو اپنا قرب بنخشا۔ اس سلسلے میں تواریخ بتلاتی ہیں کہ وہ قتل حسین بن علیؑ سے نہ خوش ہوا، اور نہ اس نے کسی کو انعام و اکرام سے نوازا، بلکہ اس کے بر عکس اس نے قاتلین حسین بن علیؑ کو سخت برا بھلا کھپا۔ اور شیعہ سنی کتب کے مطابق وہ خود بھی روتا رہا اور اس کے اہل خانہ بھی روتے رہے۔ بعض دوست انھیں مگر مجھ کے آنسو کہہ دیں..... تو اگر اس کے جواب میں کوفہ کے قاتلین حسین کو جو بعد میں روئے رہے ہیں۔ اور آج تک رو رہے ہیں ان کے رونے کو کس کے آنسو کہیں گے؟

[10] اگر یزید حضرت حسین بن علیؑ کا قاتل ہوتا تو قافلہ حسین بن علیؑ کے باقی ماندہ اعزہ نہ اس کے ہاں قیام کرتے، نہ اس سے وظیفہ وصول کرتے، نہ اس کی ہدایات پر عمل کرتے۔

۱۰۰۔ ایک اہم سوال

۳۶۰

کیونکہ وہ بڑے خوددار اور غیرتمند تھے۔ یہ بیان مع دلائل عقلیہ و نقلیہ آگے آ رہا ہے۔

[11] جب یہ حادثہ فاجعہ قوع پذیر ہوا اس وقت کئی صحابہ رضی اللہ عنہم، صحابیات رضی اللہ عنہم اور اکابرین دین و ملت زندہ تھے، اور تعجب یہ ہے کہ کسی قابل ذکر بزرگ نے بھی یزید کو قاتل حسین رضی اللہ عنہ قرار نہیں دیا۔ اگر آپ نے کہیں پڑھا ہوتا ان کے اسمائے گرامی سے آگاہ فرمائیں۔

[12] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی عراقی نے بحالت احرام مچھر مار دینے کی بابت مسئلہ دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرتے وقت تو کچھ نہ پوچھا، اب مچھر مارنے پر مسئلہ پوچھتے ہو؟“<sup>①</sup>

اگر حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل یزید ہوتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عراقیوں کے بجائے یزید کا نام لیتے.....!

بدگمانی، ضد اور کینہ اور بات ہے مگر جہاں تک عقل و نقل، حالات و واقعات اور دلائل و شواہد کا تعلق ہے، وہ یزید کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ پیشک سو فیصد نہ سہی، مگر اسی توے فیصد امیر یزید بری نظر آتا ہے۔

ہمارے کچھ اہل علم و قلم دوست اس سلسلے میں دو بڑے وزنی اعتراض پیش کرتے ہیں، وہ اعتراض معہ مختصر جواب ملاحظہ فرمائیے:

[1] پہلا اعتراض تقریباً ہی ہے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ چونکہ یزید کے عہد حکومت میں شہید ہوئے، لہذا اس قتل حسین رضی اللہ عنہ کا سارا بار یزید پر پڑتا ہے، اور اسے کسی صورت بری قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہم ان احباب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ دنیا کا کوئی قانون کہتا ہے کہ جس حکومت میں جو لوگ قتل ہوئے ہوں ان کی سزا حکمران کو ملنی چاہیے۔ اسی طرح کیا یہ

<sup>①</sup> صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب الحسن و الحسين رضي الله عنهما، حدیث: 3753.

تلیم کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ قتل عثمان علیہ السلام کے وقت میں ہوا، لہذا قتل عثمان علیہ السلام کا بار حضرت علیہ السلام پر پڑتا ہے؟ نیز جب حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو حسین علیہ السلام کر بلا میں اور یزید ان سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر دمشق میں تھا۔ مگر جب حضرت عثمان علیہ السلام شہید ہوئے سب جانتے ہیں کہ اس وقت حضرت علیہ السلام آسی شہر مدینے میں تھے، اور بقول بعض احباب آپ علیہ السلام مشکل کشا، عالم الغیب اور قادر و مختار بھی تھے، مظلوم عثمان غنی علیہ السلام کیوں نہ نجع سکے؟ اگر آپ کو دوستوں کے عقائد کا حامل مانا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے عثمان علیہ السلام کو عمدًا قتل کروایا۔ ہم پھر پوچھتے ہیں کہ اسی شہر میں ہوتے ہوئے آپ علیہ السلام نے سیدنا حضرت عثمان ذوالتورین علیہ السلام کے تحفظ و دفاع میں سعی بلغ اور پھر پور جد و جہد کیوں نہ کی؟ ٹھیک ہے آپ علیہ السلام نے دونوں بیٹوں کو دفاع کے لیے بھیجا تھا، مگر سوال تو یہ ہے کہ مولیٰ علیہ السلام نے بعینہ و بذات کون سی قابل ذکر دلچسپی لی اور سر توڑ کوشش فرمائی، جسے تاریخ اسلام نے اہتمام سے نہ کسی کسی طرح بھی ذکر کیا ہو۔ فما ہو جواب کم فهو جوابنا یعنی جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

2 ووسرا اعتراض اس سے بھی ورنی سمجھا جاتا ہے کہ اگر امیر یزید قتل حسین علیہ السلام سے خوش نہ تھا تو اس نے مقتولین حسین علیہ السلام کے خون کا بدالہ کیوں نہ لیا؟ کیا ہم ان معترضین سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اگر حضرت علیہ السلام قتل عثمان علیہ السلام سے کبیدہ خاطر اور حزین و ملول تھے تو آپ علیہ السلام نے اپنے عہد حکومت میں قاتلین عثمان علیہ السلام سے حضرت عثمان علیہ السلام کے خون کا انتقام کیوں نہ لیا؟ کیا سیدنا علیہ السلام شہادت عثمان علیہ السلام کے بعد امیر المؤمنین نہ ہوئے تھے؟ اگر امیر المؤمنین ہوئے تھے تو آپ علیہ السلام نے قاتلین عثمان علیہ السلام کو سزا کیوں نہ دلوائی؟ بلکہ آپ علیہ السلام کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے مابین جو تفرقہ ہوا اور مسلمانوں ہی کے

۔۔۔۔۔ ایک اہم سوال

۔۔۔۔۔ 362

درمیان جمل اور صفین نام سے جو د مشہور جنگلیں ہوئیں ان کا بنیادی سبب یہی قتل عثمان بن علیؑ کا قصاص نہ لینا تھا۔ حضرت عثمان بن علیؑ کا قصاص کیوں نہ لیا گیا؟..... اگر کسی کو سزا دی ہو یا قصاص لیا ہو تو بتاؤ؟ ہم بڑے منون احسان ہوں گے۔ کوئی بھی اعتراض کرنے سے قبل دس بار اس بات پر غور کرنا چاہیے کہیں یہ اعتراض الٹا ہو کر ہم پر ہی نہ پڑے جائے۔ اکثر لوگ اعتراض کر دیتے بلکہ جو دیتے ہیں اور آگے گھرا فی یا تفصیل میں نہیں جاتے۔ اور قطعاً یہ نہیں دیکھتے کہ اس کا ہدف کون کون بنتا ہے۔ اور وہ بجائے نکلنے کے اور پھنس جاتے ہیں۔ اور یہی حال ہے تصنیف و تالیف میں دوسری طرف کا مطالعہ و معلومات نہ رکھنے والوں کا۔

ویسے ہماری آزادانہ رائے اور ہے، جس کا ہم پیچھے دو ایک جگہ ذکر کر چکے ہیں۔ یہاں پر بھی عرض کرنے میں باک نہیں ہے کہ ہم ذاتی طور پر علی وجہ بصیرت سیدنا حضرت علیؑ کو ایسے الزامات و اعتراضات سے مبرأ سمجھتے ہیں، اور آپؑ کے بارے میں بد ظنی یا عناد رکھنے کو ہلاکت و بر بادی خیال کرتے ہیں اور آپؑ کے بارے میں نہایت پاکیزہ و اعلیٰ اور صاف سترے جذبات رکھتے ہیں۔

ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر عوام و خواص کی سوچ کا یہی انداز اپنایا جائے تو پھر ہدف تنقید سے کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی نہیں نفع سکتا، یقیناً یہ بد ظنی ہے، اس سے قرآن حکیم نے منع فرمایا ہے۔ ہمیں جہاں تک بن پڑے بدگمانی سے احتراز کرنا چاہیے، ثابت اور تحقیقی انداز اختیار کرنا چاہیے، اور خارجی تاثرات، فرقہ وارانہ پروپیگنڈے یا علمی و جہالت کی بنا پر خواہ جنواہ کسی پر الزام نہیں دھرنا چاہیے اور ہمیشہ ۔۔۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَاقْرُبَيْ ۔۔۔ ”کوئی شخص کتنا قریبی اور محبوب کیوں نہ ہو ہمیشہ عدل و انصاف کی بات کرو۔“ کے ارشاد قرآنی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ عدل کا یہی تقاضا ہے۔ اہل تشیع کو تو عدل کا اہلسنت سے بھی زیادہ خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ

۔۔۔ ایک اہم سوال

۔۔۔ 363

ان کے ہاں ”عدل“ ارکان اسلام اور اصول دین میں سے ہے۔ لیکن جائے تاثُّف ہے کہ عدل کے تقاضوں کو وہی زیادہ پامال کرتے ہیں۔ کسی سے دشمنی خواہ کرنی ہو (اگرچہ وہ بھی کسی حد تک ہی ہونی چاہیے) مگر تقاضائے عدل اس سے بلند ہے۔ بات ہمیشہ عدل و انصاف کی کرنی چاہیے۔ پیشک عدل و انصاف پر قرآن مجید نے بہت زور دیا ہے۔



## یزید کا تاثر و تأسف

سفاک ابن زیاد نے حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر شہداء کے بریدہ سروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ کیا اور انھیں اہل کوفہ کی عبرت کے لیے شہر کے گلی کو چوں میں پھرایا۔ پھر زہربن قیس کی زیر نگرانی ان مقدس بریدہ سروں کو یزید کے پاس پہنچ کر اس نے اپنا "کارنامہ" یوں بیان کیا کہ "آپ کو فتح و کامرانی کی مبارک ہو..... حسین صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مقابلے میں آگئے اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے، چنانچہ ہم نے ان لوگوں کو گھیر لیا، اور یہ ادھر ادھر بھاگتے رہے، مگر انھیں کہیں پناہ نہ ملی، بالآخر ہم نے ان کا کام تمام کر دیا، اور ان کے جسم برہمنہ پڑے ہیں۔"<sup>①</sup>

مگر "البداية والنهاية" میں اگلی وضاحت یہ آتی ہے کہ "غاضریہ" جونواح کوفہ میں کربلا کے قریب ایک قریب ہے، وہاں کے ساکنین بنو اسد نے قتل کے دوسرا دن شہداء کو دفن کیا تھا <sup>②</sup> یعنی وہ پڑے نہیں رہے تھے، بلکہ اگلے روز دفن کر دیتے گئے تھے۔ جب یہ لوگ یزید کے پاس گئے تو انہوں نے اپنی کارکردگی بتانے کے بعد یزید سے وضاحت و اشارۃ انعام و اکرام کا بھی تقاضا کیا، کیونکہ ان کی یہ ساری ظلم کی کارروائی اسی لیے تھی کہ شاہی دربار سے انعام و عزت ملے۔ مگر وہ دونوں چیزوں سے محروم رہے، اور انھیں انعام و عزت سے کچھ نہ ملا۔

<sup>①</sup> تاریخ الطبری: 5/455-460. <sup>②</sup> تاریخ الطبری: 5/455، والبداية والنهاية: 191/8.

عام موئین نے اس موقع پر بھی بڑے افسانے تراشے ہیں مثلاً: ”یزید قتل حسینؑ سے بہت خوش ہوا، اور اس نے حضرت حسینؑ کے دانتوں پر چھپری رکھی، اور یہ کہا، اور وہ کہا، اس کے پاس کھڑے ایک شامی نے اہل بیت ﷺ کی ایک جوان سال لڑکی سیدہ سکینہؓ کے بارے میں فلاں ناروا درخواست کی، اس پر سیدہ نسبؓ سخن پا ہو گئیں جس پر یزید اور نسبؓ میں تلخ مبارکہ شروع ہو گیا، نیز یزید نے شہدائے کربلا پر شادیاں بجائے۔ قاتلین حسینؑ کو جائیدادیں دیں۔ اور طرح طرح کے انعامات سے نوازا، اور انھیں مناصب میں ترقیاں دیں۔ اور یزید اور اس کا خاندان کئی روز تک جشن مناتا اور کھی کے چراغ جلاتا رہا۔ وغیرہ وغیرہ۔“

لیکن یہ سب باتیں محض ایک افسانہ اور ڈھکو سلے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یزید کو اس حادث سے بڑا رنج ہوا اور اس نے جو لوگ اس کیس میں شریک تھے ان سب کو برا بھلا کہا، انھیں اپنی مجلس سے دھنکا دیا۔ دل گرفتہ ہو کر دریتک روتا رہا، اور اس کے اہل خانہ بھی روتے رہے، اور یقینہ السیف افراد سے نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا.....

یہ وہ حقائق ہیں کہ جن کا اہل تشیع کو بھی انکار نہیں..... ان شواہد و حقائق کو دلائل اور اہتمام سے پیش کرنے کی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی مگر پھر بھی ہم قارئین کرام کی تکییں اور اضافہ معلومات کے لیے چند حوالہ جات پیش کئے دیتے ہیں کہ جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یزید قتل حسینؑ سے ناخوش ہوا۔ یہ اعموم اور رنجیدہ رہا۔ بلکہ اس کے بعد زندگی بھروسہ مistrust و بے چیزیں رہا۔ تا آنکہ وہ موت کی آنکھوں میں چلا گیا۔

كتب میں لکھا ہے:

یزید نے جب زحر بن قیس کی زبان سے شہادت حسینؑ کی خبر سنی تو کچھ دیردم

بیرونیہ کا تأثیر و تاثف

366

بخود رہا، پھر سر اٹھا کر کہا: میں اس پر ہی راضی تھا کہ بلا قتل حسین علیہ السلام میری اطاعت کی جاتی، لیکن میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو حسین علیہ السلام کو ضرور معاف کر دیتا۔<sup>۱</sup>

یزید نے یہ افسوس ناک خبر سنتے ہی: إِنَّمَا يُلْهِهُ وَإِنَّمَا إِلَيْهِ لِجَعْوَنَ پڑھا۔

یزید انشت بدندان گزید، ”یعنی یزید نے دانتوں تلے انگلی دبای۔“<sup>۲</sup> عموماً غیر متوقع خبر سن کر اس طرح حیرت و استعجاب کا انہصار کیا جاتا ہے۔

”یزید خود رویا۔“ اس کی بیوی روتی ہوئی بے پرده باہر نکل آئی۔ (یعنی ناگہانی<sup>۳</sup>)

صد میں جیسے اوسان قائم نہ رہے ہوں دیسے وہ بڑی باحیا اور باپرده خاتون تھی)<sup>۴</sup>

”یزید نہ صرف جلوت میں بلکہ خلوت میں بھی روتا رہتا تھا۔“<sup>۵</sup>

”یزید کی دختر ان اور همسیر گان روتی تھیں۔“<sup>۶</sup>

”تباه حال قافلہ جب دمشق پہنچا، تو یہ دیکھ کر یزید روپڑا، وہ رومال سے آنسو پوچھتا تھا۔“<sup>۷</sup>

یزید نے جب شہدائے کربلا کی خبر سنی تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ کہنے لگا: ”میں بغیر قتل حسین علیہ السلام کے بھی تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا، اب ن سکتے (یعنی اب ن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ! اگر میں وہاں ہوتا تو حسین علیہ السلام سے درگذر کرتا، اللہ تعالیٰ حسین علیہ السلام کو اپنی جواہر رحمت میں جگہ دے۔“

اور یہ بات شیعہ سنی تقریباً سب کتب میں موجود ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا۔<sup>۸</sup>

یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن شعبہ چلایا اور کہا: ”میں امیر المؤمنین کے پاس

<sup>۱</sup> ناسخ التواریخ، ص: 369. <sup>۲</sup> نهج الاحزان، ص: 321. <sup>۳</sup> خلاصة المصائب، ص: 326. <sup>۴</sup> خلاصة المصائب، ص: 315. <sup>۵</sup> خلاصة المصائب، ص: 393. <sup>۶</sup> خلاصة المصائب، ص: 292,294. <sup>۷</sup> خلاصة المصائب، ص: 293. <sup>۸</sup> شہادت حسین ابو الكلام آزاد بحوالہ ابن جریر۔ کامل و تاریخ کبیر ذہبی، ص: 60.

فاجر کمینوں کو لایا ہوں۔“ بیزید یہ سن کر خفا ہوا، کہنے لگا ”محض سے زیادہ کمیہ اور شریر بچ کسی عورت نے نہیں جنا۔“<sup>①</sup>

شر نے حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کا سرمبارک بیزید کو پیش کرتے وقت کہا۔  
 اِمْلَا رِكَابِيْ فِضْلًا وَ ذَهَبًا قَتْلُتْ خَيْرَ الْخُلُقِ أَمَّا وَ أَبَا  
 ”یعنی میرے رکاب (برتن) کو سونے اور چاندی سے بھردے، کیونکہ میں نے  
 اسے قتل کیا جو ماں اور باپ (دونوں کی طرف) سے سب سے بہتر تھا۔“  
 بیزید نے سخت غصباک ہو کر جواب دیا:

”خدا تیرے رکاب کو آگ سے بھرے، تیرے لیے بر بادی ہو، جب تو جانتا  
 تھا کہ حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم مخلوق میں بہترین ہیں تو تو نے انھیں کیوں قتل کیا؟ میری  
 نگاہوں سے ذور ہو جا، تیرے لیے میرے پاس کوئی انعام نہیں۔“<sup>②</sup>  
 بیزید نے کہا: ”میری طرف سے تجھے کوئی انعام نہیں۔“ یعنی کہ شر خائب و خاسر  
 دفع ہو گیا، اور اس طرح وہ دین و دنیا میں بے نصیب رہا۔<sup>③</sup>

ملا اسحاق الغراہی اور صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے:

”بیزید نے مجمع عام میں ایک تقریر کی جس میں فرد افراد اس سب قاتلین حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم  
 پر لعنت کی۔“<sup>④</sup>

بیزید نے کہا: ”ابن زیاد ملعون نے حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کے معاملہ میں عجلت سے کام لیا۔ میں  
 ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔“<sup>⑤</sup>

”حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم کو اس (ابن زیاد) نے قتل کیا، خدا اس کو غارت کرے۔“<sup>⑥</sup>

① شہادت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلم، ص: 76. ② خلاصة المصائب، ص: 304. ③ ناسخ التواریخ، ص:

269. ④ ملخص ترجمہ مقتل امام الغرائیی، ص: 198. ⑤ جلاء العيون، ص: 527.

⑥ ناسخ التواریخ، ص: 378.

بِزَيْدٍ کا تأثیر و تائیف  
بِزَيْدٍ نے حکم دیا: ”اہل بیت ﷺ کو خاص مکان (بہترین رہائش گاہ) میں اتارا جائے۔ اور ان کی ضرورت کی ہر چیز بھم پہنچائی جائے۔“ (اور لکھا ہے) جب تک امام زین العابدین ع دستر خوان پر نہ آتے، بِزَيْدٍ کھانا نہ کھاتا۔ نہ آرام کرتا۔<sup>①</sup>

نمکورہ دلائل و شواہد پڑھ کر کئی دوست کہتے ہیں کہ عبارات اور حوالہ جات تو صحیح ہیں مگر بِزَيْدٍ نے یہ سارا کچھ دل سے نہیں کیا تھا۔ بس دکھانے کے لیے اوپر اور سے کیا تھا۔ اگر وہ یہ نہ کرتا تو اس کا اپنوں میں بھی مقام کھو جاتا وغیرہ وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں: دل کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن ہمیں ظاہری دلائل و شواہد کے اخذ و قبول کا حکم ہے۔ ہمیں بجائے بدظنی کرنے کے حسن نقطی کے پہلو کو غالب رکھنا چاہیے۔ اس میں زیادہ بہتری اور پائیداری ہے۔ بدظنی سے بہت سی قباحتیں جنم لیتی ہیں۔ سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا اور فساد فی الارض پر وان چڑھتا ہے۔ اب دوسرا پہلو دیکھئے کہ بِزَيْدٍ نے بخشیت سر برہ مملکت ہونے کے کس طرح حادثہ کربلا کے باقی ماندہ افراد سے احترام اور شفقت کا برداشت کیا۔ بِزَيْدٍ نے حکم دیا: (یہ عبارت اور گزر چکی ہے) ”اہل بیت ﷺ کو خاص مکان میں اتارا جائے اور ان کو ضرورت کی ہر چیز بھم پہنچائی جائے، (اور احترام کا یہ عالم تھا کہ) جب تک حضرت زین العابدین ع دستر خوان پر نہ آتے بِزَيْدٍ کھانا کھاتا، نہ آرام کرتا۔“<sup>①</sup>

ہم نے شیعہ کتب کے عام حوالہ جات عمداؤدیے ہیں تاکہ کسی کو اس بات میں شبہ باقی نہ رہے کہ بِزَيْدٌ قتل حسین رض سے راضی تھا۔ بات ایسے نہیں، بلکہ امر واقع یہ ہے کہ بِزَيْدٌ قتل حسین رض سے ناخوش، ناراض، غصبناک اور حد درجہ رنجیدہ و ملعول تھا اور اس نے اس جرم میں ملوث لوگوں کو خفت نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور انعام دینا تو رہا الگ غصہ اور افسوس سے انھیں اپنی مجلس میں بیٹھنے بھی نہ دیا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ

<sup>①</sup> طراز مذهب مظفری، ص: 468.

بیزید کی خواہش، بُدایت اور مقصود بھی کے خلاف ہوا تھا۔ معتبر کتب سے پتہ چلتا ہے کہ بیزید بقیہ افراد سے ہمدردی سے چیش آیا۔ اور اس ستم رسمیدہ قالے سے اس نے بڑی عزت کا سامسلوک کیا اور انھیں احترام سے رخصت کیا.....

دمشق سے رخصت ہوتے وقت بیزید نے حضرت زین العابدین رض کو دو لاکھ دینار دیئے اور کہا کہ مجھے لکھتے رہیے اور اپنی ضروریات کی برابر اطلاع دیتے رہیے۔ یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ آپ نے وہ رقم قبول نہ کی ہو یا واپس بھجوادی ہو۔ کیا دشمن، کافر اور باپ کے قاتل سے حضرت زین العابدین رض یہ نذرانہ وصول فرماسکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ مگر یہ رقم آپ نے وصول فرمائی۔

اور حضرت ام کلثوم رض کو بھی ایک تھیلی دی، اور کہا: «یا اُمَّ کُلُّ ثُوُمٍ خُذِیْ هَذَا الْمَالَ عِوْضَ مَا أَصَابَكُمْ» "ام کلثوم! یہ مال لیجھے۔ یہ آپ کی مصیبتوں کا معاوضہ ہے۔" سیدہ سکینہ رض کے بارے میں آتا ہے: «كَانَتْ سَكِينَةً تَقُولُ مَارَأَيْتُ رَجُلًا كَافِرًا بِاللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ يَزِيدٍ» "میں نے کبھی کوئی اللہ کا ناشکرا انسان بیزید سے بڑھ کر اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔" <sup>①</sup> یہاں رجُلًا کافِرًا کے معنی بعض دوستوں نے "اللہ کا منکر اور کافر" کر دیا ہے لیکن اس کے معنی "کافر و منکر" کرنا درست نہیں۔ ورنہ یہ لازم آئے گا کہ حضرت امیر معاویہ رض نے کافر و منکر کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ اسی طرح دیگر صحابہ رض اور اہل اسلام نے ایک کافر و منکر کو خلیفۃ المسلمين تسلیم کیا۔ اس لیے معنی وہی درست ہیں جو اہل علم نے کئے۔ اور پاک و ہند کے مسلمہ عالم مولانا ابوالکلام آزاد نے کئے۔ مطلب یہ کہ وہ ان سب عظیم ہستیوں کے ساتھ بڑا

<sup>①</sup> شہادت حسین، ابوالکلام آزاد، ص: 77۔ یہ حوالہ مندرجہ ذیل کتب میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ تاریخ طبری: 5/364، وتاریخ کامل: 4/86، نور الاصرار، ص: 145، تنویر الازھار، ص: 470۔

(ب) یزید کا تائور و تائسف

370

فیاضانہ سلوک کیا کرتا تھا۔

سیدہ زینبؓ نے دمشق ہی میں رہنا پسند فرمایا۔ چنانچہ وہیں سکونت اختیار کر لی اور وہیں آپ کی مدفین ہوئی، یعنی بقا یا پوری زندگی وہیں رہیں۔ اور بڑے امن و سکون سے رہیں۔ اس کی عام طور پر دو وجہات بیان کی جاتی ہیں:

پہلی وجہ: امیر یزید کا اہل بیت کے ساتھ حد درجہ ہمدردانہ سلوک تھا۔

دوسری وجہ: امیر یزید کی بیوی ام محمد، سیدہ زینب کی سوتیلی بیٹی تھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ امیر یزید کو قتل حسینؑ سے بہت رنج ہوا اور اس نے اہل بیت کو بڑے اعزاز و اکرام سے رخصت کیا، اور ان کے محافظ و سنت کو تاکید کی کہ انھیں خیال سے مدینے پہنچایا جائے۔ انھیں راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو، انھیں جس چیز کی ضرورت ہو مہیا کی جائے اور ان کی آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ امیر یزید نے ممکن حد تک ان کی اشک شوئی کی اور انھیں ہر اعتبار سے خوش بخوش روانہ کیا۔

مستند روایات کے مطابق اہل بیت کو یزید پر کسی قسم کا گلہ شکوہ نہ تھا، یزید کو ان سے محبت اور ولی ہمدردی تھی۔ جس کے مظاہروہ دیکھے چکے تھے۔ اور ساتھ کھانا کھا کر اور اچھا رو یہ دیکھ کر انہوں نے الفاظ میں بھی اچھا اظہار کیا تھا۔ اور یہ بڑی کشادہ غرفی ہے۔

یہ جو بعض دوست کہتے ہیں کہ ہاں جی! یزید نے یہ سب کچھ کیا تھا مگر اور پر سے کیا تھا اندر سے نہیں کیا تھا۔ مگر یہ تاثر اس قافلے نے تو نہ دیا تھا جو یزید کے پاس رہا؟ اور نہ یہ اکنشاف کسی صحابی، تابعی یا امام نے کیا؟ معلوم نہیں ہمارے ایسے برادران کو یہ کیسے علم ہوا کہ یزید دل سے ایسا نہیں کرتا تھا، اور پر سے کرتا تھا۔



## ایک وضاحت

یزید بن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علمائے امت مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ بعض برے خیالات رکھتے ہیں بعض ایجھے اور بعض متوسط۔ ہمارے خیالات متوسط ہیں۔ جیسا کہ آپ کو ”سیرت حسین رضی اللہ عنہ مع سانحہ کربلا“ کے مطالعہ سے اندازہ ہو چکا ہوگا۔ ہم صرف صحابہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ ہمیں یزید کے ساتھ عقیدت ہے نہ محبت۔ نہ یہ ہمارے ایمان کے لیے ضروری ہے نہ شرط۔ ہمارے لیے جو بات ضروری ہے وہ صحابہ و اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت اور ان کا دفاع ہے۔ ان کا ہر ممکن ادب و احترام بجا لانا لازمی ہے۔ بے ادبی بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، ہم دیکھ سکتے ہیں نہ برداشت کر سکتے ہیں۔

یزید بن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو دور ہیں۔ پہلا دور شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے کا ہے۔ دوسرا شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد کا ہے۔ ان دونوں ادوار میں بڑا فرق ہے۔ جن علماء نے اس کے خصائص و محسان بیان کیے ہیں انہوں نے عموماً پہلے دور کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور اس کے برعکس جن اہل علم نے اس کے عیوب و نقاوئں بیان کیے ہیں انہوں نے عموماً دوسرے دور کو پیش نظر رکھا ہے۔ دونوں نے ضد، تعصب یا اپنے پہلے سے بننے اور جنمے ہوئے خیالات یا یکطرفہ یا محدود مطالعہ یا تقلیدی ذہن کی بنی پر اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اور حوالہ جات کو سیاق و سبق سے ہٹا کر یا کاٹ کر درج کیا ہے۔ اور ہمیں کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ حوالہ جات کو عام کتب سے نقل در

بیکار۔ ایک وضاحت

.372

نقل کر دیا ہے، اور تحریف و خیانت سے بھی دربغ نہیں کیا۔ اور کئی جگہ معنی ہی غلط کرو دیے ہیں۔ حالانکہ یہ بتیں اصحاب علم اور اہل انصاف کی شان کے منافی ہیں جو انھیں زیب نہیں دیتیں..... ایسی ہی باتوں نے قوم کو الجھادیا اور اس کا بٹوارہ کر دیا ہے۔ جو لوگ قرآن و حدیث میں ”فنکاریاں“ کرنے سے نہیں چوکتے وہ تاریخ اسلام و سیر صالحین سے کیونکر رعایت بر تیں گے؟

اس بات کا ہمیں انکار نہیں کہ ہم نے بعض مقامات پر ایک حد تک یزید کا دفاع کیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یزید کا دفاع نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع ہے۔ قرآن کا دفاع ہے، حدیث کا دفاع ہے۔ محدثین رضی اللہ عنہم کا دفاع ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یزید کی پوزیشن جس قدر گدلي ثابت کریں گے یزید کو خلیفہ برحق مانے والوں کی پوزیشن بھی اسی قدر مکدر اور گدلي ثابت ہوگی۔ اگرچہ بعض دوستوں نے رخصت و عزمیت کہہ کر جواب دینے کی کوشش فرمائی ہے مگر ان کا جواب بھی غیر تسلی بخش ہے۔ جو کم از کم علم دوست قارئین کی تسلی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ برے اور فاسق و فاجر کی تائید میں رخصت سے کام لینا بھی شان صحابہ رضی اللہ عنہم سے بعید ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے لکھا ہے۔ جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوزیشن مکدر ہوتی ہے نہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عزت پر کوئی دھبہ آتا ہے نہ لانا چاہیے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے ان باتوں کا خیال رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ذوق و تحقیق کو ہماری کتاب میں عدل بھی نظر آئے گا اور اعتدال بھی۔ ہم نے اپنی آزادانہ رائے کا برملا اظہار کیا ہے، اگر ہماری رائے سے کسی کو اختلاف ہو تو لاحرج۔ ہاں! دلیل کے ساتھ اختلاف کرنے کا اختیار بحال ہے، وہ سلب نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنا نظریہ خواہ خواہ کسی پر ٹھونسندا روانیں جانتے۔ جو مانتا ہے مانے، جو نہیں مانتا نہ مانے۔ ہمارے ساتھ اتفاق رائے رکھتا ہے اس کی مرضی، اختلاف رائے رکھتا ہے اس کی مرضی۔ یہ ہماری محتاط رائے اور ممکنہ تحقیق ہے۔ ہمارا کسی پر دباؤ ہے نہ ہونا چاہیے۔

## غلط روایات شہادت

حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعات کو بعض غالی موئخین خصوصاً شیعی موئخین نے بہت مبالغہ آمیزی سے بیان کیا ہے۔ حق میں جھوٹ کی آمیزش سے ان کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ سانحہ کر بلکہ پڑھیں ان کے دل سوز و گداز میں ڈوب جائیں، اور وہ نوحہ و ماتم، گریہ و مریشہ، سینہ کو بی او رشیون و شیون میں شریک ہو کر عاشق حسین علیہ السلام والیں بیت علیہ السلام بن جائیں اور جان لیں چونکہ حضرت حسین علیہ السلام مظلوم شہید ہوئے ہیں لہذا آپ علیہ السلام کی یاد میں تابوت و تعزیہ بنانے اور نکالنے لگیں وغیرہ وغیرہ۔ اہل تشیع کے ہاں تو یہ امور عبادات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے ہاں توحید و شرک اور سنت و بدعت میں کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ مگر افسوس اہل سنت پر ہے کہ ان کے بھی بہت سے اصحاب منبر و قرطاس باوجود اہل تشیع سے اختلاف کا اظہار کرنے کے تحریر و تقریر میں قریب قریب انھیں کا انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ان کی تحریر و تقریر پڑھیں یا سنیں تو دونوں میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آئے گا۔ اللہ ایسے لوگوں کو سنت کی حقیقت سمجھنے اور اپنے اور ان کے درمیان فرق پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

پیش ک حضرت حسین علیہ السلام مظلوم شہید ہوئے۔ آپ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ بے حد المناک اور انہتائی کر بنا ک ہے۔ اس سے کون مسلمان معاشر نہیں ہوتا؟ کون سا کلمہ گو ہے جو حضرت حسین علیہ السلام اور اہل بیت اظہار علیہ السلام کے فضائل و ماجد اور رجات و مراتب

کا منکر ہے؟ اور ان سے عقیدت و محبت نہیں رکھتا؟

ہاں! جس بات کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا۔ اور جس بات کو اہل بیت و صحابہ کرام ﷺ نے اختیار نہیں کیا، اس کو اختیار کرنا اور ان کی مخالفت کر کے غیر شرعی امور پر عمل پیرا ہونا براگناہ ہے جس سے اسلام نے شدید نفرت کا اظہار کیا ہے۔ تمام مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت سے ڈرنا چاہیے۔ اور اپنی مقصد برداری کے لیے باطل اور ہناؤٹی روایات بنانے اور سنانے سے یکسر پرہیز کرنا چاہیے۔

انھی باطل روایات میں یہ بھی ہے کہ جب یزید کے پاس حضرت امام کا سر اقدس لے جایا گیا تو سر اقدس وہاں سے غائب ہو گیا اور اس کو فرشتہ اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتہ آپ ﷺ کا سر آپ کی لاش کے پاس لائے، آپ ﷺ کے جسم کے ساتھ جوڑ دیا۔ پھر آپ ﷺ کی میت کو ملانگہ نے غسل دیا اور جنتی کفن پہننا کر اس جگہ دفن کر دیا جہاں آج کل روضہ حضرت حسین ﷺ ہے۔ مگر یہ سب باتیں خود ساختہ، جعلی اور دروغ بے فروغ ہیں۔ تاریخی روایات سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت حسین ﷺ کو کہاں اور کس طرح دفن کیا گیا۔ موجودہ مقبرہ حسین ﷺ بھی مشکوک ہے اور وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت گرامی قادریہ میں مدفون ہیں! بس جتنے مدد اُتنی باتیں۔ بہر حال آپ ﷺ کے سر اقدس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی کہ وہ کہاں دفن کیا گیا، صرف قیاس آرائیاں اور اندازے ہی ہیں۔ اور ان میں کذب کا احتمال زیادہ ہے۔

علاوہ بریں شہادت کے وقت جو جو ظلم امام مظلوم پر کیے گئے ہیں، غالی میان حسین ﷺ ان میں رنگ آمیزی کرتے اور من گھڑت افسانے تراش کر پیش کرتے ہیں۔ جو کچھ لکھا اور سنایا گیا وہی کچھ کم تم خیز و جغا انگیز نہیں، پھر طرح طرح

جھوٹ موث واقعات گھڑ کر شامل کرنے سے کیا حاصل؟

ہاں ہاں! حاصل یہی ہے کہ یزید کی ستم رانی اور حضرت حسین بن علیؑ اور آپ کے قافی کی مظلومیت کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے عوام میں بے پناہ درد و سوز اور رنج و غم پیدا کیا جائے، بدعت شنید کی خوب اشاعت کی جائے اور مردوں، عورتوں اور بچوں کو اپنا ہمنوا ہنا کر سبائیت کو جس قدر ہو سکے بڑھایا اور پھیلایا جائے۔ اور قوم کا قیمتی وقت اسوہ رسول ﷺ اور سیرت حسین بن علیؑ پر عمل کرنے کے بجائے رونے پیٹنے اور رسومات ادا کرنے پر صرف کیا جائے۔ انا للہ! ہمیں رونے پیٹنے اور گریہ و بکا کی بے مقصد محافل برپا کرنے کے بجائے اس عظیم سانحہ سے قیمتی اسباق لینے چاہئیں۔ اور وہ کافی اور بہت مفید اور فکر آگئیں ہیں۔



## درس عبرت و موعظت

امام الشهداء<sup>ؑ</sup> حضرت حسین بن علیؑ کی مقدس و منور زندگی اور پاکیزہ و عظیم شہادت سے ہمیں بہت سے بیش قیمت اور نفع بخش اسماق ملتے ہیں۔ ہمیں سب سے پہلے ادھر توجہ دینی چاہیے۔ شہدائے کربلا کی شہادت ایک بڑا سانحہ ہے۔ ہمیں خود ساختہ رسومات کی خاطر وقت، دولت اور تو اپنی صرف کرنے اور اپنے بھولے بھالے بچوں کو غلط راہ پر ڈالنے، اور انھیں سینہ کوبی کی ٹریننگ دینے کی بجائے اس سانحہ کے اسماق و عوامل اور مناسنگ و اسماق کی جانب توجہ دینی چاہیے۔

انسوں کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے بھائیوں نے آپ بن علیؑ کی شہادت عظیمی سے اسماق و دروس حاصل کرنے کے بجائے رونے پینے، آہ و بکا کی مجالس پا کرنے، تعزیہ و علم کے جلوس نکالنے، نالہ و شیون کرنے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے ہی سینوں پر زنجیریں مارنے اور خون بھانے کو مقصد زندگی بنالیا ہے، اور سال میں دو ایک مرتبہ روپیٹ کر اور جلوس نکال کر چہلم شہداء اور محفل مسالمہ و چہلم وغیرہ منعقد کر کے مطمئن ہو جاتے اور اپنے تیکیں یہ سمجھتے ہیں کہ جس مقصد کے لیے آپ بن علیؑ نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی قربانی دی تھی وہ پورا ہو چکا۔ یقین جائیے! یہ حضرت حسین بن علیؑ اور شہدائے

<sup>①</sup> آپ اپنے قافلے کے بھی امام تھے اور آپ کی شہادت شہدائے کربلا میں چونکہ سب سے بڑھ کر مظلومانہ شہادت تھی اس طرح آپ شہدائے کربلا کے بھی امام ہوئے۔ البتہ ”سید الشہداء“ کا لقب آنحضرت ﷺ نے حضرت امیر حمزہ بن علیؑ کو عنایت فرمایا تھا، لہذا یہ انھی کے لیے خاص رہنا چاہیے۔

کربلا کے ساتھ ایک نماق اور اپنے آپ سے کھلا دھوکا ہے۔ آپ ﷺ کی شہادت کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا، بھلا اتنا عظیم انسان، اتنی بڑی شہادت اور اتنا تاریخی سانحہ اور اتنا پست مقصد؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سانحہ کربلا پر پانی پھیرنے کے متراوف ہے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ کوئی اسلامی حکم یاد نیائے تاریخ کا اہم واقعہ فلسفہ اور فائدہ سے خالی نہیں۔ مگر معذرات کے ساتھ عرض ہے کہ اگر یہ رونا اور پیشنا اور اس طرح کے جلسے منعقد کرنا یا جلوس نکالنا اور بدن سے خون نکالنا بھی اسلامی حکم ہوتا تو اس کا کوئی فلسفہ اور فائدہ ہمارے سامنے آتا، مثلاً اس کا کوئی ثواب ہوتا، یا اہل بیت ﷺ کی ارواح کو سکون ملتا، یا قاتلین حسین ﷺ کو نقصان پہنچتا، یا غیر مسلم اچھاتا شریطتے، یا ملتِ اسلامیہ پر اس کا خوشنگوار اثر پڑتا، یا سنت رسول ﷺ اور ارشادات اہل بیت ﷺ پر عمل ہوتا اور احیائے توحید و سنت ہوتا۔ مگر اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، ہر طرح کا نقصان ہی نقصان ہے۔ دوستوں نے رونے پیٹنے کے جو استدلالات بیان کئے ہیں اور فلسفے بتائے ہیں ان سے ہم بے خبر نہیں، مگر کیا کیا جائے وہ سب کے سب اس قدر لایعنی ہیں کہ انھیں کسی کے سامنے پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ ان میں ایک بھی دلیل معتبر نہیں۔ کیونکہ سب کی سب دوستوں کی دماغی اخترات ہیں۔ ان کے سوا کچھ نہیں۔ انھیں ہم کبھی الگ بیان کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

ضد اور تعصب الگ چیز ہے لیکن اگر بد نگاہ غور دیکھا جائے تو رونے پیٹنے کے اس دھندے کی مطلق افادیت نہیں، بلکہ جانی، مالی، روحانی اور اسلامی ہر طرح کا خرaran ہی ہے اور جذبہ جہاد جو ملت اسلامیہ کا طرہ امتیاز ہے، وہ سرد پڑ جاتا ہے۔ بھلا جب لوگ شہید کو روئیں پیشیں گے، اس کا سوگ اور غم منائیں گے، تو آنے والی نسلیں کب اس فضیلت والی شہادت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گی؟ وہ تو جہاد اور شہادت کو ایک صبر آزماء، بڑا کٹھن اور رنجیدہ مرحلہ سمجھیں گی۔ اور اس سے گریز کی راہ اختیار کریں

گی۔ اور وہ رزق حلال کمانے کے بجائے اپنا قبیتی وقت ان کاموں میں لگادیں گی، جیسا کہ بے دریغ لگایا جا رہا ہے۔ خود ہی فرمائیے پھر کیوں نہیں اس سے بزدلی و کاملی بڑھے گی؟ اور جذبہ جہاد کو دچکا لگے گا؟ اور ملت اسلامیہ کیوں نہ عملی میدان میں پیچھے رہ جائے گی؟ اگر قوم اسی ڈگر پر چلتی رہی تو پتہ نہیں آئندہ کیا بنے گا؟ زمانہ مستقبل کی کیفیت خدا خبر کیا ہو۔ ایسے لوگوں میں ابھی سے یہ بزدلی اور جہاد سے گریز پائی جا رہی اور عقیدہ عمل کی خامیوں میں اضافہ ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے شہداء کو مردہ کہنے بلکہ مردہ خیال کرنے سے بھی منع فرمادیا ہے تاکہ مسلمانوں میں بزدلی، کمزوری، سستی اور خوف والے آثار نظر نہ آئیں۔ حضرت حسین رض کو عازم فردوس ہوئے آج کم و بیش 14 سو برس ہو رہے ہیں۔ اور ایک طبقہ روپیت رہا ہے اور اس قدر اہتمام اور باقاعدگی کے ساتھ گریہ و بکا کی مجالس منعقد کر رہا ہے جیسے یہ بھی کوئی بڑی عبادت اور اسلام کا چھٹا رکن ہو۔ خود کہیے ہماری قومی و ملی افسوسناک یہ صورت حال دیکھ کر کیونکر کسی کے دل میں جذبہ جہاد ابھرے گا؟ اور شوق شہادت انگڑائیاں لے گا؟ نئی نسل تو آہ و بکا اور رونے پیٹنے کی یہ مجالس دیکھ کر شہادت کے لفظ سے خوفزدہ ہو جائے گی۔

ہمارے ہاں یوں بھی رونا پیٹنا بے صبری کا مظاہرہ مُردوں کے لیے ہوتا ہے، جبکہ بہ طابق قرآن مجید شہداء زندہ ہیں۔ جب تسلیم کر لیا کہ زندہ ہیں تو پھر انہیں رونا پیٹنا کیسا؟ امید ہے ہمارے بھولے بھالے دوست ان باتوں پر غور کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

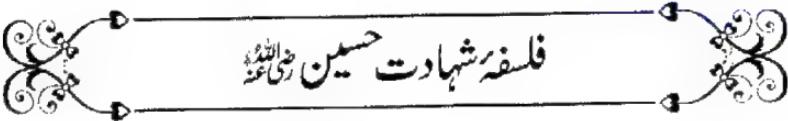
ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی حادثے اور افسوس ناک واقعے کو پڑھنے یا سننے پر دل گداز ہو جائے اور آنسو پھوٹ نکلیں، رونا آجائے تو یہ منع ہے۔ پیشک رونا جائز، (اور پیٹنا تو ہر صورت میں منع ہے)، بشرطیکہ رونا فطری ہو، بناؤنی نہ ہو۔ فطری رونا وہ ہے جس کے

لیے وقت، جگہ متعین نہ ہوا اور منصوبہ نہ بنایا گیا ہو، فطری اور قدرتی رونا ان چیزوں کا پائندنیں ہوتا، فطری اور بناؤٹی رونے کی روشن مثال دیکھنی ہو تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کو دیکھ لجئے۔ فرقاً یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا رونا سچا تھا۔ اور اس کے بر عکس ان کے بیٹوں کا رونا جھوٹا۔ جھوٹے رونے میں سب کچھ متعین اور طشدہ ہوتا ہے۔ کیا ہم قرآن مجید کے اسی اصول کے مطابق اپنی گریہ و بکا کی محاذیں کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

فطری رونے میں اگرچہ اباحت ہے مگر اس میں بھی آپ سے باہر ہونے کی اجازت نہیں، ہاتھ اور زبان مکمل قابو میں ہو، ورنہ یہ بھی منوع ہے۔

ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیں رونے پڑنے کے جلوس پر قیمتی وقت، طیب مال اور جسمانی تو ادائی صرف کرنے کے بجائے فلسفہ شہادت حسین علیہ السلام اور اس کے اہم اور مفید نکات کو پیش نظر رکھنا چاہیے، کیونکہ حضرت حسین علیہ السلام کی عقیدت و محبت کی بہی علامت ہے کہ آپ علیہ السلام کے مشن اور کاز کو زندہ رکھا جائے، اور آپ کی تعلیمات و اسماق کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور اگر یہ کوشش کی جائے تو یہ کوئی زیادہ مشکل نہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان خود ساختہ باتوں کو چھوڑ بھی دیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ (آمین)





## فلسفہ شہادت حسین (علیہ السلام)

حضرت حسین (علیہ السلام) کی شہادت اپنے اندر گھرا فلسفہ رکھتی ہے، چونکہ ہمارے خیال میں یہی فلسفہ آن کی سیرت اور شہادت کا لب لباب، خلاصہ اور نجوز ہے، اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ شہادت نہایت اونچا منصب ہے، قرآن حکیم کے بمحض شہید مردہ نہیں زندہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا إِنَّمَا يُقْتَلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ

”اور جو اللہ کے راستے میں قتل کردے جائیں میں مردہ نہ کہو۔“<sup>①</sup>

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا

”اور اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ گمان (بھی) نہ کرو۔“<sup>②</sup>

اس میں نکتہ یہ ہے کہ شہید کو مردہ کہنے سے حوصلے پست ہوتے ہیں بزدلی فروع پاتی ہے اور جذبہ جہاد کو دھچکا لگتا ہے، اور شہید کو زندہ کہنے اور سمجھنے سے غم ہوتا ہے نہ صدمہ، بلکہ حوصلے بلند ہوتے اور جذبہ جہاد پر ان چڑھتا ہے۔ اور اسلام بھی یہی چاہتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جذبہ جہاد پیدا کیا جائے، اور اس میں شبہ نہیں کہ جہاد کی

<sup>①</sup> البقرة: 2: 154. <sup>②</sup> آل عمران: 3: 169.

بدولت ہر طرح کی عزت و عظمت نصیب ہوتی ہے، دشمن پر رعب طاری ہوتا ہے، قوم کو غلائی سے نجات ملتی ہے۔ نئی نسل پر جوش، بلند اخلاق، قرآن و سنت کی شاکن، جری، دلیر، مذر، چاق و چوبنڈ، اولوالعزم اور بہادر بیٹتی ہے، اسلام پھیلتا پھولتا، اور اسلامی حکومت وسیع ہوتی ہے اور مسلمانوں کی دنیا نے کفر پر دھاک پیٹھتی ہے۔ اس پر ہمارا ماضی اور بدر و خشن کے معرکے، میدان قبال کے رزمیہ کارناٹے اور مجاہدین و شہداء کے اسلام کے روح پرور اور ایمان افروز واقعات شاہد ہیں۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ جس قوم کے ہاں زور و شور سے رونے پڑنے کا عمل جاری ہو، گریہ ہی گریہ ہو، اپنی چھریوں سے اپنی پیٹھ ادھیڑی جاری ہو۔ مکوں سے اپنا ہی سینہ کوٹا، اور دو ہتھوں سے منہ سرخ اور سر کے بال نوچے جارہے ہوں کیا وہ قوم جذبہ جہاد برقرار کہ سکتی ہے؟ اور مجاہد انہ سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے؟ بالکل نہیں، کبھی نہیں۔ جس قوم کے ابھی پچھلے شہیدوں کے آنسو خشک نہ ہوئے ہوں وہ نئے شہیدوں کے "خدمات" کیونکر برداشت کر سکتی ہے؟ ایسے لوگ تو شہادت کے تصور ہی سے کان پر ہاتھ رکھیں گے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم شہادت حسین ﷺ پر رونے پڑنے کے بجائے فلسفة شہادت حسین ﷺ پر غور کریں، اور آپ ﷺ کی شہادت سے جو اس باق ملتے ہیں انھیں پیش نظر رکھیں اور انھیں اہتمام کے ساتھ بتانے، سنانے اور اپنانے کی کوشش کریں۔ ہم ایسے سب دوستوں کو یہی ہمدردانہ و مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ اللہ کے لیے حضرت حسین ﷺ کے مشن کو سمجھیں کہ وہ کیا تھا اور اسے عام کریں اور اتنا عام کریں کہ جس قدر ضرورت ہے۔ ورنہ سال میں ایک دو دفعہ رونے ہلانے سے نہ ہمیں کچھ حاصل ہو سکتا ہے، نہ روح حسین ﷺ کو سکون بھی پہنچ سکتا ہے۔

اب ذیل میں ہم فلسفة شہادت حسین ﷺ پر اختصار و جامعیت سے روشنی ڈالتے ہیں، کیونکہ یہی وہ نکتہ حقیقت طراز ہے جسے پیش نظر رکھنے اور اپنانے کی بدولت ہماری

زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ اب فلسفہ شہادت حسین علیہ السلام لاحظہ فرمائیے۔

## ۱ آغاز قربانی انجام قربانی

ہمارا اسلامی سال اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پر ختم ہوتا ہے تو حضرت عمر فاروق علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت سے شروع ہوتا ہے، جو ہمیں سرفروشی و جاں سپاری کا سبق دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارا آغاز بھی شہادت اور ہمارا انجام بھی شہادت ہے۔ یہ شرف اور کسی قوم کو نصیب نہیں ہے۔ یہ ہمارا آغاز و انجام بتارہا ہے کہ ہم کسی وقت بھی نقد جسم و جان پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم نذر ائمہ جان پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اللہ ہمیں اپنا سالِ نور زمیہ اور مجاہد ائمہ کارناموں سے شروع کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ یہی انداز مسلمانوں کے شایان شان اور ان کی فخریہ روایات کے مطابق ہے۔ مہربانی کر کے اپنا نیا سال رونے پئئے سے شروع نہ کریں۔ یوں شروع کریں کہ دل میں جذبہ جہاد انگڑائیاں لے رہا ہو۔ خلیفہ کتابی حضرت عمر علیہ السلام بھی یہم خزم کو مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اللہ کرے ہم ادھر بھی کچھ غور کریں۔

## ۲ آزادی رائے

اگر ہماری آزادانہ رائے اکثریت کے خلاف ہو تو جرأت کے ساتھ اس کا اظہار کریں، کسی بھی قوت و طاقت سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔

دیکھئے! حضرت حسین علیہ السلام کو حکومت وقت سے اختلاف تھا، گورنر کوفہ ابن زیاد نے آپ علیہ السلام سے اپنے ہاتھ پر بیزید کے لیے بیعت لینے پر اصرار کیا اور اپنے دربار میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کئے، آپ علیہ السلام کو دھمکیاں اور ڈراوے دیے، مگر آپ علیہ السلام مطلق خوفزدہ نہ ہوئے اور اپنی رائے پر برادر قائم رہے، کربلا پہنچ کر ابن زیاد

اور شرم جیسے درندہ خصلت حکمرانوں کے سامنے بھی نہ بھکے، نہ دبے، نہ ہر اس ان ہوئے۔ اور باوجود نہتے ہونے کے دشمن کے مذہبی دل لشکر سے ٹکرا گئے۔

### 3 درس وفا

ہمیں چاہیے کہ اہل کوفہ کی بے وفائی سے عبرت حاصل کریں۔ انہوں نے سیدنا حضرت حسین بن علیؑ کو خود بُلایا، مگر مشکل وقت آنے اور ضرورت پڑنے پر کسی کام نہ آئے۔ ہمیں کوئیوں سے یہ درس عبرت لینا چاہیے کہ ہم اپنے مخلص و محسن لوگوں کو پہچانیں۔ ان کا ساتھ دیں اور کسی صورت ان سے دعا نہ کریں۔ اور صحیح مخلص وہ ہوتے ہیں جو اپنا خیال نہ کریں بلکہ قائدین اور مخلصین کا خیال کریں۔ اپنے آپ کو نہ بھریں یعنی اپنی ضروریات سے پہلے ان کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ سانحہ کربلا سے ہمیں یہ سبق لینا چاہیے کہ اپنے مخلصین اور محسینین کے ساتھ کسی صورت میں بے وفائی اور دعا بازی کا برتاو روانہ رکھیں۔ اور کم از کم درجہ یہ ہے کہ مخلصین و محسینین کو پہچانیں۔ اور ان سے کوئی فریب نہ کریں۔

ہمیں صحابہ و اہل بیت کرام ﷺ کی وفا داری کے واقعات اپنے سامنے رکھنے چاہئیں کہ انہوں نے کس طرح حضور اکرم ﷺ سے وفا کی تھی۔ اور درحقیقت ہمارے سچے مخلص و محسن ہیں بھی وہی لوگ۔ یا ان کے سچے پیر و کار۔ جنہوں نے ہمیں دین اور دنیا دونوں کا رستہ دکھایا۔ اور اپنے قول عمل سے ایثار و وفا کی ناقابل فراموش داستانیں رقم کیں۔

### 4 نفاق کی تباہ خیزیاں

ہم جب کسی شیخ کو امامت، امارت اور سیادت پر درکریں تو سوچ سمجھ کر پر درکریں، مگر جب کسی کو یہ منصب سونپ دیں تو پھر اس پر اعتماد کرنا سیکھیں۔ آئے دن اس سے الجھنا اور برس پیکار رہنا شریفانہ شیوه نہیں۔ جن لوگوں نے سیدنا حضرت حسین بن علیؑ کو

فِلْفَةٌ شَهَادَتْ حُسْنَ مِيقَاتِهِ

384

شہید کیا، ان میں سے اکثر آپ ﷺ کی اقداء میں نماز ادا کر چکے تھے۔ اور آپ ﷺ کی عظمت کے قائل تھے، حسب و نسب، علم و تقویٰ ہر چیز میں آپ ﷺ کو افضل و بہتر مانتے تھے، مگر اس کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ سے لڑائی کی، حالانکہ یہ ہرگز ان کے لائق نہ تھا۔ جو لوگ کسی شخص کو اپنا امیر یا امام بنا کر اس کی امارت و امامت قولًا یا عملًا نہیں مانتے سمجھ لیجئے وہ نفاق میں گرفتار ہیں۔ انھیں نفاق کی لعنت سے کوسوں دور رہنا چاہیے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس طرح کرنے سے ملیٰ شیرازہ منتشر اور اتحاد و تنظیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ منافق ذہن قوم کبھی بکھیروں سے نہیں نکل سکتی۔

۵) نوھۃٰ تقدیر

تقدیر، تدبیر پر غالب آ کے رہتی ہے۔ تقدیر ارکان ایمان میں سے ہے اور یہ بحق ہے۔ اہل اسلام کو تقدیر پر پورا ایمان رکھنا چاہیے اس سے کبھی صرف نظر نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھ لیجئے حضرت حسین ﷺ جب عازم کونہ ہوئے، تو سب آپ ﷺ کو روکتے تھے، مگر آپ نہ رکے، مگر اثنائے سفر جب آپ ﷺ واپس جانا چاہتے تھے تو انہیں زیاد نے رکاوٹ ڈال دی کہ آپ واپس نہیں جاسکتے۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں یہ سب کچھ حضرت حسین ﷺ نے جان بوجھ کر کیا تھا؟ دوستو! یہاں بھی تقدیر کا عمل دخل تھا۔ مگر قسمت کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟ اسی کو کہتے ہیں: ”نوھۃٰ تقدیر“ اور یہ بدل نہیں سکتا۔ مج کہا کسی نے:

۔۔۔ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تَشَاءُ وَنَإِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

۶۔ تلفظ شہادت حسین بن علیؑ

، 385

”اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔“<sup>①</sup>  
دوسری جگہ فرمایا:

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلِكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

”اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“<sup>②</sup>  
حضرت علیؑ کا مشہور قول ہے:

اعْرَفْتُ رَبِّيْ بِقَسْخَ الْعَزَائِمِ

”جو گاہے میرے مضبوط ارادے تکمیل کو نہیں پہنچتے اور راستے ہی میں ثوٹ پھوٹ کر چکنا چور ہو جاتے ہیں اس بات سے میں نے رب کو پہچانا ہے۔“

علامہ اقبال رضاؒ نے مذکورہ ارشادات کی روشنی ہی میں کہا ہے ع  
بزور بازوئے تقدیری، تدبیریں نہیں چلتیں

بیشک تقدیر کے سامنے بڑے بڑے طاقتوں، دانشور اور ارباب اختیار و اقتدار یے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ٹھیک یہی کچھ ہوا عالی مقام حضرت حسین بن علیؑ کے ساتھ۔ یہ بات ہرگز نہ ہخوا لئے اور اسے پلتے باندھ لیجئے کہ ہر بات پر سو فیصد پوری طرح قدرت رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو لکھ دے اسے کوئی بدلتی نہیں سکتا۔

## 6۔ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے

چھٹا سبق یہ ہے کہ پیش آنے والے حالات اور غیب کی باتوں کو اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان بدلتے ہوئے حالات کا یقیناً حضرت حسین بن علیؑ کو علم نہ تھا۔ اگر آپؑ کو پہلے علم ہو جاتا تو آپؑ ہرگز آگے قدم نہ اٹھاتے، بلکہ حضرت

① التکویر 81: 29. ② یوسف 12: 21.

## ۶۰۔ فلسفہ شہادت حسینؑ

386

مسلم بن عقیلؑ ہی کو روانہ نہ فرماتے، کیونکہ آپ ﷺ اپنے آپ کو اور اپنے کسی عزیز کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیلنا نہیں چاہتے تھے۔ یقیناً آپ ﷺ وقت سے قبل ان دخراش اور افسوسنا ک حالت و واقعات پر مطلع نہ تھے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ امام یا ولی، عالم ما کان و ما نکون ہوتا ہے درست نہیں۔ یہ عقیدہ سراسر قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم نے اعلان کرتے ہوئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی زبان سے کہلوایا ہے:

ْقُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ ۝

”اے محمد ﷺ! کہہ دیجئے کہ آسمان و زمین کا غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“<sup>①</sup>

یقین جان لو امام یا کوئی ولی، بزرگ، عالم بلکہ کوئی نبی گزشتہ اور آئندہ حالات کو نہیں جانتا۔ اللہ مجذہ یا کرامت کے طور پر اگر کسی کو تھوڑا بہت آگاہ فرمادے، کوئی اشارہ دے دے تو الگ بات ہے۔ لیکن اس کے لیے بھی قرآن و حدیث سے واضح دلیل درکار ہے۔ عالم «ما کان و ما نکون» وہ ہوتا ہے جس سے کسی بھی وقت کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوتی۔ اس شان کی حامل صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں۔

## 7۔ قیادت کوئی پھولوں کی سیچ نہیں

سانحہ کر بلا کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک لیڈر، قائد اور رہنماؤں کو کبھی مجبوراً اپنی رائے کے خلاف اپنے پیروکاروں کی رائے پر عمل کرنا پڑ جاتا ہے۔ قیادت جہاں اپنے پہلو میں منافع رکھتی ہے، وہاں اپنی جلو میں قسم قسم کے مفاسد بھی رکھتی ہے۔ اور جہاں اطاعت امیر کا جذبہ کم یا کاملاً عدم ہو وہاں قیادت ماسوائے انتلاء اور فتنہ سامانی کے کچھ بھی نہیں، ایسی صورت میں اس سے یکسر احتراز کرنا چاہیے۔

① النمل 65:27

387

فلمفہ شہادت حسین حافظ

مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر سن کر حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم اپس جانا چاہتے تھے، مگر حضرت مسلم بن عقیل کے اعزہ رکاوٹ بن گئے۔ اس وقت حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم کو مجبوراً اور بادلِ نخواستہ آگے بڑھنا پڑا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلّم نے اپنے ایشارہ پیشہ ساتھیوں کے جذبات کا احترام بجالانا ضروری سمجھا۔

### 8 تکلیف پر صبر کجھے ہے

انسان کو اگر کوئی رنج، دکھ، تکلیف یا صدمہ پہنچے تو اس پر صبر سے کام لینا چاہیے، صبر آزماء اور کٹھن مرحلے پر صبر کرنا حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم کی عظیم ترین سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلّم نے کربلا میں جس صبر و سکون کا مظاہرہ کیا وہ صفاتِ تاریخ میں ہمیشہ رقم رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلّم کے کمال صبر کا ذکر کرتے ہوئے شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی نے کہا ہے۔

جو دہنی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم  
 جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا وہ حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم  
 جو جواں بیٹھے کی میت پر نہ رویا وہ حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم  
 جس نے سب کچھ کھو کے کچھ نہ کھویا وہ حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم

اور سیدنا حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم نے جب ہمیشہ زینب کو پریشان حال دیکھا تو فرمایا: ”اے بیٹی! میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں: میری جدائی پر صبر کرنا، ہرگز نہ رونا پہنچنا، نہ بال نوچنا، نہ گریبان چاک کرنا، تم سیدہ فاطمہ صلی اللہ علیہ و آله و سلّم کی بیٹی ہو، جیسے انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آله و سلّم کی وفات پر صبر کیا تھا، تم میری شہادت پر صبر کرنا۔“<sup>①</sup>

حضرت حسین صلی اللہ علیہ و آله و سلّم نے سوائے اللہ کے کسی فرد سے واد فریاد کی نہ استغاثہ و استغاثات، اور جب کوئی شہید ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ و آله و سلّم بطبق حکم قرآنی صرف «إِنَّا لِلّهِ وَ إِنَّا

① جلاء العيون مترجم، ص: 382

۶۰۰۔ فلسفہ شہادت حسین بن علیؑ

اللّٰهُ أَعْجُونَ پڑھتے۔

کیا آج ہم حضرت حسین بن علیؑ کی اس مقدس سنت (صبر) پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں؟

اور جس طرح حضرت حسین بن علیؑ نے صبر سے کام لیا، کیا اسی طرح ہم بھی صبر سے کام لینے کی کوشش کریں گے؟..... یہ کام ہے تو مشکل مگر جنہیں اللہ نے توفیق بخشی ہو ان کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ صبر کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ لگائیے کہ قرآن مجید میں اس کا تقدیر یا سو بار تذکرہ آیا ہے اور یہ احکام کی دوسری قوم کے لیے نہیں، ہمارے لیے ہیں۔ کیا ہمارے دوست اس مسئلے پر کوئی توجہ فرمائیں گے؟

## ۹ عقیدہ توحید کی اہمیت

شہادت حسین بن علیؑ ہمیں سب سے بڑا اور مرکزی سبق توحید باری تعالیٰ کا دیتی ہے کہ حاجت روا اور مشکل کشا صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔ اور لگتا ہے کہ کربلا کا بنیادی فلسفہ اور مرکزی نکتہ ہے بھی یہی۔ اور شاید اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تحت یہ حادثہ رونما بھی اسی لیے ہوا کہ ساری دنیا جان لے کہ اگر رب تعالیٰ کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ تکلیف دور کرنا چاہے تو کوئی پہنچا نہیں سکتا۔ یہ قرآن مجید کا فیصلہ ہے جو آگے آ رہا ہے۔ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے سانحہ کربلا کا سب سے بڑا مقصد توحید خالص کو اجاگر کرنا ہے کہ سوائے ذاتِ احد و صمد کے کوئی حاجت پوری کر سکتا ہے نہ مشکل دور کر سکتا ہے۔ تمام انبیاء نبی ﷺ کی مشترک اور پر زور دعوت مسئلہ توحید ہی تھی۔

دیکھ لیجیے میدان کربلا میں حضرت حسین بن علیؑ و شمن کے لشکر میں پھنس چکے تھے۔ اور ایسے سچپے کہ اب سیار کوشش کے باوجود نکل نہ سکے۔ اور پھر آپ ﷺ اور آپ کے قافلے

پر وہ وہ مظالم توڑے گئے کہ جن کے تصور ہی سے روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن اس مشکل سے دوسروں کو رہائی دلانا تو رہا الگ، آپ ﷺ خود اپنی ذات کو نہ بچا سکے۔ یہ جو کچھ ہم عرض کر رہے ہیں یہ نہ اتهام ہے نہ جھوٹ، نہ تنقیص ہے نہ بے ادبی۔ یقین جان لو یہ حقیقت ہے مہر شم روز کی حقیقت۔ بلکہ یہ توحید باری تعالیٰ کی روشن دلیل ہے۔ جسے کوئی جھٹا نہیں سکتا۔ اور یہ عقیدہ ہمیں قرآن و سنت سے ملا۔ اس میں حضرت علیؑ یا حضرت فاطمۃ الزہراؓ یا حضرت حسن و حسینؑ کی توہین ہے نہ ان کی عظمت و فضیلت کی نفی۔ دراصل یہ فرق مراتب ہے جو سمجھنا ضروری ہے۔

مشہور فارسی مقولہ ہے ”گرفق مراتب نہ کنی زندیقی“، یعنی اگر تم مراتب میں فرق نہ کرو گے تو زندیق ہو جاؤ گے۔ برادر ان اسلام! براہ کرم غور فرمائیے! ایک خالق کا مرتبہ ہے ایک مخلوق کا۔ مخلوق خواہ کتنی بزرگ و برتر ہو اللہ تعالیٰ کا مرتبہ اور خصوصیات حاصل نہیں کر سکتی۔ مختصر یہ کہ اللہ اللہ ہے، نبی نبی، صحابی صحابی اور امام امام۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مرتبہ ہے۔ مسئلہ توحید کا خلاصہ اور ما حاصل یہی ہے۔

آئیے! ذرا حقائق کی دنیا میں قدم رکھئے، اور دیکھئے کہ حضرت علیؑ جنہیں بعض لوگ ”مشکل کشا“ کہتے ہیں خود اپنے لخت جگر حسینؑ کی مشکل دُور نہ فرماسکے، اور حضرت سروردِ عالم علیؑ جنہیں بعض حلقوں میں ”محترکل“ اور ” حاجت رو“ کہا جاتا ہے، اپنے نواسے کی حاجت روائی نہ فرماسکے جب نبی علیؑ اور علیؑ اپنے محبوب ترین لخت جگر کی مدد کو نہ پہنچ سکے تو سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کا نمبر تو بعد کا ہے، وہ کیونکر مدد کے لیے آسکتی تھیں؟

حضرت حسینؑ کا نخما منا لخت جگر علی اصغر پانی کی بوند کے لیے ترپتا ہے۔ اور برا جگر پارہ علی اکبر آپؑ کی آنکھوں کے سامنے ٹھنڈا ہو جاتا ہے، مگر حضرت حسینؑ جنہیں ”یا حسینؑ یا حسینؑ“ کہہ کر مدد کے لیے بلا یا جاتا ہے، نہ

نخے علی اصغر کو پانی پلا سکے، نہ نوجوان علی اکبر کی جان بچا سکے۔ غور فرمائیے کہ جب یہ مذکورہ عظیم الشان ہستیاں اپنے پارہ ہائے جگر کے لیے حاجت رو اور مشکل کشا ہو سکتا ہے؟ سکیں تو دوسروں کے لیے کیونکر بن سکتی ہیں؟ اور دوسرا کوئی کیونکر مشکل کشا ہو سکتا ہے؟ ہر ایک کی بیک وقت دور و نزدیک سے فریاد سننا اور حاجت روائی مشکل کشائی کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اور کسی کا نہیں۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ الہی منصب ہے اور اس الہی منصب پر رب تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔ یہی نجور ہے عقیدہ توحید کا۔ اگر یہ عقیدہ محفوظ نہیں تو سمجھ لو کچھ بھی محفوظ نہیں۔ توحید کے بغیر آدمی کا ہر عمل ناقابل قبول ہے۔ حقیقت وہی ہے، جسے قرآن مجید نے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں فرمادیا، ارشاد ہے:

وَإِنْ يَمْسِسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَافِرَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۝

”اے مخاطب! اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی مصیبت سے دوچار کرے تو اس کے سوا کوئی تیری تکلیف دُور نہیں کر سکتا“<sup>①</sup>

اب کہیے کہ مشکل کشا اور حاجت رو اکون ہوا؟ بختیں پاک یا خالق ارض و سماء؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی اس شان کا حامل ہے، لہذا سب مسلمانوں کو اپنی ہر مصیبت اور ہر تکلیف کے وقت اُسی ذات واحد کو پکارنا چاہیے۔ مافوق الاسباب طور پر نہ کوئی کسی کی پکار سنتا ہے نہ مدد کو پہنچتا ہے۔ تو خوب جان لیجیے کہ یہ خاصہ خداوندی ہے۔ اس خاصے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہمیں نہیں۔ وہ تنہایے کام کر رہا ہے۔ اسی عقیدے کو توحید کہتے ہیں۔ اور یہ خالص ہونی چاہیے۔ یاد رکھئے! اگر اس عقیدہ توحید میں ملاوٹ ہو گئی تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔ مگر مقام افسوس و تعجب ہے کہ ہمارے ہاں کچھ دوست حضرت علی و حضرت حسین بن علیؑ کو نہیں بلکہ ہر سفید گھوڑے، (گھوڑا یہشک حضرت

<sup>①</sup> یونس: 107.

حسینؑ کا ہو وہ بھی مشکل کشا نہیں) علم، تعزیے اور اپنے باتوں سے بنائے ہوئے مقبرے تک کو دافع البلاء اور قاضی الحاجات سمجھتے ہیں ۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَجِعونَ اللہ تعالیٰ ہمیں نکتہ توحید سمجھتے اور الہی صفات میں دوسروں کو شریک کرنے سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

توحید ہی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس پر کسی صورت آئج نہیں آنی چاہیے۔ اب یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ باپ دادا اور مولویوں اور پیروں فقیروں کے بتائے ہوئے عقیدہ و مسلک کو اختیار کرنا ہے یا اللہ اور اس کے محبوب رسول ﷺ کے بیان کردہ عقیدے اور طریقے کو اپنانا ہے؟ سانحہ کر بلکہ کاسب سے برا سبق یہی نکتہ توحید ہے۔ مگر افسوس، قطع نظر شیعہ سنتی کے اس مسئلہ سے ہم من جیث القوم غافل اور بڑی حد تک بے خبر ہیں۔ کیونکہ اس انداز سے کوئی سمجھاتا ہے نہ سمجھتا ہے، نہ روشنی ڈالتا ہے اور نہ کوئی روشنی لیتا ہے۔

## 10 جرأت و شجاعت کا لافقی سبق

واقعہ شہادت حسینؑ ہمیں بتاتا ہے کہ ممکن حد تک لڑائی سے احتیاط کرنی چاہیے، مگر جب جنگ مسلط کروی جائے اور لڑائی ناگزیر ہو جائے، تو پھر بہادری سے لڑائی کرنی چاہیے۔ اس وقت خوفزدہ ہونا روا نہیں۔ پیش حضرت حسینؑ نے مجبوری کے عالم میں جنگ کی، مگر جب دشمن مقابلے میں آگیا تو پھر نہایت جرأت و استقامت اور شجاعت و بسالت سے آگے بڑھے۔ شاعر اسلام حفیظ جالندھری نے حضرت حسینؑ کے اس رزمیہ کارنامے پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

لباس ہے پھٹا ہوا غبار میں آٹا ہوا  
تمام جسم نازمیں پحمدا ہوا، کٹا ہوا

یہ کون ذی وقار ہے؟ بلا کا شہسوار ہے  
کہ ہے ہزاروں قاتلوں کے سامنے ڈٹا ہوا  
یہ بالیقیں حسینؑ ہے نبیؐ کا نور میں ہے  
اُدھر سپاہ شام ہے ہزار انتظام ہے  
اُدھر ہیں دشمنانِ دیس اُدھر فقط امام ہے  
یہ بالیقیں حسینؑ ہے نبیؐ کا نور میں ہے  
گر عجیب شان ہے، غصب کی آن بان ہے  
کہ جس طرف انھی ہے تفعیل بس خدا کا نام ہے  
مختصر یہ کہ حضرت حسینؑ نے ہمیں جرأۃ و شجاعت کا لاقافی سبق دیا۔ اور بتایا  
کہ حالات کیسے ہی ابتر اور خوفناک ہوں دشمن کے مقابلے میں کمزوری اور بزدی ہرگز  
نہیں دکھانی چاہیے۔

## ۱۱۔ نیکی و شرافت کی عظمت

نیکی اور شرافت، زندہ پائندہ رہتی ہے۔ دیکھو! آج ہر کوئی عالی مقام حضرت  
حسینؑ اور ان کے خانوادے کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اور اس کے  
بخلاف ابن زیاد، ابن سعد، شرودغیرہم اور کوفہ کے جفا کاروں اور قاتلوں پر پھٹکار بھیجا  
ہے۔ بلکہ یہ زیاد بھی جس کے دور حکومت میں یہ سانحہ ہوا لوگوں کی ملامت، طعن و تشنیع  
اور گالی گلوچ سے نہ بچ سکا۔

کسی بھی بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی پوری تفصیل پڑھی جائے، اگر  
تقریر ہو تو پوری تقریر سنی جائے اگر زیر مطالعہ کوئی مضمون یا کتاب ہو تو اس کا اول تا  
آخر بے لائگ مطالعہ کیا جائے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اگر آدمی کی نیت کسی بھی امر واقعہ کو سمجھنے کی ہو تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے اور اس کے برعکس اگر نیت میں فرق یا فتور ہو یا اپنے آبائی عقیدے پر بھا ہوا ہو اور اللہ اور اس کے رسول سے بے نیاز ہو چکا ہو تو پھر کسی کی بھی بات سن سکتا ہے اور اگر نہ ہو تو پھر بھی بات نہیں سمجھی جاسکتی۔ اسی طرح ضد، تعصب، نفرت یا شخصیت پرستی کسی آدمی کو اصلی صور تھال سمجھنے نہیں دیتیں۔ دلائل کی رو سے ہر ایک کو اختلاف کا حق حاصل ہے۔ ہم نے یہ جو پیان کیا ہے یہ ہماری آزادانہ تحقیق ہے۔ پھر بھی اگر کسی کو از روزے دلیل ہماری رائے سے اختلاف ہو تو ہمارا کسی سے کوئی گلہ نہیں۔ جنت و برہان کی روشنی میں ہر کسی کو اختلاف کا حق حاصل ہے۔ ذاتی طور پر ہم یزید کے وکیل ہیں نہ حمایتی۔ نہ عقیدت مند ہیں نہ شناگو، کتاب سے اقتباسات لے کر خواہ مخواہ پروپیگنڈہ کرنا روانہ نہیں۔ گذارش ہے، عجلت سے ہرگز کام نہ لیں۔ اور پوری کتاب ایک دفعہ پڑھ کر کوئی رائے قائم فرمائیں۔

اس وقت ہم بتلا رہے ہیں کہ چونکہ حضرت حسین علیہ السلام کے پاس نیکی و شرافت تھی۔ اور کسی کے کردار کی یہ بہت بڑی خوبی ہے۔ اسی لیے اپنے پرانے سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور آپ علیہ السلام کی عظمت کو سلام بھیجتے ہیں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی شہر، قصبه، یادیہات ہو جس میں حضرت حسین علیہ السلام کے لیے پاکیزہ جذبہ موجود نہ ہو۔ اور آپ علیہ السلام کے پیارے اور با عظمت نام مبارک کا استعمال نہ ہوا ہو۔ بعض نے شروع میں پاک نام محمد لگالیا ہے اور بعض نے آخر میں احمد یا محمد یا علی لگالیا۔ آپ علیہ السلام کا نام مبارک سب کو پسند ہے۔ اور یہ حقیقت میں آپ علیہ السلام کی عظمت پر دال ہے۔ آپ کی شرافت زندہ و پاکنده ہے۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ آپ علیہ السلام کا اسم گرامی 14 سو برس سے جگمگار ہا ہے۔ اور تا نور نیز میں جگمگا تارے ہے گا۔

## [12] نماز کی اہمیت و ضرورت

واقعہ شہادت حسین بن علیؑ ہمیں باقاعدہ اور بروقت نماز ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے، حضرت حسین بن علیؑ جہاں اور جس حال میں بھی رہے اہتمام سے نماز ادا کرتے رہے۔ بلکہ لڑائی میں بھی فریضہ نماز ترک نہیں کیا، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دیکھو وہ امام ٹھہر لب، کیا تھا عاشق نماز  
خیجہر ہے طلق پر روای، اور سر جھکا ہے نماز میں

ادا یگی نماز حضرت حسین بن علیؑ کی بہت مضبوط اور عظیم سنت ہے کہ جسے آپ ﷺ نے کسی حال میں بھی تا آنکہ جنگ میں بھی ترک نہیں فرمایا، مگر جائے افسوس ہے کہ آج ہمارے عام کلمہ گو اور شیعی علماء، ذاکرین اور مرثیہ خواں دوست نماز کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ یاد رکھیے! بے نماز کا نبی ﷺ اور اہل بیت ﷺ سے کوئی تعلق نہیں، اگر وہ ان سے محبت کا دم بھرتا ہے تو اسے شہادت حسین بن علیؑ کا یہ فلسفہ پڑھتے ہی بلا تاخیر یعنی آج ہی سے نماز شروع کر دیتی چاہیے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس اسوہ حسینی پر بھی چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نماز میں سنی بھی سستی کرتے ہیں مگر شیعہ تو قریب قریب اس عبادت سے محروم ہیں۔ ویسے بھی ان کے ہاں نماز کا شمار ارکان اسلام میں نہیں ہوتا۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کو اسلام کا اہم رکن قرار دیا ہے۔

## [13] مشورہ کی اہمیت

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق بھی ملا کہ ہمیں اہم اور بڑے امور میں اپنے احباب و اعزہ سے ضرور مشورہ کر لینا چاہیے۔ اور اصحاب رائے کے مشورے کو اہمیت دینی چاہیے، اس سے بیش قیمت اور سودمند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور زیادہ دماغ ہوں تو پیش

آمدہ مسئلے کا بہتر حل نکل آتا ہے۔ بیشک بات اپنی مانیں اور منوائیں مگر امور مہمہ میں مشورہ لینے میں بڑے فوائد مضر ہیں۔ اپنے آپ کو ان سے محروم نہ کریں۔ کئی مرتبہ بڑے بڑے اچھے گوشے سامنے آ جاتے ہیں کہ آدمی ان کی بنا پر اپنی رائے میں نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، بڑے بڑے نقصانات سے نجّ جاتا اور گوناں گوں فوائد حاصل کر لیتا ہے۔ تاریخ عالم، تاریخ اسلام، اور عام تجربات و مشاہدات میں بلکہ سیرت النبی ﷺ اور سیرت خلفاء راشدین اور آثار صحابہ و ائمہ شافعیہ میں مشورے کے مفید و نتیجہ خیز ہونے کے کثیر واقعات موجود ہیں۔

کاش! حضرت حسینؑ سفر کوفہ میں نکلنے اور اپنا عزم بالجزم کرنے سے قبل اجلہ رفقاء اور قابل ذکر احباب سے مشورہ لے لیتے، اور جن ساتھیوں نے آپؑ کو مشورہ دیا تھا ان کے مشورے کو اہمیت دیتے۔ ایسی صورت میں عین ممکن تھا کہ تاریخ میں حادثہ کربلا نام کا کوئی سانحہ ہی نہ ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ سب کچھ اللہ کے علم اور تقدیر میں پہلے سے تھا۔ اور اس کی حکمت اور فلسفہ بھی اسے معلوم ہے۔ جو ہمیں معلوم ہو سکا وہ ہم بیان کر رہے ہیں۔ بیشک تقدیر کا علم اللہ کو ہے مگر ہمیں شرعی احکام کا خاص خیال رکھنے کا حکم ہے۔ مَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ ”جس نے اپنے کام میں مشورہ لیا وہ پشیمان نہیں ہوتا۔“ کتنا بھی بر حکمت جملہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے بزرگ و برتر کون ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے:

وَشَاؤْذْهُمْ فِي الْأَمْرِ

(۱) ”اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ لے لیا کریں۔“

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ حکم مشورے کی اہمیت کو واضح کرنے اور امت کو سمجھانے کے لیے دیا۔ امید ہے ہم مشورے کی اہمیت کو پہچانیں گے۔

### آزمودہ را آزمودن خط است [14]

اس عظیم سانحہ نے ہمیں ایک اور تیقی سبق یہ دیا کہ جس کو آزمایا جا چکا ہو، اسے دوبارہ آزمانے کی ضرورت نہیں۔ اسے دوبارہ، سہ بارہ اور بار بار آزمانا نادانی ہے۔ یعنی یہ اپنے اندر فائدہ کم اور نقصان زیادہ رکھتا ہے، بلکہ اس طرح سوائے قضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حدیث مبارکہ ہے: المُؤْمِنُ مِنْ جُنُحٍ وَاحِدٍ لَا يُلْدُغُ مَرَّتَيْنِ۔ یعنی مومن جہاں سے ایک مرتبہ نقصان اٹھائے وہاں سے دوسری مرتبہ نقصان نہیں اٹھاتا۔ جس سوراخ سے سانپ یا پھوایک بار کاشتا ہے داشمند آدمی وہاں دوسری بار ہاتھ نہیں ڈالتا، اگر ڈالے گا تو پھر نقصان اٹھائے گا۔ دانشوران فارسی کا مقولہ ہے: ”آزمودہ را آزمودن خط است“ مطلب یہ کہ جسے ایک بار آزمایا گیا ہو اسے دوبارہ آزمانا جہالت و نادانی ہے۔ جس شہیر کو گن لگا ہوا ہو اسے چھت کے نیچے ڈالنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔

ساری دنیا جانتی تھی کہ اہل کوفہ کے خمیر میں عضروفا کی حد سے زیادہ کمی بلکہ فقدان تھا۔ حضرت علیؓ کو انہوں نے دھوکا دیا۔ حضرت حسنؓ کے نیچے سے مصلیٰ کھیپنگ کر ان کی تذلیل کی۔ مسلم بن عقیل کا ساتھ نہ دیا۔ بھلا ایسے بے وفا طوطا چشم اور مطلب پرست لوگ حضرت حسینؓ سے کیونکر وفا کر سکتے تھے؟ کبھی نہیں۔ خوب کہا کسی نے۔

بنتے ہو وفا دار، وفا کر کے دکھاؤ  
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

۳۹۷

فِلْفَةٌ شَهَادَتْ حَسِينَ

کاش! حضرت حسینؑ کوئیوں کے داغدار ماضی کو دیکھ لیتے اور ان سے کنارہ کش رہتے، یا کم از کم عورتوں اور بچوں کو اپنے قافلے کے ساتھ لے کر نہ جاتے۔ مگر چونکہ آپؑ خود شریف انسف، صحیح الہیت اور صاف دل تھے، اس لیے آپؑ نے انھیں بھی ایسا ہی سمجھ لیا اور ان پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر لیا، زیادہ کریدنے کی۔ اول تو ان پر اعتماد کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر اعتماد کرنا ہی تھا تو بہت زیادہ تحقیق احوال اور چھان پھٹک کی ضرورت تھی۔ اور فاصلہ دور ہونے اور بروقت اور صحیح کوائف نہ ملنے کی وجہ سے آپؑ کو پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ مختصر یہ کہ بعد والوں کو اس سانحہ سے یہ سبق توصل ہی گیا کہ بڑے کاموں میں ضرور مشورہ کر لینا چاہیے۔ مشورے کی بدولت آدمی نقصانات سے بچ جاتا ہے۔ اور نقصانات سے بچنا بھی ایک گونہ فائدہ ہے۔

## ۱۵. ظالم اور شقی آخر سزا پاتا ہے

اس واقعہ عظیمہ نے ہمیں بتایا کہ کوئی بھی ظالم اور شقی اللہ تعالیٰ کے قہر سے نہیں بچ سکتا۔ اور اکثر وہ اخروی عذاب سے قبل دینیوی عذاب سے بھی دوچار ہو جاتا ہے، چنانچہ قاتلین حسینؑ کو دنیا ہی میں عبرتاک سزا مل گئی۔ اس سزا کا تذکرہ ابھی آرہا ہے، سچ کہا قرآن حکیم نے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ

”ظالموں اور ستم رانوں سے اللہ تعالیٰ کو ہرگز بے خبر نہ سمجھئے“<sup>①</sup>

قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام میں بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجرمین کو بروقت سزا دی۔ قوم نوح، قوم صالح، قوم ہود، قوم موسیٰ، فرعون، قارون، ہامان اور دیگر بہت سے متزدین طاغین کے حالات اس پر شاہد ہیں۔ اور تاریخوں

<sup>①</sup> ابراہیم، 14:42.

398

فَلَعْنَهُ شَهَادَتْ حَسِينَ بْنَ عَلِيٍّ

میں بکھرے ہوئے واقعات اس قدر ہیں کہ ان کا استقصاء (احاطہ) آسان نہیں۔  
چنانچہ قدرت کے طاقتور ہاتھ نے ان اشقياء کو دنیا ہی میں عبرتاک سزاوے کر  
انھیں کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ جو اس سے کئی گنا<sup>ہ</sup>  
زیادہ ہوگی۔ اللہُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔



## قاتلینِ حسینؑ کا عبرت ناک انجام

ابھی آپ نے سورہ ابراہیم میں فرمان الہی پڑھا: ”ظالم جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس سے بے خبر نہ سمجھو۔“

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ۝

”بیٹک تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“<sup>①</sup>

اللہ تعالیٰ نے ان ظالم حکمرانوں، ان کے مشیروں اور بے وفا کوئی بھیڑیوں کو بہت جلد پکڑا۔ اور انہیں وہ سزا دی جس کے وہ مستحق تھے۔ حدیث میں آتا ہے:

”إِنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ اللَّهِ وَبَيْنَهُ حِجَابٌ“

”مظلوم کی بددعا سے بچو اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔“<sup>②</sup>

مطلوب یہ کہ مظلوم دبے بس کی پکار فرما عرش تک پہنچتی ہے۔

یہ ظلم کی سزا تھی یا حضرت حسینؑ کی قافلہ حسینؑ کے مظلوموں کی بددعا کہ قاتلین میں سے کوئی بھی اللہ کی خوناک پکڑ سے نہ فتح سکا۔ علام ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد جو فتنے برپا ہوئے ان میں اکثر صحیح ہیں،“

آپؑ کے قاتلوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں بچا جو کسی نہ کسی المناک اذیت میں

<sup>①</sup> البروج 12:58. <sup>②</sup> صحيح البخاری: 2448

۶۰۰ . قاتلین حسینؑ کا عبرت انجام

400

بیتلانہ ہوا ہو، بعض لوگ دردناک عذاب میں بیتلہ ہو گئے، اور اکثر مجرمان اور مختلط الحواس ہو گئے۔<sup>①</sup>

امام ابن جوزی رضی اللہ عنہ، امام زہری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”قاتلین حسینؑ میں سے کوئی بھی شخص دنیا میں زندہ نہ فوج سکا۔“

امام زہری فرماتے ہیں: ”قاتلین حسینؑ کو دنیا ہی میں سزا مل گئی۔ کوئی قتل کیا گیا، کسی کا پچھہ کالا سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا۔“<sup>②</sup>

امام ابن جوزی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوزہ شخص قتل حسینؑ میں شریک تھا، وہ دفعۃ نابینا ہو گیا۔ لوگوں نے سب پوچھا تو اس نے کہا: ”میں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں توار ہے اور آپ ﷺ کے سامنے چڑے کا فرش بچھا ہوا ہے، جس پر قاتلین حسینؑ میں دس آدمیوں کی ذبح شدہ لاشیں پڑی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھے ڈانٹا اور حسینؑ کے خون کی ایک سلامی میری آنکھوں میں لگادی، میں صبح انھا تو اندھا تھا۔“

امام ابن جوزی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حسینؑ کے سر اقدس کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا، اس کے بعد اسے دیکھا گیا تو اس کا منہ سیاہ کالا ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم تو عرب کے حسین ترین آدمی تھے، اب تمھیں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ اس روز کے بعد جب میں ذرا سوتا ہوں تو دو آدمی میرے بازو تھام لیتے ہیں اور مجھے ایک دلتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں، جو مجھے تھلس دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اسی عذاب میں گرفتار ہنے کے چند روز بعد مر گیا۔

امام ابن جوزی رضی اللہ عنہ نے امام سعدی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کی

<sup>①</sup> البداية والنتهاية: 8/203. <sup>②</sup> تاريخ طبری: 5/575-582، والبداية والنتهاية: 273/278، ومجمع الزوائد: 9/196, 278.

دعوت کی۔ مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حضرت حسینؑ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی سخت سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے میں خود ان کے قتل میں شریک تھا، میرا کچھ بھی نہیں بگزارا۔ یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر کو روانہ ہو گیا، جاتے ہی چراغ کی حقیقت درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھسن کر راکھ ہو گیا۔ امام شدّہ مولانا کہتے ہیں: میں نے صحیح اسے خود دیکھا تو جل کر کونکہ ہو چکا تھا۔ اسی طرح وہ شخص جس نے حضرت حسینؑ پر تیر پھینکا اور پانی نہیں پہنچنے دیا، اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسی بیماری مسلط کر دی کہ اس کی کسی بھی طرح پیاس نہ بجھتی تھی۔ وہ خواہ کتنا پانی پی جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ پھٹ گیا اور وہ بری حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

بیزید کا بیشک شہادت حسینؑ میں بلا واسطہ یا بالواسطہ عملِ دخل نہ تھا۔ واللہ اعلم۔ جس پر ہم نے تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے، اور ہم نے اپنی طرف سے جو درست سمجھا وہ لکھ دیا ہے۔ اور اپنے پاس سے نہیں لکھا بلکہ معتبر کتب کے حوالہ جات کی روشنی میں لکھا ہے۔ اور ہم نے یہ ساری کاوش صحابہ کرام و تابعین عظام رضوان اللہ علیہم کے علاوہ حضرت حسینؑ اور ان کے عزیزان اور اعوان و انصار کی پوزیشن کو بچانے کے لئے بخاری شریف کی صحیح حدیث جس میں مَغْفُورٌ لَهُمْ کے الفاظ آئے ہیں اس کا خیال کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں شارحین حدیث کے حوالہ جات دیے ہیں۔ ورنہ ہمیں ذاتی طور پر بیزید سے عقیدت ہے نہ محبت۔ نہ ہمارا مقصود اس کی وکالت کرنا ہے۔ بس دلائل کی رو سے اس کے حق میں جو بات جاتی ہے وہ ہم نے قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔ ورنہ ہماری عقیدت و محبت کا محور اللہ اور اس کے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں، یادہ بزرگ ہیں جنھیں اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے کوئی نسبت ہے۔ ہم جملہ انبیاء و مرسیین ﷺ کل صحابہ، اہل بیت ﷺ و سادات کرام، و ائمہ و اولیاء عظام ﷺ

کو انتہائی عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں محمد اللہ روا فض سے کوئی نسبت ہے نہ خوارج سے کوئی علاقہ اور نہ نواصب سے کوئی الحاق۔ ہمیں ان سے اختلاف ہے شدید اختلاف۔ ہمارا مسلک رب کا قرآن ہے یا سنت خیر الانام علیہ السلام۔ ہمارے نزدیک اہلسنت اور الہمذیث ایک ہی چراغ کے دو پروٹو ہیں۔ ان میں کوئی فرق ہے نہ سمجھنا چاہیے۔ اتنا ضرور ہے کہ اہلسنت اور الہمذیث کہلانا آسان ہے مگر بنا مشکل۔ اور جس قدر ہم حدیث و سنت کے قریب آئیں گے اسی قدر ہم رسول اللہ علیہ السلام کے قریب آئیں گے۔ اور جس قدر رسول اللہ علیہ السلام کے قریب آئیں گے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قریب آئیں گے، رسول اللہ علیہ السلام کا قرب دراصل اللہ کا قرب ہے اور رسول اللہ علیہ السلام سے بعد درحقیقت اللہ سے بعد ہے۔ یہی عقیدہ تھا ہمارے اسلاف، صحابہ، اہلبیت حسین علیہ السلام اور ائمہ، مفسرین اور صالحین جیسا تھا کہ۔

ہم نے ”سیرت حسین علیہ السلام“ میں جو لکھا محمد اللہ کسی خوف اور طمع سے بے نیاز ہو کر لکھا۔ اور بے لگ لکھا۔ ہم نے جو تحریر کیا اپنی طرف سے جو تحریر کیا۔ اس کے باوجود ہمارا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ ہماری تحریر وجی الہی ہے، اس میں کسی کمی میشی کا امکان نہیں۔ یہ ایک انسانی کاوش ہے اس میں خطأ اور صواب کا امکان ہو سکتا ہے۔

ہر شخص کو ہماری تحریر سے اتفاق یا اختلاف کرنے کا حق ہے۔ رہی یہ بات کہ یزید کے دل میں کیا ارادہ تھا اور وہ کیا چاہتا تھا۔ یعنی اس کے اندر کیا تھا اسے پورے طور پر اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ واقعہ شہادت کے بعد اسے بھی چین نصیب نہ ہوا، اور وہ زیادہ دیر حکومت نہ کر سکا، اور جلد ہی چل بسا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لمبا عرصہ حکومت کرنے کی مہلت نہ دی۔ شاید اس کے اور مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ ”الحکیم“ ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

عالیٰ مقام حضرت حسین علیہ السلام کا مرتبہ بہت اونچا اور بہت بلند ہے۔ ہم نے اس

کتاب میں جگہ جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ افسوس! حکومت وقت نے صحیح طور پر انھیں سمجھا نہ پہچانا۔ آپ ﷺ امن و صلح کے پیغام براور پیار و محبت کے علمبردار تھے۔ آپ ﷺ پر کربلا میں جو ہوا ظلم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ظالمین سے ایسا بدلہ لیا، جسے اہل دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

آئیے! ان ظالموں کے عبرت اک انجام کے بارے میں مزید تاریخی حقائق کا مطالعہ فرمائیے۔ اور دشمنانِ حسینؑ کے بارے میں قدرت کی قہر مانیاں دیکھیے:

عبدالملک بن مروان کے زمانے میں تقریباً 66ھ میں جب مختار ثقفی کوفہ کا حاکم مقرر ہوا تو اس نے ان تمام لوگوں کو چن کر قتل کیا جنہوں نے حضرت حسینؑ کی شہادت میں حصہ لیا تھا۔

مؤمنین نے لکھا ہے کہ اس نے ایک دن میں دو سو چالیس 240 قاتلینِ حسینؑ کو قتل کیا۔ اور جنہوں نے بھاگنے کی کوشش کی انھیں گرفتار کر کے تکلیف دے دے کر مارا، عمرو بن الججاج اور شمرزادی الجوش بھی بھاگنے والوں میں تھے، دونوں کو بُری طرح قتل کروادیا۔ اور شمرکی منہوں لاش کو کتوں کے آگے ڈال دیا۔ جنہوں نے اس کی ایک ایک بوٹی نوچ لی۔ عبد اللہ، مالک اور حمل نے رحم کی درخواست کی، مختار نے کہا: ”ظالمو! تم نے سبط رسول ﷺ پر رحم نہ کھایا، تم پر کیسے رحم کیا جائے؟“ پھر اس نے ان سب کو قتل کروادیا، مالک بن بشیر نے حضرت حسینؑ کی زیادہ بے حرمتی کی تھی، اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹوا کر میدان میں پھینک دیا، یہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

خوبی ابن یزید جو براہ راست قتلِ حسینؑ میں شریک تھا، اسے ذبح کر کے اس کی لاش کو آگ میں جھوکنک دیا۔ عمرو بن سعد اور اس کے بیٹے کو ایک ساتھ قتل کرو دیا۔ عبد اللہ بن زیاد، حسین بن نمیر اور شرجبل بن ذی الکلاع کو ابراہیم بن اشتہر نے قتل کر کے ان کے سر کاٹ کر مختار ثقفی کے پاس بھجوائے، جو کوفہ کے قصر امارت میں

۶۰۴۔ قاتلین حسینؑ کا عبرت اک انجام

۶۰۴۔ 404

اسی جگہ رکھے گئے جہاں حضرت حسینؑ اور ان کے گرامی قدر ساتھیوں کے مبارک اور باعظمت سر رکھے گئے تھے۔ مختار نے انہی زیاد اور عمر و بن سعد کے سر حضرت علی بن حسینؑ کے پاس بھیج دیئے۔ آپ ان کا برا انجام دیکھ کر اسی وقت خداۓ ذوالانتقام کے حضور سجدے میں گر گئے۔

مختار شفیعی نے کسی سے بھی رعایت نہ بر تی، عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط جنہوں نے مسلم بن عقیل کے قتل میں حصہ لیا تھا، انھیں قتل کر کے جلا دیا۔

حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسینؑ پر تیر پھینکا تھا اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا اور وہ تڑپ کر مر گیا۔ زید بن افاد جس نے عبد اللہ بن مسلم پر تیر پھینکا تھا، اس نے نہیں نہیں نہ تھا سے پیشانی چھپائی، تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی سے بندھ گیا، اس شفیعی کو گرفتار کر کے اس پر بکثرت تیر برسائے جس سے اس کا بدن چھلنی ہو گیا۔ اور ابھی یہ ہلاک نہیں ہوا تھا کہ اسے آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔ شان بن انس جس نے حضرت حسینؑ کا سر اقدس کاٹا تھا بھاگ گیا، مختار نے اس کا گھر منہدم کر دیا۔ یہ ہنذر بن گیا جسے دیکھ کر لوگ عبرت پکڑتے تھے۔<sup>①</sup>

”تاریخ اخلفاء“ میں ہے، عبد الملک بن عمر لیشی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر امارت میں حضرت حسینؑ کا سر اسی زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا۔ پھر اسی قصر امارت میں انہی زیاد کا سر مختار کے سامنے دیکھا، پھر اسی قصر میں مختار کا سر مصعب بن زیر کے سامنے دیکھا، پھر اسی محل میں مصعب بن زیر کا سر عبد الملک کے سامنے دیکھا۔ راوی کہتے ہیں: ”یہ واقعہ جب میں نے عبد الملک سے ذکر کیا تو وہ اس قصر کو منہوس سمجھ کر یہاں سے چلا گیا۔“<sup>②</sup>

① تاریخ طبری: 5/575-582، البدایہ والنهایہ: 8/273-278، و مجمع الزوائد:

② المنتظم لابن جوزی: 6/116، البدایہ والنهایہ: 8/326-327.

## حضرت حسینؑ اور ہم

کون سا مسلمان ہے کہ جس کے دل میں حضرت حسینؑ کی بیکرائ عقیدت و محبت کا شیریں اور شفاف چشمہ اہل نہ رہا ہو؟ پیش ک آپؑ کی محبت جزو ایمان ہے، ایمان اور بعض حسینؑ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

اب مقام غور ہے کہ وہ حسینؑ جو خلفاء راشدینؑ کا سنبھری دور لانا چاہتے تھے، اور اسی طرح کا دین اور توحید و سنت دیکھنا چاہتے تھے، اور اسی مقصد کے حصول کے لیے آپؑ نے طرح طرح کی مصیبیتیں جھلیلیں اور صدمات برداشت کیے، کیا آپؑ کے پیروکار اور عشق و محبت کے دعویدار بھی اسی دین اور اسی توحید و سنت کا غلغله بلند کرنے کے آرزومند ہیں؟ کیا وہ سیدنا حضرت حسینؑ کے مشن اور مقصد شہادت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس تاریکی میں اسلام کی شمع فروزان کرنا اور سنت نبویہ کا پھریا الہانا چاہتے ہیں؟..... مگر جائے افسوس ہے کہ ہم نے حضرت حسینؑ سے دعوائے عقیدت و محبت تو بہت کیا اور ان کے نام پر بہت کچھ لٹایا۔ پوری قوم کو ان کا یوم شہادت منانے پر لگا دیا، مگر بد قسمتی کہ ان کی پیروی سے ہمیشہ گریز کیا، حالانکہ محبت، اطاعت اور اتباع سے پہچانی جاتی ہے لیکن اگر کہا مانا جائے نہ پیروی کی جائے بلکہ اس کے برکس کام کیا جائے، یعنی آپؑ کے مشن کو اپنایا جائے نہ آپؑ کے عظیم فلسفہ شہادت کی پرواکی جائے، نہ آپ کی سیرت و ادا کی اقتداء کی جائے تو خود ہی بتائیئے کہ یہ کیسی عقیدت و محبت ہوئی؟ اسے پچھی عقیدت و محبت نہیں کہا جا سکتا۔

(ب) حضرت حسین بن علیؑ اور ہم

406

بیشک حضرت حسین بن علیؑ عامل قرآن تھے، حامل سنت تھے، خلفاء راشدینؑ کے  
تبع تھے، پچ موسمن اور اعلیٰ پائے کے مسلمان تھے، نبی کریم ﷺ کے نواسہ، علی  
المرتضیؑ کے فرزند اور محبوب صحابی تھے، ہمیں آپؑ کے طریقے اور تعلیمات کو  
اپنانا چاہیے تھا، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے..... کہ شیعہ ہی نہیں بہت سے سنی دوست  
بھی حضرت حسین بن علیؑ کی راہ کو بھول چکے ہیں اور انہوں نے طرح طرح کے طریقے  
اور رسومات ایجاد کر لی ہیں۔ شرک اور بدعت میں گرفتار ہو چکے ہیں بلکہ ستم یہ کہ  
خلاف مسلکِ پنجتن کے اللہ تعالیٰ کے اوصاف اہل بیت ﷺ اور اولیاء اللہ کو تقویض  
کر رکھے ہیں۔ اللہ سے مانگنے کے بجائے ان سے مانگتے ہیں، ایک اللہ کو پکارنے کے  
بجائے انھیں پکارتے اور ان کی شبیہوں کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔ ہم اتحاد ملی کے  
مخالف نہیں، نفاق ملی کے مخالف ہیں۔ پہلے اندر تو صاف کر لیں اور نقطہ اتحاد طے کر  
لیں کہ وہ ہے کیا؟ ہمارے خیال میں وہ صرف اور صرف إعْتِصَامٌ بِحَبْلِ اللَّهِ یعنی  
قرآن و سنت کو پوری قوت سے تحامنا ہے۔ اتحاد کی بس ایک ہی صورت ممکن ہے کہ  
طریق سلف پر چلو۔ نبوی منیج اختیار کرو۔ صرف صحابہ ﷺ کی طرز کی ایک ہی جماعت  
بناؤ۔ الگ الگ ٹولیاں بنانے کو منوع جانو۔ خلاصہ کلام یہ کہ اول الگ الگ اپنے نام نہ  
رکھو..... اور اگر رکھنا ضروری ہے تو انھیں امام الانبیاء ﷺ کے تابع کرو۔ اور اپنی سب  
کتابوں کو قرآن اور ثابت شدہ احادیث کے پیچھے لگا دو۔ اور قرآن و سنت میں کسی بھی  
قسم کی تحریف و تاویل سے کام لینے کو حرام سمجھو۔

شیعہ جو حبِ حسین بن علیؑ کے سب سے بڑھ کر دعویدار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حضرت  
حسین بن علیؑ محض ہمارے ہیں، ہمارے علاوہ اور کسی کے نہیں۔ اگر بات ایسے ہی ہے تو  
پھر ان کا عمل اہل بیت ﷺ کے سراسر خلاف کیوں ہے؟ ان کا دین خالص توحید و  
سنت تھا اور ان کا مستدل قرآن و حدیث تھا اور بس۔ لیکن مقام تائیف و رنج ہے کہ

حضرت حسین بن علی اور تم

۴۰۷

آج شہید کر بلا ضرور، کے یہ محبت و عاشق ایسی ایسی بدعتیں ایجاد اور اختیار کیے ہوئے ہیں جو حضرت حسین بن علی کے مشن کے سراسر خلاف اور ان کی تعلیمات کے یکسر منافی ہیں۔ حسین بن علی کے نام نہاد معتقد بتائیں کہ کیا حضرت حسین بن علی نے ماتم کرنے، چھاتیاں کوٹئے، نوحہ و مرشیہ پڑھنے، نشر اور زنجیریں مار کر اپنے آپ کو زخمی کرنے، اپنے جسم کا خون نکالنے، تابوت تعزیہ و ضریح بنانے، گھوڑا اور علم نکالنے، سبیلیں لگانے، کوزے بھرنے اور غیر اللہ کے نام پر لکھنا پکانے، کھلانے، دیے جلانے، اور اسی قسم کے دوسرے خلاف شرع اعمال سرانجام دینے کی تعلیم اور اجازت دی ہے؟ کہاں دی ہے؟..... اگر نہیں دی ہے، اور یقیناً نہیں دی ہے، تو پھر حبِ حسین بن علی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام افعال قبیحہ اور عقائد وضعیہ کو چھوڑ کرو ہی راستہ اور وہی اسوہ اختیار کیا جائے، جس پر حضرت حسین بن علی آخر دم تک گامزن رہے اور دوسروں کو اس پر چلنے کی تاکید فرماتے رہے۔ اور ہم بتا پکے ہیں کہ وہ صرف قرآن و سنت تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنے جھگڑوں اور بکھیزوں سے نفع کر صحیح حبِ حسین بن علی، حبِ اہل بیت ﷺ اور حبِ صحابہ ﷺ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور وہ ان کی صحیح پسی پیردی اور اسوہ کے احیاء میں ہے۔

— ۵ —

## سیدنا حسین بن ابی طالب تاویلات و روایات

مسلمانوں میں ایک غالی اور گم گشتہ راہ جماعت جو اہل بیت کرام ﷺ کے عشق و محبت کا بلند بامگ دعویٰ کرتی ہے، قرآن کریم کی بکثرت آیات سے غلط استدلال کر کے ان کو حضرت حسین بن ابی طالب کی فضیلت اور شہادت میں پیش کرتی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف رہتی ہے کہ کلام اللہ میں جا بجا حسین بن ابی طالب اور اہل بیت ﷺ کے فضائل مرقوم ہیں۔ اور امام مددوح بن ابی طالب کی شہادت کے متعلق بہت سی پیش گویاں مذکور ہیں۔ اس کی تفصیل اس مختصر کتاب میں ناممکن ہے۔ نیز کتاب حد اکا کا موضوع بھی ایسی تفصیلات کا متحمل نہیں ہے۔ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ جماعت کے زعم میں اللہ تعالیٰ نے کتاب حق کو حضرت حسین بن ابی طالب کی شان اور ان کے فضائل شہادت بیان کرنے کے لیے نازل کیا ہے۔ اور یہ کہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے کی اس سے زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے صرف اہل بیت ﷺ کے محمد اور حضرت حسین بن ابی طالب کی شہادت کے دلائل اخذ کیے جائیں۔ **إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَجُوعُنَا**

علاوه ازیں عجیب تر بات یہ ہے کہ مذکورہ گروہ سنت رسول اللہ ﷺ اور حدیث نبوی کا تو قریب منکر ہے اور اس پر عمل کرنا اپنے اصول و عقائد کے خلاف سمجھتا ہے۔ لیکن ان موضوع اور خود ساختہ ”حدیثوں“ کو حرز جان بنائے ہوئے ہے جو شہادت حسین بن ابی طالب کی پیش گوئیوں سے متعلق تراشی گئی ہیں۔ چند وضی روایات یہاں

بطور نمونہ مختصر ادرج کی جاتی ہیں:

**۱** جبریل نے آنحضرت علیہ السلام کو اطلاع دی کہ حسین علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی امت قتل کر دے گی۔

**۲** فرشتہ وحی نے رسول اللہ علیہ السلام کو وہ سرخ مٹی لا کر دکھائی جس زمین (یعنی سر زمین) کر بلا) میں حسین علیہ السلام کو شہید کیا جانا تھا۔ پھر جب وہ مٹی کر بلا کی مٹی سے ملائی گئی تو تقدیق ہو گئی کہ یہ وہی مٹی ہے۔

**۳** حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کو بھی بذریعہ غیب بتایا گیا کہ تمھارا بیٹا حسین علیہ السلام میدان طف میں قتل کیا جائے گا۔ وہ روتے ہوئے نبی علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ تو آنحضرت علیہ السلام نے سُن کر فرمایا: ”مجھے تو اللہ تعالیٰ نے کب کی خبر دی ہوئی ہے کہ حسین علیہ السلام کا سر میری امت اتارے گی اور اس کو نیزے پر چڑھائے گی۔“

**۴** پیغمبر علیہ السلام حضرت حسن علیہ السلام کا منہ چوما کرتے اور فرماتے کہ اس کو زہر دیا جائے گا۔ اور حضرت حسین علیہ السلام کا گلا چوتے اور کہتے کہ اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

**۵** آنحضرت علیہ السلام ایک شیشی لیے جا رہے تھے جس میں تازہ خون بھرا ہوا تھا۔ لوگوں نے پوچھا: ”یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟“ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ حسین علیہ السلام کا لہو ہے، جو فرشتے نے مجھے ابھی ابھی لا کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ حسین علیہ السلام کو ارض طف (میدان کر بلا) میں قتل کیا جائے گا۔“

**۶** رسول مقبول علیہ السلام کو وہ جگہ بھی دکھلا دی گئی، جہاں حضرت حسین علیہ السلام کا روضہ بنئے والا تھا۔

**۷** معاویہ علیہ السلام نے شادی کر لی اور یزید پیدا ہو گیا۔ ایک روز وہ یزید کو کندھے پر اٹھائے نبی علیہ السلام کے پاس آئے.....، آپ علیہ السلام نے دیکھ کر کہا: ”وزنی پر دوزنی سوار ہے۔ اور یہ سوار وہی دوزنی ہے، جو میرے حسین علیہ السلام کے خون کا پیاسا

(ب) سیدنا حسین علیہ السلام پر باطل تاویلات و روایات

۶۰۱۰

ہے (العیاذ منه)۔“ وَقَسَ عَلَى بَذَا! یہ سب موضوع اور گھڑی ہوئی سو فیض جھوٹی روایات ہیں۔ جس کی سزا آنحضرت ﷺ نے جہنم بتائی ہے جیسا کہ متعدد ثابت شدہ احادیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَذَبَ عَلَىٰ مُتَعَمِّدًا فَلَيُبَوُّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»<sup>①</sup>

”جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑا وہ اپنا ٹھکانہ آگ سمجھ لے۔“

ان بے بنیاد، من گھڑت اور بے سرو پاروایتوں پر غور کیجیے کہ یزید تو دور نبوی میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تو عثمان غنی علیہ السلام کے عہد خلافت میں پیدا ہوا۔ اور معاوية علیہ السلام نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کندھوں پر بھی اٹھالیا؟ حق ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ پھر ایک تعجب خیز بات یہ بھی ہے کہ نام نہاد محبان حسین علیہ السلام پر روایت عائشہ صدیقہ علیہما السلام کے بارے میں نازیبا الفاظ کہتے ہیں اور ان سے عنادر کتے ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا روایات میں سے اکثر کو حضرت عائشہ علیہما السلام سے مفہوم کرتے ہیں اور ان کو درست صحیح ہیں۔ یعنی بقول ان کے حضرت عائشہ علیہما السلام قابل اعتماد ہیں مگر ان کی مردویات صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔ لاحوق ولائقہ۔

[8] پھر اسی پر بس نہیں حضرت حسین علیہ السلام کے مقبرہ کے متعلق لکھا ہے کہ جو شخص اس کی زیارت کرے اس کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حشر کے دن اس سے کوئی موآخذہ نہ ہوگا۔ حالانکہ اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں۔

[9] کتاب ”جامع الاخبار“ مطبوعہ تہران، میں مرقوم ہے کہ جس شخص کا حج فوت ہو جائے وہ روضہ حسین علیہ السلام پر جائے اس کی زیارت کرنے سے دس جھوں اور کئی عمروں کا ثواب ملے گا۔

[10] کتاب ”داني“ میں اس سے بہت بڑھ کر لکھا ہے مثلاً:

<sup>①</sup> صحيح مسلم، باب فی التحذیر من الكذب على رسول الله ﷺ، حدیث: 3.

(ب) سیدنا حسین علیہ السلام پر باطل تاویلات و روایات ۴۱۱

”عید کے دن مقبرہ حسین علیہ السلام پر حاضر ہونے سے سوچ سو عمرہ اور سو جہاد کا اجر ملتا ہے۔ دریائے فرات میں غسل کرنے سے تمام گناہ دُور ہو جاتے ہیں اور غسل کرنے کے بعد جس نے روضہ حسین علیہ السلام پر حاضری دی اس نے گویا عرش پر اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔“ لیکن کیا کیا جائے ان سب باتوں کا سر ہے نہ پیر۔

ان سب جعلی روایات کا مطلب یہ ہے کہ نماز روزہ اور دیگر احکام حقوق اللہ اور حقوق العباد پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ حضرت حسین علیہ السلام سے محبت و عقیدت رکھو سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔ حبِ حسین علیہ السلام تو خوش آئند بات ہے مگر یہ باتیں اور ان کا مقصد و مراد ناروا ہے۔

یقین جان لیجیے! اس قسم کی تمام خرافات ضلالت انگیز اور کفر خیز ہیں اور شرک و بدعت سے مملو اور بمنی بر غلو ہیں۔ ان پر ایمان رکھنے سے انسان اپنے دین سے دُور ہو کر اس گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی سزا ہاویہ جہنم ہے۔ اہل اسلام کو ایسے بدعا نہ کے قریب بھی نہ پھٹکنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جملہ مدعیانِ اسلام کو ہدایت نصیب اور صحیح حبِ حسین و حبِ آلِ حسین عطا فرمائے۔ آمین۔

## محرم اور عاشوراء

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ماہ محرم الحرام کی فضیلت حضرت صیلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی وجہ سے ہے وہ غلطی خور دہ ہیں۔ محرم کا مہینہ ادوار پار یہند اور از منہ قدیمہ سے معظوم و محترم چلا آ رہا ہے اور اکثر انبیاء و مرسیین ﷺ کے عہدہ ہائے مبارکہ میں اس کا احترام کیا جاتا رہا ہے۔ خصوصاً یوم عاشوراء (محرم کا دسوال دن) تو کئی اقوام و ملل کے نزدیک واجب الاحترام اور قابل انبساط دن تھا۔ اور اس روز عید کی طرح خوشی مناتی جاتی تھی۔ یہاں تک مرقوم ہے کہ اس کی فضیلت حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آتی ہے۔ کیونکہ جس روز جناب ابوالبشر ﷺ کی توبہ قبول ہوئی اور ان کو خلافت ارضی کا اعزاز ملاؤں دن یوم عاشورہ ہی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا: ”کہ یوم عاشوراء کو ایک قوم کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اور ایک قوم کی توبہ قبول ہوگی۔“<sup>①</sup> بنی اسرائیل میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ اور قوم یہود اس دن روزہ رکھتی، توبہ استغفار کرتی اور اس کو عید کی طرح مناتی تھی۔ یہ جو مشہور ہے کہ کشتی نوح ﷺ دس محرم کو جو دی پہاڑ پر آن گئی۔ اسی دن یونس ﷺ کی توبہ قبول ہوئی اسی روز ابراہیم ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ لیکن بہ طابق امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ”طبرانی“ نے صحیح البخاری 2/188 میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں عبد الغفور نامی ایک متروک راوی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب میں بھی محرم کو افضل و اشرف مانا جاتا تھا اور مشرکین بھی

<sup>①</sup> جامع ترمذی، الصوم، باب ماجاء فی صوم المحرم، حدیث: 741

اس مہینے میں اسکن وصلح سے رہتے اور جنگوں کو ملتوی کر دیتے تھے۔

پھر حضرت رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی محرم کی فضیلت برقرار رہی۔

صوم رمضان المبارک سے پیشتر حضور ﷺ اور صحابہؓ کرام ﷺ کیم محرم کا روزہ رکھتے۔<sup>①</sup> اور بطور فرض رکھتے۔ لیکن جب رمضان شریف کے روزے کا حکم آیا تو محرم<sup>②</sup> کا روزہ نقلی قرار دے دیا گیا۔ البتہ آنحضرت ﷺ دویں محرم کو ضرور روزہ رکھتے۔

اور مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے: «مَنْ شَاءَ فَلِيَصُمِّهُ وَمَنْ شَاءَ فَلِيَفْطِرُ» "عاشرہ کے دن جس کا جی چاہے روزہ رکھے جونہ رکھنا چاہے نہ رکھے۔" حضور ﷺ نے دویں محرم کی اہمیت بھی بتا دی ہے، فرمایا:

«إِنَّ عَاشُورَاءَ يَوْمٌ مِّنْ أَيَّامِ اللَّهِ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ»

"عاشرہ اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک دن ہے، جو شخص چاہے اس دن روزہ رکھے۔"<sup>③</sup>

یعنی یہ روزہ فرض، واجب نہیں البتہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ علاوہ اس روزہ کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشرہ محرم میں الگ کوئی کام نہ کرتے تھے نہ اس کا حکم دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ دوسرے محرم کا روزہ ایک سال گزشتہ کا اکفارہ ہے۔<sup>④</sup>

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ "منهاج السنۃ" میں فرماتے ہیں: "صوم عاشوراء کے سوا کوئی بھی عمل صحیح سند سے (محرم میں) ثابت نہیں۔"

① صحیح البخاری، الصوم، باب صوم عاشوراء، حدیث: 2002.

② رسول اللہ ﷺ صرف دوسرے محرم کو روزہ رکھتے تھے۔ البتہ ایک سال فرمایا کہ ان شاء اللہ انگلے سال نو محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا۔ (صحیح مسلم، الصیام، باب ای یوم بصام فی عاشوراء، حدیث: 1134) لیکن انگلے سال آنے نہیں پایا تھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔

③ صحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1125. ④ صحیح البخاری، الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 2000، صحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1126.

اس سے ثابت ہوا کہ حزم اور اس کے عاشورہ کی فضیلت و اہمیت زمانہ قدیم سے ہے۔ حضرت حسین رض نے کیمِ محرم کو میدان کربلا میں قیام فرمایا اور دسویں محرم (عاشوراء کے دن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہوئی۔ جاہل اور گمراہ لوگوں کی طرف سے حزم، عشرہ محرم اور یوم عاشوراء سے متعلق جوغلط روایات مشہور کی جاتی ہیں وہ سب خانہ ساز اور یار لوگوں کی وضع کر دے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عشرہ محرم میں حضرت حسین رض کے ماتم اور غم والم میں آندھیاں چلیں، جھکڑ آئے، ژالہ باری ہوئی۔ اور حادثہ کربلا سے لے کر آج دن تک فضاۓ آسمان پر سُرخ روشی نمودار ہوتی ہے۔ فرشتے آسمان سے منہ نکال نکال کر روتے ہیں۔ طرح طرح کے عذاب، سیلاں اور آفات ارضی و سماوی کا نزول ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس رونے پینے اور گریہ وزاری کرنے، تعزیہ و علم نکالنے والے اور کربلا کی نیاز دلانے والے "مؤمنین" کے لئے آسمان پر سے خاص روشیاں اور برکات و تجلیات نمودار ہوتیں اور ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور پچھلے سال کے سارے گناہوں کی معافی کا اعلان ہوتا ہے۔ اور تمام کائنات اور اس کی ہر ایک شے آہ و بکا، گریہ و ماتم، رنج و غم اور حیف و تائسف کرنے لگتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

بیشک یہ تمام کہانیاں طبعزاد افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

یاد رکھئے! شرعاً ماہ محرم یا عاشوراء حزم میں ختنہ، ملنگی، سگائی، شادی، بیاہ کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے تقریباً تاواقف ہیں اور قوم میں جہالت و ضلالت پھیلانا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس خوشی کی تقریبات کے انتفاع کا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بعض ذکر حکومتی بازی سے کام لیا جاتا ہے۔ جو ایک مؤمن قانت کے لائق نہیں ہے۔

ہاں! ان تقریبات میں اسراف و تبذیر، مزامیر اور دوسرا غیر اسلامی رسم کی جو ممانعت دوسرے ایام میں ہے وہی عشرہ محرم میں بھی ہے۔ بعض لوگ نہ صرف عشرہ

محرم میں بلکہ محرم کے پورے مہینے میں تقریبات شادی وغیرہ کو حرام و منوع قرار دیتے ہیں، جس کو جہالت بر جہالت (بہت بڑی جہالت) کہنا چاہیے۔

پھر اسی پر بس نہیں۔ عاقبت نا اندریش لوگ محرم اور عاشورہ کے متعلق غلط تاویلات اور بے بنیاد روایات پیش کرنے سے بھی نہیں پُوچھتے۔ اور یہاں تک غلوکرتے ہیں کہ قرآنی آیات کے انت شدید معنی کر کے کئی قسم کی تاویلیں کر لیتے ہیں۔ جعلی اور وضعی حدیثوں سے اپنی مطلب باری کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے محرم اور اس کے ماتم کے متعلق یوں کہا ہے۔ فلاں کام کا حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ! یہ نذکورہ سب ہوائی باقیں ہیں۔ جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قسم کے غیر شرعی مسائل پر چلنے چلانے والا بدعتی اور بڑا گناہ گار ہے، جو اسوہ رسول ﷺ اور اسوہ حسین بن علیؑ سے دور، جادہ اہل بیت ﷺ سے بھٹکا ہوا ہے اور یہ اہل بیت سے کوئی واسطہ اور محبت نہیں رکھتا۔ اسی طرح 10 محرم کے دن توسعی طعام کی روایت جسے بڑی شهرت حاصل ہے بالکل من گھڑت ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان دار اور قابل مطالعہ تحقیق کے لئے ان کی گرفتار کتب مثلاً مجموع الفتاویٰ: 2/254، منہاج السنۃ: 2/248، اقتضاء الصراط المستقیم ص: 301، اور اسی طرح الموضوعات ج، 2، ص 203 کا مطالعہ فرمائیں۔ بہت تحقیقی اور مفید خاص و عام کتب ہیں۔

بدعات و خرافات سے بچنا ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔ چنانچہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ارشاد ہبتوی ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أُمَّرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

”جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز شامل کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔“<sup>①</sup>

<sup>①</sup> صحیح البخاری الصلح، حدیث: 2697، وصحیح مسلم، الاقضیۃ، حدیث: 1118.

مختصر مکالمہ اور عاشوراء

416

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرت حسینؑ کی طرح قرآن و سنت سے  
تمسک اختیار کرنے اور شرک و بدعت کے ہر کام سے دور رہنے کی توفیق عطا فرمائے!  
آمین۔



## نوحہ اور ماتم

آنحضرت ﷺ نے نوحہ اور ماتم کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ اسے بہت ناپسند جانتے تھے، جب کوئی مرد یا عورت میت پر رونے پہنچنے لگتی تو آپ ﷺ فرماتے:

”اے لوگو! کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ فَالْفَوَّإِنَّا لِيُوَلِّجُعُونَ﴾<sup>①</sup> بھول گئے ہو؟ اللہ کریم تو فرماتا ہے کہ جب تم پر کسی قسم کی مصیبت نازل ہو یا غم و اندوہ پہنچ جائے تو ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا لِلَّهِ إِلَيْهِ رَجُوعُنَا﴾ کہہ کر صبر و شکر سے کام لیا کرو جبکہ تم ماتم اور نوحہ کرتے ہو؟<sup>②</sup>  
آنحضرت ﷺ کی متعدد مسنون حدیثیں اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے ماتم و غم، اور گریہ و بکا، نوحہ و مرشیدہ، سینہ کوبی اور غیر شرعی رسوم کے مرتكب لوگوں سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ مثلاً آپ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿أَنَا بَرِيٌّ مِّمَّنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ﴾

”میں ان لوگوں سے بیزار ہوں، یعنی سخت نفرت کرتا ہوں جو چلا کر اور گلا چھاڑ کروں گیں۔ گریبان اور کپڑے چھاڑیں۔ اور سر کے بال نوجیں۔“<sup>③</sup>

① سورۃ البقرۃ: ۲: ۱۵۶۔ ② مسنون احمد: ۱/۲۰۱۔ ③ صحیح البخاری، الجنائز، باب ما ینهی من الحلق عند المصيبة، حدیث: ۱۲۹۶، وصحیح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجیوب، حدیث: ۱۰۴، واللفظ له.

ایک موقع پر فرمایا:

«لَيْسَ مِنَا مِنْ حَلْقَ وَخَرَقَ وَسَلَقَ»

”وَهُنَّ أَنفُسُهُمْ مِنْ جُنُونٍ“ اور مصیبت کے وقت سر کے بال منڈوائے،  
کپڑے پھاڑے، منہ نوچے اور چینچلا کروئے۔<sup>①</sup>“

اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَا مِنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَ شَقَ الْجُبُوبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى  
الْجَاهِلِيَّةِ»

”وَهُنَّ أَدْمَى هَمَارَے سَاتِھِ كُچھ تعلق نہیں رکھتا جو مشکل و مصائب اور حزن و  
ملاں میں رخساروں پر مارے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کے زمانہ کی  
طرح پکارے۔<sup>②</sup>“

کسی کے سوگ اور غم میں دائرہ متنانت میں رہ کر صرف تین دن تک سوگ کی  
اجازت ہے۔ چنانچہ فرمایا: ”تین دن سے زیادہ سوگ کسی کے لیے جائز نہیں، ہاں!  
بیوی اپنے خاوند کے لیے 4 ماہ 10 دن سوگ کر سکتی ہے۔<sup>③</sup>“

ان ارشادات مبارکہ میں حضور ﷺ نے اس قسم کے اعمال کے مرتكب افراد کو  
لیسَ مِنَا ”وَهُنَّ أَنفُسُهُمْ“ کہہ کر اپنے فرماتیداروں کی صاف سے ہی خارج کر  
دیا ہے۔ حضور ﷺ لیسَ مِنَا کے الفاظ اس وقت استعمال فرماتے تھے جب کسی سے  
بہت بڑے گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہو اور اسے سخت ڈانٹ پلانا مقصود ہو۔ لہذا اس

<sup>①</sup> صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود و شق الجيوب، حديث: 104،  
واللقط له.

<sup>②</sup> صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من شق الجيوب، حديث: 1294،  
وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود و شق الجيوب، حديث: 10.

<sup>③</sup> صحيح مسلم.

سے ثابت ہوا کہ جناب پیغمبر اسلام ﷺ نے ایسے خلاف شرع افعال کو اختیار کرنے والوں سے سخت بیزاری اور نفرت کی ہے اور انھیں نہایت حکارت سے دیکھا ہے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ نوحہ و ماتم، گریہ و مرشیہ کو جائز کہنے والوں کے سامنے اگر قرآن و حدیث کے حوالے پیش کیے جائیں تو وہ ان حوالوں کو مانتے ہی نہیں۔ اور صاف انکار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ، صاحب! یہ ہمارے لیے نہیں۔ دوسری قوموں، فرقوں اور جماعتوں کے لیے ہیں۔ ہمیں تو یہی حکم ہے کہ حسین بن علیؑ کے غم میں خوب پیٹو، خوب روؤ، خوب ماتم کرو، زور زور سے چھاتیاں کوٹو، کثرت سے لہو بہاؤ اور اپنے گناہ بخشواد۔۔۔۔۔۔ پتہ نہیں یہ کونسا اسلام ہے اور کون سی شریعت؟ **إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا لِلّهِ لِجَعْوَنَ** سچ کہا کسی نے۔

آنکھیں اگر بند ہیں تو دن بھی رات ہے  
بھلا اس میں کیا قصور ہے آفتاب کا  
ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اپنے اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی بڑھ  
چڑھ کر اور بڑے ہی شوق و محبت سے اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق عطا  
فرمائے۔ آمین۔

خوب سمجھ لیجیے کہ آنحضرت ﷺ کسی ایک قوم کے نبی نہیں ہیں۔ جو دوسراے ان کی اطاعت و اتباع کے پابند نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ آفاقت اور کائناتی رسول ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد و اسوہ مبارکہ سب لوگوں کے لئے لائق اطاعت و اتباع ہے۔ بعض لوگ اپنے ائمہ کے اقوال کو بے حد ترجیح دیتے ہیں، لیکن محض کی جملہ بدعاں و رسومات اور تعزیہ و علم وغیرہ کے لیے ان کے اقوال پیش نہیں کرتے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان خود ساختہ چیزوں کی حمایت میں ان ائمہ کرام رضی اللہ عنہم نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ الحمد للہ، سب ائمہ کی کتب ان رسومات کے تذکرہ سے خالی ہیں۔ چار اور بارہ کل سولہ اماموں

کی فقہ میں اس کے مٹانے کا کوئی ذکر و بیان نہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلی فرماتے ہیں: ”تعزیہ کے آثار دیکھ کر اعراض کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہیے۔“<sup>①</sup>

آپ محروم میں مرشیہ خوانی میں شرکت اور چند و یگر رسومات کی بابت خوب فرماتے ہیں، موصوف کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ امید ہے، ہمارے سُنی بریلوی بھائی کم از کم ادھر ضرور توجہ دیں گے:

[1] آپ سے سوال کیا گیا: ”محروم میں نوحہ خوانی کا کیا حکم ہے؟“ فرمایا: ”محرم شریف میں نوحہ خوانی ناجائز ہے۔ وہ (پروگرام) مناہی و منکرات سے پُرد ہوتے ہیں۔“<sup>②</sup>

[2] آپ سے پوچھا گیا: ”بعض اہلسنت والجماعت عشرہ محروم میں نہ توروثی پکاتے ہیں نہ جھاؤ دیتے ہیں۔ اس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ ماہ محروم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔“ اعلیٰ حضرت نے جواب میں فرمایا: ”یہ تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔“<sup>③</sup>

[3] محروم کی حافل کی بابت فرماتے ہیں: ”ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔“<sup>④</sup>

[4] اعلیٰ حضرت فاضل بریلی نے فرمایا: ”تعزیہ پر چڑھا ہوا کھانا نہیں کھانا چاہیے۔ اگر نیاز دے کر چڑھا کر نیاز دیں تو بھی اس کھانے سے احتراز کریں۔“<sup>⑤</sup>

[5] سوال: تعزیہ مناننا اور اس پر نذر و نیاز کرنا، عراض بہ امید حاجت براری لڑکانا اور بہ نیت بدعت حسنے اس کو داخل حسنات کرنا کیسا ہے؟ اعلیٰ حضرت موصوف نے فرمایا: ”افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت سیئہ و ممنوع و ناجائز ہیں۔“<sup>⑥</sup>

<sup>①</sup> عرفان شریعت، حصہ اول، ص: 15. <sup>②</sup> عرفان شریعت، حصہ اول، ص: 16. <sup>③</sup> احکام شریعت، حصہ اول، ص: 89. <sup>④</sup> تعزیہ داری، ص: 4. <sup>⑤</sup> ایضاً، ص: 4. <sup>⑥</sup> ایضاً، ص: 15.

## ایک اور اہم سوال

محرم میں ما تم اور مرثیہ کرنے والے دوستوں سے کوئی پوچھئے، کہ میدان کر بلا میں جس طرح حضرت حسین رض شہید ہوئے۔ اسی طرح آپ رض کے بہتر 72 سا تھیوں اور عزیزوں نے بھی شہادت پائی۔ آپ ان کا ما تم کیوں نہیں کرتے؟ ان کے مرثیے کیوں نہیں پڑھتے؟ ان کے تعزیے، تابوت، ضریح، گھوڑے، جہنڈے وغیرہ کیوں نہیں نکالتے؟

چلیے! دوسروں کو چھوڑیئے۔ عباس علم دار حسین، علی اکبر بن حسین، عبد اللہ بن حسین، عبد اللہ بن علی، عثمان بن علی، جعفر بن علی، محمد اصغر بن علی، ابو بکر بن علی، علی اصغر بن حسین، ابو بکر بن حسن، قاسم بن حسین رض، عبد اللہ بن حسن رض، عون بن عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ، جعفر بن عقیل، عبد اللہ بن عقیل، عبدالرحمٰن بن عقیل، محمد بن سعید، عبد اللہ بن مسلم، عبید اللہ بن عبد اللہ، محمد بن قاسم بن عقیل رض یہ تو سب کے سب اہل بیت اور آل رسول تھے تم ان کا سوگ کیوں نہیں مناتے؟ ان کی ضریح حسین کیوں نہیں بناتے؟ یہ بھی تو دشت کر بلا میں بے دردی سے ذبح کیے گئے تھے۔ سب کچھ جو تم حضرت حسین رض سے عقیدت و محبت کے نام پر کرتے ہو، تم ان مذکورین شہداء کے لیے کیوں نہیں کرتے؟ کیا تمھیں ان سے عقیدت و محبت نہیں ہے؟..... اگر عقیدت و محبت ہے تو ان کے نام پر کیوں ”یہ کچھ“ نہیں کرتے؟ کون سی رکاوٹ ہے؟ کون سا

اے جہاں  
ایک اور اہم سوال  
غدر مانع ہے؟

پھر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی تو شہید ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علیؑ کو بھی زہر سے شہید کیا گیا تھا۔ ان سے کیوں درد و دربغ نہیں؟ انہیں کیوں نہیں رویا اور پیٹا جاتا؟ حضرت حسین بن علیؑ کے علاوہ اور گھر سوار تھے ان کے گھوڑے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ یہ تو انصاف نہیں کہ ایک ہی شخصیت (حسین بن علیؑ) پر سارا زور غم اور تمام شور وحہ صرف کر دیا جائے اور باقی بیسیوں شہداء اہل بیت ﷺ کو اس سے محروم رکھا جائے۔ اگر ان کا ماتم اور سوگ نہیں کرتے ہو تو حسین بن علیؑ کا ماتم بھی بند کر دو۔ اگر حسین بن علیؑ کا کرتے ہو تو ان کا بھی کرو۔ یہ ہم ان کے کردار اور رویتے کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔ ورنہ شریعت بیضاء میں تو کسی کے ماتم کی بھی اجازت نہیں۔ یہ ہم دوستوں کی فکر اور دوستوں کی زبان میں پوچھ رہے ہیں۔

لیکن حقیق یہ ہے کہ اسلام نے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے بزرگ کا میں، ماتم، سوگ، نوحہ وغیرہ کرنے کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور حضرت حسین بن علیؑ اور آپ کے شہداء نوجوانوں نے تو ایسا بلند کردار پیش کیا ہے کہ ان کا سوگ اور ماتم کرنے کے بجائے صبر و سکون اور معمول کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اور رب العزت کی بارگاہ میں ان کی قبولیت شہادت اور بلندی درجات کی دعا کرنی چاہیے۔ اللہ جل جمدہ ان جملہ شہداء کی عظیم و جلیل شہادت کو قبول کرے۔ اور ان کی ارواح پر اپنی بے حد و حاب رحمت کی برکھا بر سائے۔ (آمین ثم آمین)

## تو ابین کی جماعت

حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کوفہ کے غدراوں اور بے وفاوں کو اپنے جرم کا احساس ہوا۔ انہوں نے اپنے سیاہ اور سیکھیں دلوں کو جھائک کر دیکھا تو معصیت میں غلطان نظر آئے۔ اور ان کی مجرمانہ حرکت ان کے گلے کی پھانس بن گئی۔ اتنا بڑا جرم آخر اس کا احساس تو بونا تھا! چنانچہ ہوا۔ اور بہت ہوا۔ جب انسان صدقہ دل سے اپنی حرکات کا جائزہ لیتا ہے تو اسے ضرور احساس ہوتا ہے۔ اگر احساس نہ ہو تو سمجھ لیجئے کہ اندر کی انسانیت مرچکی ہے۔

اب انہوں نے سوچا کہ جس حسین علیہ السلام کو ہم نے اٹھا رہ ہزار سے زائد خطوط لکھ کر اور بیسیوں پیغامات بھیج کر بیلا یا تھا۔ جس کے ساتھ پکی فتمیں اور حلف اٹھا اٹھا کر بڑے بڑے عہد و پیمان باندھے تھے۔ اور جس کے نام پر ہمارے میں ہزار سے زیادہ افراد نے بیعت کی تھی۔ اس کو تو ہم نے بے وفائی کر کے دھوکا دے کر مارا اور بڑی بے دردی سے مارا۔ اب اس گناہ کو بخشواني اور اس جرم عظیم کو معاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے بدل لینے کے لیے ایک جماعت قائم کی جائے۔ جو قاتلین حسین کو تلاش کر کر کے انھیں ایسی عبرتیں سزادے کہ جسے دیکھ کر پہلے اور پچھلے توبہ توبہ کریں۔ چنانچہ اس کا قیام عمل میں لایا گیا، اور اس کا نام ”جماعۃ التوابین“ (بہت توبہ کرنے والوں کی جماعت) رکھا گیا۔ مراد ہے قتلِ حسین علیہ السلام سے توبہ کرنے والا گروہ۔ لیکن اس کا کچھ فائدہ نہ تھا، مخفی اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لیے ایک ادنیٰ

## ۶۰۔ تو این کی جماعت

424

ساحر بہت۔ قصہ مختصر یہ کہ اس جماعت نے کوشش کر کے اہل کوفہ کے علاوہ بصرہ، مدائن، عراق وغیرہ سے کثیر آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس فلسفے پر دنیا کے بڑے بڑے طالبوں، شقیوں، بد عہدوں، مکاروں اور فریب کاروں کی رو جیسی بھی ترپ اٹھی ہوں گی۔ کہ خود ہی قاتل اور اپنے ہی ہاتھوں نہایت شقاوت و قساوت سے امام مظلوم اور ان کے ساتھیوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑانے والے ہیں اور خود قاتلین حسین صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کو اٹھتے ہیں۔ اللہ اللہ! امام شہید صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس روح بھی کیا کہتی ہو گی کہ

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جغا سے توبہ

ہائے! اُس زُوڈ پشیاں کا پشیاں ہونا

”تو این“ کی یہ جماعت کسی قاتل حسین صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل تو کیا کرتی وہ تو اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم اور حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دشمن اور مخالف کی نکسیر بھی نہ چلا سکی۔ ہاں! یہ ضرور کیا کہ اس جماعت کے آدمی حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ پر جاتے، سر پر باہیں رکھ رکھ کر خوب روتے چلاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر سر رکھ کر ”وابئے حسین، ہائے حسین“ پکارتے، رورو کے قبر کو بھگو دیتے۔ پھر لوگوں کو حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومیت اور ان کے غم و لم کی پچی جھوٹی داستانیں سناتے۔ شہادت کے قصے بڑی رنگ آمیزیوں کے ساتھ رو رو کر بیان کرتے۔ ہو سکتا ہے اپنے سینے اور منہ پر ہاتھ بھی مارتے ہوں، جیسے کوئی شخص اپنا نقسان آپ کر کے کرنے لگتا ہے۔ آخر اس پیٹنے کی کوئی تاریخ یا پس منظر تو ہوگا۔ اور تجھ بھیں کہ میں سے آغاز ہوا ہو۔ یہ لوگ حضرت حسین صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص، مکارم و محسن بڑھ چڑھ کر بتاتے۔ اور اس طرح اپنے گناہ ”بخشوائے“ کی کوشش کرتے۔ لطف یہ کہ اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرد اس جماعت میں شامل نہ ہوا۔ اور سادات میں سے کسی نے جھاک کر بھی نہ دیکھا کہ یہ مکار گروہ کس باغ کی مولی ہے۔

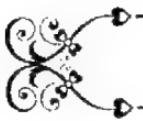
## روافض کاظہور

یہ تو ایں کی جماعت ہی دراصل رافضیت کی بنیاد تھی، جو بڑھتے بڑھتے نہایت مبالغہ اور جذبہ سے حضرت علی اور حضرت حسینؑ کی مدح و توصیف میں بالا ہتمام مصروف ہو گئی۔ یہ جماعت ہر سال عاشورہ کے دن حضرت حسینؑ کے مزار پر جاتی، بین کرتی، روتی، چینتی، بال نوچتی، کپڑے پھاڑتی اور سینہ کوبی کرتی۔ اور بجائت و آہ و زاری کر کے کہتی:

﴿يَا حُسَيْنُ! إِنَّا ظَالِمُونَ وَأَنْتَ مَظْلُومٌ﴾

”اے حسینؑ! ہم ظلم کرنے والے ہیں اور آپ مظلوم ہیں۔“  
پھر سوز و گداز سے جنگ کربلا کے منثور و منظوم واقعات سناتی۔

الغرض تو ایں نے اسلام میں رفض کی مستقل بنیاد رکھ دی۔ رافضیوں کی ٹولیاں اکناف عرب میں پھیل گئیں۔ اور ممالک اسلامیہ میں انہوں نے اپنی شانخیں قائم کر لیں۔ عوام کو انہوں نے اپنا ہمنوا اور ہم عقیدہ بنانا شروع کر دیا۔ اور اہل بیت خصوصاً علی مرتضیؑ اور حضرت حسین کے لیے ”ہمدردیاں“ اور ”ارادتمندیاں“ حاصل کرنے کے لیے بہت دوڑ دھوپ کی۔ جس میں انھیں کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ عشق و محبت اور متلاطم جذبات کی بنار پر آخر تحریک تو چل پڑتی ہے، چنانچہ یہ تحریک بھی چل پڑی۔ لیکن اہل بیت ﷺ کے افراد ان سے بیزار اور الگ تھلگ رہے۔ اور دوبارہ ان کے جھانے میں نہ آئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ نام کے ”جال شار“ از حد طوطا چشم اور بے وفا ہیں۔




## عبداللہ بن سبا

قوم یہود میں ایک شخص عبد اللہ بن سبا کا وجود نامسعود اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت خطرناک تھا۔ اس کا نام جتنا اچھا تھا کام اتنا ہی برا تھا۔ کسی کا محض شخصی یا جماعتی نام نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اس کا کام بھی دیکھنا چاہیے۔ اسی نام کا ایک اور شخص بھی تھا جو رئیس المذاقین تھا اور عبد اللہ بن ابی کے نام سے مشہور تھا۔ عبد اللہ کا معنی کتنا اچھا ہے؟ اللہ کا بندہ۔ اللہ کا غلام، لیکن ان دونوں اللہ کے ”بندوں“ اور ”غلاموں“ کی پوری تگ و تاز اسلام کے خلاف تھی۔ ان دونوں نے اسلام کو بے حد نقصان پہنچایا، اتنا نقصان جو صریح کافر بھی نہ پہنچا سکے۔ کافروں کافر ہی ہوتا ہے۔ اس کا کفر عیاں ہوتا ہے، اس لیے وہ کسی سے چھپ نہیں سکتا۔ ہر کوئی اسے پہچان لیتا ہے۔ مگر جب وہ منافق بن کر کام کرتا ہے تو اسے پہچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں بہت بڑے منافقوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت کرام ﷺ کی عقیدت و محبت کا نام لے کر اہل اسلام کے خرمن اتحاد میں آگ لگانی شروع کر دی۔ اور مسلمانوں کا ایسا بُوارہ کیا اور اسلام کو ایسی ناقابل تلافی گزند پہنچائی کے الاماں۔

تقریباً اسی طرح کے ہمارے دور میں بھی دو شخص ہوئے ہیں دونوں کا نام بہت اچھا تھا یعنی ”غلام احمد“ مگر کام اس کے بالکل بر عکس تھا۔ بہت خطرناک، بے حد برا۔ ایک نے ختم نبوت کا دروازہ کھولا اور منکرین ختم نبوت کی جماعت قائم کر دی۔ دوسرے

نے حدیث کا برداشت کارکردگی۔ اور منکرین حدیث کا منتظر گروہ تیار کر دیا۔ اور دونوں نے مسلمانوں میں دوالگ الگ پارٹیاں بنادیں۔ نتیجتاً بہت سے لوگوں کو گمراہی کے گڑھے میں گرا دیا۔ اس طرح خود بھی کفر کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو بھی کافر بنادیا۔ عبد اللہ بن سبا کے ذیل میں چند دوسرے ”اممۃ الکفر“ (یعنی کفر کے اماموں) کا بھی تھوڑا ذکر کر دیا ہے تاکہ ہم ان سے متعارف ہو کر ان کے دجل و فریب سے بھی آگاہ ہو جائیں۔

عبد اللہ بن سبا کے بارے میں اتنا سمجھ لجیئے کہ یہ بدینصیت، وقت کا منافق اعظم تھا اور اکابرین منافقین میں شمار ہوتا تھا۔ جب اس مردو دو کو جماعت تو ایں یعنی روافض کی سرگرمیوں کا علم ہوا، اور یہ خبر پہنچی کہ یہ لوگ علی اور حسین بن علیؑ کے بہت ماح ہیں اور مقتربہ حسینؑ پر جا کر روتے پیٹتے اور اپنے جرائم و معاصی (یعنی حضرت حسینؑ کی تھیں) اور ان کے ساتھیوں پر مظالم) کی معافی چاہتے ہیں۔ تو اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور سوچا کہ یہی وہ سنہری وقت ہے جس سے فائدہ اٹھا کر دین اسلام اور اس کے تبعیین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے بھی ایک ”سبائی جماعت“ بنالی۔ نام الگ تھا لیکن کام وہی تھا۔ اس نے بہت جلد تو ایں اور ان کے ہم عقائد لوگوں کو اپنے اندر جذب کر لیا۔ اور اپنے اغراض و مقاصد کا یوں اعلان کیا کہ [۱] یہ جماعت حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل صحیح ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر، عمر، اور عثمانؑ خلیفہ نہ تھے وہ جبرا خلیفہ بن گنے یا بنادیے گئے۔ آپ کے متصل بعد حضرت علیؑ خلیفہ تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صرف انھی کی خلافت کے متعلق وصیت کی تھی۔

[۲] اصحاب ثلاش (ابو بکر، عمر، عثمانؑ) علیؑ کی خلافت ﷺ کے غاصب تھے اور اس پر جابر انہ قابض تھے۔ انہوں نے املاک بنوی پر بھی زبردستی قبضہ جمالیا تھا۔ ان ”جرائم“ کے ماتحت ان کے جس قدر بھوہنک کی جائے اور ان کو جس قدر برا بھلا کہا جائے، اتنا ہی

باعثِ ثواب ہے۔ کیونکہ انہوں نے بڑے غصب اور ظلم کا ارتکاب کیا۔ یعنی علی ہیئت کا حق چھین کر خود اس پر قبضہ جمالیا۔ اس نے کہا: ”یہ ان کا غصب بھی ہے اور ظلم بھی۔“

[۳] عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہے اور از بسکہ اسی نے اپنے باپ کو خلافت اور جاسیدار رسول ﷺ پر قبضہ جمانے پر اکسایا تھا۔ لہذا اس پر بھی سب و شتم جائز بلکہ بعض صورتوں میں ضروری ہے۔ (چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر گالی گلوچ کا یہ سلسہ آج تک جاری ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت و فضیلت پر ہماری مقبول عام تازہ پیشکش ”عفیفہ“ کائنات رضی اللہ عنہا، کام طالعہ کیجیے۔

[۴] خلفاءٰ ثلاثہ رضی اللہ عنہم چونکہ خود قابل اعتماد نہیں تھے، لہذا ان کا جمع کردہ قرآن بھی غلط اور ناقابل اعتماد ہے۔ اس کی بجائے کوئی اور قرآن مرتب کیا جائے۔

[۵] اذان و نماز کا طریقہ اور ایجاد کیا جائے۔ مروجہ اذان و نماز چونکہ صحابہ اور عام مسلمانوں سے مروی اور ان کی معمول بہاء ہے، اس لیے وہ قابل عمل نہیں۔ یعنی نہ یہ اذان درست ہے نہ یہ نماز صحیح۔ چنانچہ اذان اور نماز الگ وضع کی گئی۔

[۶] ہر سال کیم محرم سے دسویں محرم تک حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا زور و شور سے ماتم کیا جائے۔ تعزیہ اور تابوت بنائے جائیں۔ گھوڑے اور علم نکالے جائیں جو شخص غم حسین میں چند آنسوگراۓ گا اُس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اور جو کوئی ماتم حسین میں بدن کا لہو نکالے گا وہ سیدھا بہشت میں چلا جائے گا۔ اس کے مطابق محرم کی فضیلت کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے ہے اور اس تمام مہینے میں خوشی کی ساری تقریبات حرام و منوع اور موجب گناہ عظیم ہیں۔ (یعنی یہ سب جھوٹے سائل پاس سے گھڑے اور روانج دیے۔ جو آج تک مرؤون ہیں۔)

[۷] مروجہ درود: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَلِيْلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى أَلِيْلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى

عبداللہ بن سا

429

مُحَمَّدٌ وَ عَلَىٰ أَلِّ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَىٰ أَلِّ إِبْرَاهِيمَ  
 إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ كَيْ بَجَأَ يَهُ دَرُودٌ پُرْهَا جَاءَ ..... اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ  
 مُحَمَّدِينَ الْمُصْطَفَىٰ وَ عَلَىٰ عَلَيِّ الْمُرْتَضَىٰ وَ عَلَىٰ فَاطِمَةَ الْبَتُولِ بِنْتِ  
 الرَّسُولِ وَ عَلَىٰ الْحَسَنِ وَ عَلَىٰ الْحُسَيْنِ سَبِّطِي الرَّسُولِ، الَّذِينَ أَذْهَبَ  
 اللَّهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَرُهُمْ تَطْهِيرًا. اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ الْأَئِمَّةِ  
 الطَّاهِرِينَ أَبَاءِ الْأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ.

[8] اصحاب مثلا شہق الحرم کے مقابلے میں فاطمہ، علی، اور حسن و حسین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ  
 فضیلت دی جائے۔ تاکہ لوگ ابو بکر، عمر اور عثمان صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا بھول جائیں اور ان کو  
 برا بھلا کہنے لگیں۔

[9] حج کے لیے کعبہ کی بجائے کربلاے معلی سے رجوع کیا جائے۔ اور مدینہ جا کر  
 روضہ رسول کی بجائے قصر فاطمہ اور روضہ حسین کی زیارت کی جائے۔ کیونکہ روضہ رسول  
 پر جانے سے ان کے ساتھ پڑے ہوئے ابو بکر و عمر صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہوگی جو روانہ نہیں۔ یہ  
 دونوں بڑے مجرم ہیں۔ ان کی عزت افزائی منع ہے۔ <sup>①</sup> لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.



<sup>①</sup> وفيات الأعيان ترجمة جوهر القلائد. <sup>②</sup> مأخذوا از العقد الفريد، مقدمه نواع  
 الاشجان، الملھوف، مسائل الجاهلية، الموضوعات في عاشوراء، امالي مطبوعه ایران،  
 خطط جلد اول مطبوعه بولاق وغيره.

## چین پاک کی الٰہیت

سبائی اور راضی جماعتوں نے پہلے تو یہ سوچا کہ جن اصحابِ ثلاثہ (ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی (رضی اللہ عنہم)) کی مساعی بلیغہ سے اسلام کو تقویت اور ترقی حاصل ہوئی اور جن کی کوششوں سے دینِ اسلام تمام اکناف عالم میں پھیلا، جب تک مسلمانوں سے انھیں گالیاں نہ دلوائی جائیں اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی نفرت و عداوت نہ پیدا کی جائے، اس وقت تک اسلام اور مسلمانوں کو شدید ضعف نہیں پہنچ سکتا۔ پس انھوں نے سب سے پہلا تیشہ خلافتے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کی عظمت و فضیلت کے شجر ثمر بار پر چلا�ا۔ اور ان جماعتوں کے ارکان کو شاتم اصحاب رسول ﷺ بنا یا۔ پھر انھوں نے یہ خیال کیا کہ یہ منصوبہ بھی کافی نہیں، گواں سے اسلام کو نقصان تو پہنچ سکتا ہے مگر مہلک نقصان نہیں پہنچ سکتا، لہذا انھوں نے چین اور اہل بیت ﷺ کے جملہ افراد کو الٰہیت کا درجہ دے دیا اور اعلان کر دیا کہ یہ حضرات صفاتِ خداوندی سے متصف ہیں۔ فریادیں سنتے ہیں۔ دعا نہیں قبول کرتے ہیں۔ قاضی الحاجات ہیں۔ حل المشکلات اور دافع البیانات ہیں۔ تمام کائنات ارضی و سماوی، بری و بحری کا قبضہ و اختیار انھی کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ یہ مشہور مشرکانہ شعر اسی جماعت کی تصنیف ہے کہ

لَيْلَةُ خَمْسَةُ أُطْفَىءُ بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَةِ  
الْمُضْطَفِى وَالْمُرْتَضِى وَابْنَاهُمَا وَالْفَاطِمَةِ

”یعنی مجھے جہنم کے خوفناک عذاب سے بچانے والے پنجن ہیں۔“<sup>①</sup>

مصیبت اور مشکل، بیماری اور وبا میں یہ لوگ اس کو گلے میں باندھتے، گھروں میں لٹکاتے۔ پانی میں گھول کر پیٹے پلاتے اور انسانوں، حیوانوں پر چھڑکتے ہیں۔ العیاذ باللہ، لیکن خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اور اس قسم کی سب باقیں توحید کے منافی ہیں۔ ان سے بہت دور رہنا چاہیے۔

یہ نظریات قرآن و سنت اور خود عقیدہ اہل بیت ﷺ کے سراسر خلاف ہیں۔

دکھ کی بات ہے کہ یہ سبائی افکار و نظریات آج تک باقی ہیں۔ اور روافض اس دن سے اسی عقیدے کی تشبیر کرتے اور اسے جگہ جگہ عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ فی الحال ہم دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے عقائد و خیالات سے مکمل طور پر بچا کر رکھے جو قرآن و حدیث کے مخالف ہیں۔ ایسے نظریات واضح طور پر توحید سے مکراتے ہیں۔ اور ہمیں ذہناً صحابہ کرام اہل بیت ﷺ کا مخالف و معاند بناتے اور اسلام سے دور کرتے ہیں۔

ہمارے بہت سے سینیوں کو شیعہ سنی کے درمیان فرق کا مطلق علم نہیں۔ وہ دونوں کو قریب قریب ایک ہی سمجھتے ہیں۔ بیشک رواداری اچھی بات ہے مگر رواداری کے نام سے حقیقت پر پردہ نہیں ڈالنا چاہیے۔ عقائد تو نہیں بدلنے چاہئیں۔ صحابہ ﷺ کی تو ہیں تو نہیں ہونی چاہیے۔

① افسوس اہبہت سے سنی (بریلوی) واعظین بھی اپنی تقاریر میں جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھتے ہیں۔ انھیں اہل توحید سے ضد کو بالائے طاق رکھ کر تھوڑی دیر زک کر یہ غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے جمع میں یہ شعر پڑھ کر کس مذہب اور عقیدے کو تقویت دے رہے ہیں؟ اور اپنے ساتھ عوام الناس کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں؟ اگر پہلے غور نہیں کیا تو اب ہی کر لیں۔

## شیعہ سنتی عقائد و نظریات میں فرق

اہل سنت اور اہل تشیع کے عقائد و نظریات میں دو ایک جگہ نہیں بلکہ جگہ جگہ فرق ہے۔ یہ فرق ہم بعض بھولے بھالے اہل سنت اور عوامِ الناس کے لئے مختصرًا بیان کرتے ہیں۔ اور شیعی کتب اور شواہد کی روشنی میں ہدیہ قارئین کرتے ہیں تاکہ کسی کو انکار یا اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اور جو لوگ تائجی سے اندر ہیرے میں پڑے ہوئے ہیں وہ روشنی میں آ جائیں۔

### پہلا فرق

پہلا فرق ارکانِ اسلام اور کلمہ شریف کا ہے۔ اسلام کے ارکان میں پہلا رکن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیث: «بُنْيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ .....» میں آتا ہے۔ اس کے اقرار اور شہادت کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جبکہ شیعہ کے ہاں اس کلمہ کی ضرورت ہی نہیں۔ ان کے ہاں جوارکان ہیں وہ ملاحظہ فرمائیے۔

شیعی حدیث نمبر ①: فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی۔ نماز، زکوٰۃ، حصوم، (روزہ)، حج اور ولایت۔ اور اسلام اس شان کے ساتھ کسی چیز کے ساتھ نہیں پکارا گیا جتنا ولایت کے ساتھ۔ ②

① الشافی: 2/30.

شیعی حدیث نمبر [۲] فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، نماز، زکوٰۃ، صوم، حج اور ولایت۔ اور اسلام کی سب سے نمایاں چیز ولایت ہے۔ لوگوں نے چار کو لے لیا اور ولایت کو چھوڑ دیا۔<sup>①</sup>

شیعی حدیث نمبر [۳] فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے: خدا نے پانچ چیزوں اپنی مخلوق پر فرض کی ہیں۔ ان میں سے چار میں رخصت کی اجازت ہے سوائے ایک کے۔ (یعنی ولایت کے۔)<sup>②</sup>

اسی مذکورہ کتاب الشافی میں بروایت ابو بصیر چاروں اركان کی فرضیت کی نفی اور پانچوں رکن "ولایت" کی فرضیت بتائی گئی ہے۔ یعنی چاروں اركان کو مانیں یا نہ مانیں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر ولایت کو ضرور مانیں۔۔۔۔۔ مطلب ظاہر ہے کہ کوئی شخص ولایت کو مانے بغیر مسلمان بن سکتا ہے نہ مومن۔ اور "ولایت علی" سے ان کی مراد رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علیؓ کا ولی اور وصی ہونا ہے۔ شیعہ کے نزدیک اركان اسلام میں سب سے اہم رکن یہ ہے کہ آخر حضرت ﷺ کے بعد حضرت علیؓ کو آپ ﷺ کا ولی، وصی اور جانشین مانا جائے۔ اور ان کی اصطلاح میں "مومن" سے مراد وہ شخص ہے جو آپ ﷺ کے متصل بعد حضرت علیؓ کی ولایت (نیابت و جانشینی) کو مانتا ہے۔<sup>③</sup>

ہماری اذان میں: "أَشْهُدُ أَنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهُدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ" ہے۔ مگر اس کے برکس شیعہ احباب ان کلمات کو بھی شامل کرتے ہیں: "أَشْهُدُ أَنَّ عَلِيًّا وَلِيًّا اللّٰهِ وَوَصَّى رَسُولُ اللّٰهِ وَخَلِيقَتُهُ بِلَا فَصْلٍ" یہ کلمہ ہر جگہ شیعہ دوستوں کی اذان میں بڑے اہتمام کے ساتھ باواز بلند سنایا جاتا ہے۔ گویا شیعہ اور باقی امت کے اركان اسلام میں بھی فرق ہے اور اذان کے الفاظ میں بھی فرق ہے۔

<sup>①</sup> الشافی: 2/30. <sup>②</sup> الشافی، ص: 34. <sup>③</sup> الشافی: 2/34.

(یہ الگ بات ہے کہ ان کا یہ کلمہ کہیں آتا بھی ہے یا نہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کا اس کلمہ پر پختہ ایمان ہے۔ اس کے منکر کو وہ اسلام کا منکر اور اس کے قائل کو وہ اسلام کا قائل اور ”مؤمن“ کہتے ہیں۔) وہ کہتے ہیں یہ اذان چونکہ صحابہ سے مردی ہے لہذا درست نہیں۔ اور کہتے ہیں وہ بھی ایسے دیے تھے اور ان کی اذان بھی ایسی دیسی یعنی ناقابل تسلیم ہے۔ (استغفار اللہ ثم استغفر اللہ) حالانکہ ہمارے پاس پورا دین انھی کے راستے اور ذریعے سے آیا ہے۔ (بِرَطْابِنِ روایتِ قرآن مجید کی جملہ آیات اور پچاس پچھن ہزار سے زائد احادیث صحیحہ میں انھی کے ذریعے سے موصول ہوئیں۔ ہم اس جماعت ہشہ کا انکار کر کے دنیا کے سامنے کون سا قرآن و حدیث پیش کر سکتے ہیں؟ کون سے اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں؟ صحابہ کرام ﷺ اولین روایاتِ قرآن و حدیث ہیں۔ اولین روایاتِ اسلام ہیں تو پھر ہم کون سے قرآن و حدیث اور دینِ اسلام کو بحق کہہ سکتے ہیں؟ ان کی تردید و تکذیب کے بعد اسلام کی صداقت اور اہمیت کی کوئی دلیل ہمارے پاس تو نہیں رہتی، کسی اور کے پاس ہو تو پیش کرے۔ گویا صحابہ ﷺ کا انکار، قرآن کا انکار، حدیث کا انکار، سیرت النبی ﷺ کا انکار، بلکہ اسلام کے انکار کے ہم معنی ہے۔ یہ ارکانِ اسلام و ایمان اور کلمہ شہادت بھی ہمیں انھی کے واسطے سے ملا۔

### دوسرافرق

دوسرافرق قرآن مجید کا فرق ہے۔ ہم اس موجودہ قرآن مجید کو بحق مانتے ہیں۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ جریئل امین ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اتنا رہوا مانتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ وہی قرآن مجید ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو برس قبل امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اس میں کوئی کمی بیشی

ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اور یہ بہر پہلو محفوظ ہے اور تانور نیزین قطعی طور پر محفوظ رہے گا۔ جبکہ شیعہ احباب بیشک اس قرآن کو مانتے ہیں مگر اس کو تحریف اور تبدیل شدہ مانتے ہیں۔ اس سلسلے میں شیعی عقیدہ ملاحظہ ہو:

شیعی حدیث: امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:

«إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جِبْرِيلٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى مُحَمَّدٍ وَلَهُ سَبْعَةَ عَشْرَ أَلْفَ آيَاتٍ»

”جبریل علیہ السلام جو قرآن، محمد ﷺ کے پاس لائے تھے اس میں ستہ ہزار ① (17000) آیات تھیں۔“

حضرت العلام مولانا محمد عبداللہ فاروقی لکھنؤی ﷺ نے کتاب ”شیعہ اور قرآن“ ص: 13 میں لکھا ہے: ”میں نے پڑنے میں خدا بخش خال کے مشہور کتب خانہ میں ایک جعلی قرآن کا قلمی نسخہ، شیعوں کا لکھا ہوا چالیس پارے کا پچشم خود دیکھا ہے۔“

ملاباقر مجلسی نے تذکرۃ الامم ص 5 پر لکھا ہے: در قرآن در آیات بسیار نام علی علیہ السلام بودہ کہ عثمان بیرون کر دہ۔ ”قرآن کی بہت سی آیات میں مولیٰ علی علیہ السلام کا نام تھا عثمان نے ان کا نام قرآن سے خارج کر دیا۔“ (استغفار اللہ)

چونکہ اس قرآن کو روایت اور جمع کرنے والے صحابہ کرام ﷺ تھے، لہذا اہل تشیع اس کی صداقت اور حفاظت و صیانت کے بارے میں متعدد اور حدد درجہ شک و شبہ کا شکار ہیں۔ لیکن زبان سے نہیں کہتے۔ بیشک ان کے کسی بڑے سے پوچھ کر دیکھ لیں، گویا اندر عقیدہ اور ہے اور باہر اور۔ اسی کو قرآن مجید نے نفاق اور کھوٹ کہا ہے۔ اور یہ

① اصول کافی، ص: 176

نفاق ہرگز کسی مومن و مسلم میں نہیں ہونا چاہیے ورنہ اس کے اصل عقیدے کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ اور اعتبار بھی کیوں ہو سکتا ہے؟

## تیسرا فرق

تیسرا فرق صحابہ صلوات اللہ علیہ وسلم کا ایمان ہے۔ ہمارے نزدیک سب صحابہ و اہل بیت صلوات اللہ علیہ وسلم جنتی ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں۔ اور یہی معنی ہیں **رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ** کے۔ وہ عقیدہ عمل میں ہمارے لیے معیار ہیں۔ ان کی گستاخی یا توہین فتن و کفر ہے، ان کا ادب رسول اللہ صلوات اللہ علیہ وسلم کا ادب ہے اور ان کی دشمنی رسول اللہ صلوات اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہے۔ ان کی منقبت و فضیلت میں قرآن مجید میں جا بجا آیات اور کثیر احادیث ملتی ہیں۔ اگر انہیں کجما کیا جائے تو ایک شخصیم کتاب تیار ہو جائے۔ اگر ساری امت جمع ہو جائے تو وہ کسی ایک صحابی کی شان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی۔ منافقوں کے متعلقہ آیات صحابہ کرام صلوات اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کرنا بدترین ظلم، حد درجہ طوطا چشمی اور پر لے درجے کا کفر ہے۔ یہی حکم امہات المؤمنین اور جملہ صحابیات صلوات اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ علاوه ازیں انبیاء و رسول صلوات اللہ علیہ وسلم کی طرح صحابہ صلوات اللہ علیہ وسلم میں بھی تفاوت مدارج ہے۔ مگر سب سے کم تر صحابی کی عظمت کا بھی یہ عالم ہے کہ اس کے بلند و بالا درجے کو کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکتا۔ خلافتے راشدین یعنی حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور علی صلوات اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب صحابہ صلوات اللہ علیہ وسلم سے فائق ہے۔ اور ان کی ترتیب فضیلت وہی ہے جوان کی ترتیب خلافت ہے۔ صحابہ ہوں یا اہل بیت صلوات اللہ علیہ وسلم وہ اس قدر عظمت و جلالت کے باوجود معصوم یا نبی و رسول کے ہم پلہ نہیں تھے، وہ آخر امتی تھے۔ لہذا ان سے بھی فروغداشتیں ہوئیں۔ جنہیں اجتہاد اور سوچ یعنی فکر کی فروغداشت کہتے ہیں۔ غلطی فکر کی ہو یا نیسان اور لا علمی کی اس پر اللہ تعالیٰ موآخذہ نہیں فرماتا۔ جس غلطی میں نیت اور ارادہ

شامل نہ ہو رب اس غلطی کو معاف فرمادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ و اہل بیت ﷺ کے دل و دماغ کی تطہیر و تزکیہ کو دیکھ کر ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ اور انہیں:

أُولَئِكَ هُمُ الْمُقْلِحُونَ      أُولَئِكَ هُمُ الْفَالِدُونَ      أُولَئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ

أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًا      لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ      فَضْلًا مِّنْ

اللّٰهُ وَنِعْمَةً      رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ      کے روح افزاء و ایمان افروز کلمات دلوماز کو قرآن بنادیا۔ اور قرآن کو محفوظ فرمایا کہ صبح قیامت تک ان کی عظمت و بزرگی کا پرچم لہرا دیا۔ جوزمان و مکان کی پابندیوں سے بے نیاز ہو کر آج تک لہرا رہا ہے اور حشر تک لہرا تار ہے گا۔ آسمان علم و فضل کے ان تابندہ و درخشندہ ستاروں پر تھوک چینکنے والا انہیں نہیں گہنا سکتا بلکہ خود ہی ذیل و حرماں نصیب ہوتا ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس اہل تشیع کا عقیدہ و نظریہ ان آخری رامت کے بارے میں بڑا ہی افسونا ک اور دلخراش ہے۔ ان کے نزدیک گفتگو کے دو چار صحابہ کے سوا سب منافق اور مرتد تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت: *إِنَّ الَّذِينَ أَهْمَوْا ثَلَاثَةَ كَفَرُوا*<sup>①</sup> میں جن منافقین کا ذکر ہے اور جنہیں قرآن مجید نے *إِنَّ الْمُنْفِقِيْنَ فِي الدُّرُكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ*<sup>②</sup> کہہ کر کافروں سے بھی بدتر قرار دیا، اس سے مراد خلفائے راشدین ہیں (علاءہ حضرت علیہ السلام) ہیں۔ چنانچہ ان کی شہرہ آفاق و معتربر کتاب ”اصول کافی“ ص: 265 میں ہے:

”نَزَّلْتُ فِيْ فُلَانٍ وَفُلَانٍ وَفُلَانٍ أَمْنُو بِالنَّبِيِّ فِيْ أَوَّلِ الْأَمْرِ كَفَرُوا  
حَيْثُ عُرِضْتُ عَلَيْهِمُ الْوَلَايَةُ فَهُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَمْ يَبْتَرْ فِيْهِمْ مِنَ الْإِيمَانِ  
شَيْءٌ“

بہر۔ شیعہ سُنی عقائد و نظریات میں فرق

438

ہمیں یارائے قلم نہیں ورنہ ہم اس عبارت کا ترجمہ کرتے۔ بہر حال ہم اصول کافی کی "شرح الصافی" سے اس کا مفہوم بتائے دیتے ہیں۔ کتاب مذکور جزء سوم، حصہ دوم، ص: 98 میں ہے۔ امام گفت ایں آیت نازل شدر ابو بکر و عمر و عثمان۔ "یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا: سورۃ نساء کی یہ آیت ابو بکر، عمر، عثمان کے بارے میں نازل ہوئی۔ جو پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ (العیاذ بالله) ان کا تو یہ عقیدہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سرخیل غلفاءَ ملاشہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔ اب دیگر صحابہ وازواج النبی ﷺ کے بارے میں شیعی عقیدہ ملاحظہ ہو، وہ بھی قریب قریب ایسا ہی ہے:

"قَالَ: كَانَ النَّاسُ أَهْلَ رَدَدٍ بَعْدَ النَّبِيِّ وَجِيلَيْهِ إِلَّا ثَلَاثة....."

"نبی ﷺ کے بعد مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے

علاوہ باقی سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔"<sup>①</sup> (معاذ اللہ، استغفراللہ)

شیعہ محدث ملا باقر مجلسی حیات القلوب ج، 2 ص: 745 طبع لکھنو میں حضرت ابو بکر، عمر، عائشہ، حصہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھتا ہے:

پس آں دو منافق و آں دو منافقہ بایکدیگر اتفاق کر دند کہ  
آنحضرت را بزر ہر کنند.

"وَ دُوْ مُنَافِقٌ تَّحْتَهُ اُوْرَیْ دُوْ مُنَافِقَتِهِمْ، اُخْبُوْ نَےْ بَاہمی ملی بھگت سے پیغمبر  
اسلام رضی اللہ عنہم کو زہر دینے پر اتفاق رائے کر لیا۔" (استغفراللہ)

یہ صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کے بارے میں شیعی روایات کی دیگر سے دو چار چاول پیش کیے ہیں ورنہ ان کے ہاں اصحاب رسول کی بابت ایسا بہت سامواں موجود ہے جسے  
وہ صحیح جان کر اپنی صحیح مجلسوں اور مخلفوں میں پیش کرتے ہیں۔

<sup>①</sup> فروع کافی، ج: 3، وکتاب الروضہ، ص: 115.

## چوتھا فرق

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ائمہ پر ایمان لانا فرض ہے۔ ائمہ اللہ کا نور ہیں اور معصوم ہیں۔ دنیا و آخرت ان کی ملک ہے۔ یہ حرام/حلال پر پورا اختیار رکھتے ہیں۔ (اصول کافی ص: 109، 110، 111، 121، 122، 259، حق ایقین، ص: 126۔ طبع ایران)

علاوہ ازیں ان کے نزدیک امامت کا مرتبہ درجہ نبوت سے بلند ہے۔ شیعی محقق و مجتهد و محدث ملا باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حیات القلوب، ج: ۳، ص: ۳ میں لکھتے ہیں: ”مرتبہ امامت بالا از مرتبہ پنجمبری است“ کہ مرتبہ امامت مرتبہ رسالت سے بھی اوپر چاہے۔

## پانچواں فرق

شیعہ کے ہاں ”عقیدہ بدء“ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ”بدء“ کے معنی ظہور و اکشاف کے ہیں۔ یعنی پہلے ایک چیز معاذ اللہ رب تعالیٰ کو معلوم نہیں ہوتی، پھر وہ اس پر ظاہر ہوتی ہے اور اس کا عملًا ظہور ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں رب تعالیٰ پہلے ایک چیز کو نہیں جانتا، پھر وہ چیز اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اور اسے اس کا علم ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک رب تعالیٰ ہر چیز کو ازال سے جانتا ہے۔ کوئی بات اس کے علم وادر اک سے باہر نہیں ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں ایسا سوچنا اور عقیدہ رکھنا اس کی شان سے بعید، اس ذات والا صفات کی توہین اور سراسر کفر ہے۔ لیکن شیعہ کے ہاں عقیدہ بدء کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ اور ہر مومن کے لیے اسے اختیار کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اصول کافی کتاب التوحید باب البداء، ص: 228 میں ہے، مَا عِبَدَ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِثْلَ الْبَدْءِ ”اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی اور چیز سے ایسی نہیں ہوتی جیسی کہ عقیدہ بدء سے ہوتی ہے۔“ گویا شیعہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کی صریح توہین کا

## چھٹا فرق

اسلام میں ہر حال میں جھوٹ بولنا (خصوصاً دینی اور اعتقادی امور میں) غایت درجہ فجع اور کبیرہ جرم ہے۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ مگر شیعہ اور امامیہ کے نزدیک، جھوٹ بولنا خالص دین ہے۔ اس کا نام ان کے ہاں تقیہ مشہور ہے۔ ان کے نزدیک دین کے 9 حصے تقیہ (جھوٹ) میں مضمون ہیں۔ چنانچہ اصول کافی میں تقیہ کا مستقل باب باندھ کر (شیعی) احادیث لائی گئی ہیں۔ نموٹا ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں! امام ابو عبد اللہ (جعفر صادق علیہ السلام) نے کہا:

«إِنْ تِسْعَةَ أَعْشَارِ الدِّينِ فِي التَّقِيَّةِ وَلَا دِينٌ لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ»

”بیکٹے دین کے نو حصے تقیہ میں ہیں اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔“ یہی وجہ ہے جو یہ لوگ پیلک میں کھل کر اپنے عقائد و نظریات بیان نہیں کرتے۔ خصوصاً قرآن، حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بابت۔ اور نموٹا جوان کے عقائد ہم بیان کر رہے ہیں ان کے بارے میں گول مول کر جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اپنا عقیدہ صاف اور شفاف بیان کریں تو ان کی تبلیغی تگ و تاز بالکل رک رک جائے، لوگ بدظن ہو کر پیچھے ہٹ جائیں۔ اور یہ نہ ہب بالکل محدود ہو کر رہ جائے۔ بلکہ ان کا جینا محل ہو جائے۔ مگر ”عقیدہ تقیہ“ کی بنی پروہ ان نقاشات سے فجع جاتے ہیں۔ لیکن یہ سوائے ایک داؤ اور دھوکے کے کچھ بھی نہیں۔ اسلام میں نہ اس کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔

اس کے برکلیس اہل تشیع اسے مباح و مستحب بلکہ واجب کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مشہور محقق صدق بن با بویہ فی لکھتے ہیں:

وَالْقِيَّةُ وَاجِبٌ لَا يَجُوزُ دَفْعُهَا إِلَى أَنْ يَخْرُجَ الْقَائِمُ فَمَنْ تَرَكَهَا قَبْلَ خُرُوجِهِ فَقَدْ خَرَجَ عَنْ دِينِ اللَّهِ وَعَنْ دِينِ إِلَّا مَامِيَّةً.

”قیمہ واجب ہے اس کا ترک کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ القائم امام مهدی کا ظہور نہ ہو۔ جس نے ان کی آمد سے قبل اسے چھوڑ دیا تو وہ اللہ کے دین اور امامیہ دین سے نکل گیا۔“<sup>①</sup>

### ساتواں فرق

شیعہ متعد کے قائل ہیں۔ بلکہ اسے بڑا کار خیر سمجھتے ہیں۔ متعد کے لغوی معنی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں۔ چنانچہ ”احکام القرآن للحصاص“ میں ہے:

الْإِسْتِمْتَاعُ هُوَ الْإِنْتِفَاعُ. متعد کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کچھ مدت کے لیے کسی قدر معاوضہ پر ( بلا خطيہ اور بلا شرائط ) نکاح کیا جائے۔ قدرے تفصیل یہ ہے کہ کوئی مرد بغیر عورت کے ولی، گواہوں اور نکاح دیگرہ کے بے خاوند غیر محروم عورت سے متعین وقت کے لیے مقررہ وقت اور مقررہ اجرت کے عوض مجامعت کی خاطر معاملہ طے کر لے۔ اس مقررہ اجرت کے علاوہ مرد پر کوئی نان و نفقہ ہے نہ رہائش۔..... مگر دین اسلام میں یہ حرام ہے۔ اس پر نصوص قرآن و سنت شاہد ہیں۔ ( دیکھئے سورۃ المؤمنوں، تفسیر کبیر: 214/6، وفتح البیان: 6/221، تفسیر قرطبی: 12/106، صحیح بخاری: 1/255، صحیح مسلم: 1/451 )

شیعہ کے مشہور مفسر ملا فتح اللہ کا شانی تفسیر منجع الصادقین: 1/356 میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً فَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الْحُسَيْنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَيْنِ

<sup>①</sup> رسالہ اعتقد ایم اردو شرح حسن الفوائد، ص: 472 طبع سرگودھا۔

فَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الْحَسَنِ وَمَنْ تَمَّتَعَ ثَلَاثَ مَرَاتٍ فَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ عَلِيٍّ وَمَنْ تَمَّتَعَ أَرْبَعَ مَرَاتٍ فَدَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ حَسَنٍ»

”جس نے ایک مرتبہ متعدد کیا وہ حضرت حسین علیہ السلام کا درجہ پائے گا۔ جس نے دو مرتبہ متعدد کیا وہ حسن علیہ السلام کا۔ اور جو تین دفعہ متعدد کرے گا وہ سیدنا علی المرتضی علیہ السلام کا رتبہ پائے گا۔ اور چار مرتبہ متعدد کرے گا وہ میرا (یعنی حضرت محمد علیہ السلام) کا رتبہ پائے گا۔“ (استغفار اللہ استغفار اللہ)

ہم علی وجہ البصیرت اور بر ملا کہتے ہیں یہ حدیث بھی جھوٹی ہے اور بات بھی جھوٹی ہے..... اور آنحضرت علیہ السلام کی ذات اقدس پر کتنا بڑا اور صریح الزام ہے۔ اتنا بڑا الزام کہ جس سے بڑے الزام کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ اور آنحضرت علیہ السلام اور اہل بیت علیہ السلام کی اس سے بڑی توہین اور کون سی ہو سکتی ہے؟ یقیناً اس جھوٹی حدیث گھرنے کی سزا جہنم ہے..... یہ ملا کاشانی کی کس قدر جسارت ہے جو اس نے ان عظیم ہستیوں کی بارگاہ میں کی؟ اور کتنی جرأت ہے ان لوگوں کی جو ایسے عقائد رکھتے اور اپنی قوم میں ان کی تشوییر کرتے ہیں..... (انا اللہ وانا الیہ راجعون۔)

## آٹھواں فرق

ہمارے نزدیک حضرت علی علیہ السلام چوتھے خلیفہ تھے۔ مگر شیعہ ائمہ پہلا خلیفہ مانتے ہیں اور اس پر مصر اور بعدہ ہیں۔ وہ جواہذ انوں میں ”أَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ الْلَّهِ وَوَصِيُّ رَسُولِ اللَّهِ وَخَلِيفَتُهُ بِلَا فَصْلٍ“ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام رسول اللہ علیہ السلام کے وصی ہیں۔ یعنی آنحضرت علیہ السلام نے اپنے بعد آپ کو اپنا خلیفہ بنانے کی وصیت کی تھی۔ اور خلیفتہ بلا فصل کا مطلب ہے کہ حضرت نبی کریم علیہ السلام کے متصل بعد حضرت علی علیہ السلام خلیفہ تھے۔ اور ان کے بقول حج سے واپسی پر غدریخم کے

شیعہ سنتی عقائد و نظریات میں فرق

443

مقام پر اللہ تعالیٰ نے آیت قرآنی: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلَّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَهَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾<sup>①</sup> کے ذریعے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلافت علی ﷺ کے اعلان کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور بقول شیعہ آپ ﷺ نے نامساعد حالات دیکھ کر اس حکم کے اعلان میں پس و پیش کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو «وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ» کی ڈانت پلاتے ہوئے ولایت علی کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے «من كنت مولاہ فعلی مولاہ» کا حکم سنا کر خلافت علی بلا فصل کا بر ملا اعلان کر دیا۔ یہ تمام تفصیل امامیہ کے پیشووا ابن المعلم یعنی مفید محمد بن محمد کی کتاب ”روضۃ الواعظین“ میں مذکور ہے۔ اور شیعی معتبر کتاب فصل الخطاب، ص: 258 کے مطابق مذکورہ آیت خلافت میں ”فی علی“ کے الفاظ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ یہ بات تفسیر قمی، تفسیر فرات، تاویل الروایات، احتجاج طبری، کشف الغمة، الرسالۃ الموضحة، اور بحار الانوار وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ ان کے بقول آیت ”مِنْ رَّبِّكَ فِي عَلِيٍّ“ تھی۔ جس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اہل تشیع کے نزدیک یہ قرآن محرّف و مبدل ہے، جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آیہ مذکورہ میں خلافت علی ﷺ کا حکم تھا تو آنحضرت ﷺ نے چھپایا کیوں؟ اور حضرت علی ﷺ نے یہ حکم دبایا کیوں؟ اور جب قرآن مجید محرّف ہے تو اس سے استدلال کیسا؟..... اس ناخوگلوار عقیدے نے حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی ﷺ کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کر شہ ساز کرے  
جوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جوں

## نوال فرقہ

مسئلہ امامت ہے، شیعہ کا مسئلہ امامت ہماری امامت سے بالکل الگ ہے۔ ہم کسی بڑے رہنماء، عظیم لیدر، قرآن و سنت اور فرقہ کے ماہر، علوم و فنون کے موجد یا اس کے ماہرو شناور کو امام کہتے ہیں اور لوگ اس کی عظمت و رفتہ کو دیکھ کر یہ خطاب دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں کوئی امام منصوص و مشروع نہیں ہوتا۔ اس طرح کے امام، امت میں چار نہیں ہزار ہیں۔ ہر علم و فن کا الگ الگ امام ہے۔ واضح اور روشن خدمات سرانجام دینے والا شخص بھی امام کہلاتا ہے..... ایسے ائمہ کا تذکرہ جمیل بیسیوں کتب میں بکھرا پڑا ہے..... لیکن شیعہ کے ہاں ”امام“ کی اصلاح اہلسنت سے بکر مختلف ہے، ان کے ہاں امام منصوص و مشروع ہونے کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ شیعہ کے ہاں امام کو لوگ امام نہیں بناتے ہیں نہ وہ ان کے بنانے سے بنتا ہے۔ اللہ اسے خود بناتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے امام معین کر دیتا ہے۔ یعنی امام منصوص و معین ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ایسے امام کی امامت کو تسلیم کرنا اور اس پر ایمان لانا اسلام کا اہم ترین رکن ہے۔ ان کے نزدیک ایسے ائمہ کی تعداد بارہ ہے، جو شخص انہیں مانتا ہے وہ مؤمن ہے۔ اور جو شخص کسی امام کی بھی امامت کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ دیکھیے کتاب الشافی: 2/34، علاوہ ازیں ان کے نزدیک امام کے لئے بہت سی شرائط ہیں۔ مثلاً وہ عالم الغیب، متصرف، مشکل کشا ہو اور اپنی موت و حیات پر قدرت رکھتا ہو۔ (حالانکہ) بہ طابق قرآن و حدیث ایسے اوصاف اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ جو کسی دوسرے میں مانے وہ مشرک ٹھہرتا ہے۔ ان کے بارھویں امام گیارھویں امام جناب حسن عسکری کے بیٹے ایک لونڈی ملیکہ (زمرگس) کے بطن سے 256ھ میں والد کی وفات سے وہ روز قبل پیدا ہوئے۔ اس

## ج ۱۔ شیعیتی عقائد و نظریات میں فرق

، 445

بارھویں امام کی بابت شیعی عقیدہ یہ ہے کہ آپ چار پانچ برس کی عمر میں بغداد سے 60 میل دور غار ”سرّ من رَأَى“ میں اپنا قرآن، امامت کے آلات، تابوت سکینہ اور عصائی موسیٰ علیہ السلام وغیرہ لے کر روپوش ہو گئے۔ اور قرب قیامت ان کا ظہور ہو گا۔ یہ لوگ اپنی اصطلاح میں انہیں الامام، الجب، القائم، المنتظر اور صاحب زمان کہتے ہیں۔ اور ان کے بقول جب 313 مخلص مسلمان اور ساقی (یعنی شیعہ مومن) جمع ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ ظاہر کرے گا۔<sup>①</sup> یہ امام تقریباً 260ھ میں روپوش ہوئے۔ اب 1431ھ ہے اس وقت تقریباً بارہ سو سال ہونے کو ہیں، مگر آج تک 313 مخلص اور ایماندار شیعہ پیدا نہیں ہوئے۔ اگر اتنے ہو جاتے تو وہ تشریف لے آتے۔ ملاباقِ مجلسی لکھتے ہیں جب قائم آل محمد ظاہر ہوں گے:

واول کسی کے باوبیعت کند محمد ﷺ باشد و بعد از آں علی ﷺ  
”سب سے پہلے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی بیعت کریں گے، پھر  
ان کے بعد حضرت علیؑ“<sup>②</sup>

(آگے لکھا ہے): بعد ازاں ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہم) کو زندہ کر کے درختوں پر لٹکا کر سولی دیں گے۔ دونوں کو یوں ہزار مرتبہ کیا جائے گا۔ یعنی ہزار مرتبہ سولی پر لٹکایا جائے گا:  
پس خدا بھر جا کہ خواهد ایشان را بھردو معدب گرداند۔

”یعنی اس کے بعد اللہ جہاں چاہے گا انہیں لے جائے گا اور عذاب سے دوچار کرے گا۔“<sup>③</sup> (العياذ، العياذه) کس قدر جرأت و جسارت ہے ان لوگوں کی؟ انا اللہ ای کتاب ”حق الیقین“، ص: 139 میں ہے:

عائشہ رازنده کند تابر اُوحد بزندو انتقام فاطمه، ازو بکشد۔

<sup>①</sup> خلاصہ از: احتجاج طبرسی، ص: 230 طبع ایران۔ <sup>②</sup> حق الیقین، ص: 139 طبع ایران۔

<sup>③</sup> حق الیقین باب رجعت، ص: 145۔

”عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو زندہ کریں گے پھر ان پر حدگا کمیں گے، اور ہماری فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا ان سے انتقام لیں گے۔“

(استغفراللہ، استغفراللہ۔ لیکن یہ دل کو خوش کرنے کے لیے سب بنای ہوئی باتیں ہیں۔ جن کا حقیقت سے ادنیٰ سا بھی تعلق نہیں)

کتاب مذکور کے ص: 527 میں ہے: پیش از کفار ابتداء بہ سُنیاں خواہد کرد..... واپیشان راخواہد گشت۔ ”کافروں سے پہلے وہ سینیوں اور ان کے علماء سے کارروائی شروع کریں گے اور ان سب کو قتل کریں گے۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب باتیں اپنے دل کا ابال نکالنے اور اپنے اندر وہی کیتے کو سکون بھم پہنچانے کے لئے تراشی گئی ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ لیکن ان لوگوں کی جسارت دیکھئے کہ تو ہیں اور بے ادبی کے باب میں ہر قسم کی حدود و قیود کو پھلانگ گئے۔ رسول پاک ﷺ کو چھوڑا نہ حضرت علیؓ کو، حضرت ابو بکرؓ کو معاف کیا، نہ حضرت عمرؓ کو اور حضرت عائشہؓ صدیقہؓ سے کوئی رعایت نہ کی۔ نہ اہل سنت کا لحاظ کیا۔

## دوسرے فرق

عقیدہ رجعت ہے۔ اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک قیامت آئے گی۔ تمام جن و انس کو زندہ کیا جائے گا اور سب کے بادشاہ امام مهدی ہوں گے اور لکھا ہے: دنیا کی عمر ایک لاکھ برس ہے 20 ہزار برس دوسروں کی حکومت ہوگی۔ اور 80 ہزار برس شیعہ کی حکومت ہوگی، کسی شیعہ پر بڑھا پا، کمزوری، مصیبت، یہاری کچھ نہیں آئے گی، شیعوں کے قوی تیز کر دیئے جائیں گے۔ یہ کسی دوسرے شہر کے مناظر بآسانی دیکھے اور سن سکیں گے۔ ہر شیعہ کی عمر ایک ہزار برس ہوگی اور ہر سال ان کے ہاں ایک

بیٹا پیدا ہوگا۔ ( سبحان اللہ، کیسی گھڑی اور تراشی ہوئی باتیں ہیں) شیعوں کے لئے مسجد کوفہ سے پانی، دودھ اور شہد کی نہر جاری ہوگی۔ اور کھانے پینے کی چیزیں جنت سے آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہر شیعہ کی خدمت کے لئے ایک فرشتہ مقرر کرے گا۔ جو اس کے چہرے سے غبار صاف کرے گا اور جنت میں اس کے ٹھکانے کی سیر کرائے گا (کیونکہ یہ رب کے بڑے محبوب اور لاذلے ہوں گے نا)، دوسری طرف امام مہدی عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو زندہ کریں گے اور عذاب دیں گے۔ پھر تین دن کے بعد یہی سلوک ابوکرو عمر سے ہو گا۔ آیت قرآنی **سَنِسِمَةٌ عَلَى الْخُرُطُومِ** کی تفسیر یہ ہے کہ زمانہ رجعت میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنے دشمنوں یعنی سینیوں اور اصحاب رسول کے پھرول پر داغ دیں گے۔ اور آیت قرآنی **فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنِّيْغاً** کی تفسیر یہ ہے کہ سینیوں کی غذا گندگی اور شیعوں کا پیشتاب و پاخانہ ہوگا۔ دیکھئے شیعی کتاب انوار نعمانیہ، ص: 152، 160، 161، 162، 165۔ بصائر الدرجات، ص: 18، 3، 2، حقائق، ص: 429۔

پھر امام مہدی سب سے پہلے کعبہ، پھر مسجد نبوی اس کے بعد دنیا بھر کی سئی مسجدوں کو گرداؤں گے۔

**“وَيَخْرُجُ الْقُرْآنَ الَّذِي أَنْفَهَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَمْ يَعْمَلْ بِهِ  
الْأَشْقِيَاءُ وَيَعْمَلُ بِذَلِكَ الْقُرْآنُ”**

”پھر امام مہدی علیہ السلام وہ قرآن نکالیں گے جو علی علیہ السلام نے تالیف کیا تھا اور بد بختوں نے اس پر عمل نہیں کیا تھا۔ اور اس نے قرآن پر عمل ہو گا۔“  
دیکھئے: انوار نعمانیہ: 1/157، رجال کشی، ص: 93، بصائر الدرجات، ص: 123۔ ان کتب کے مطابق امام مہدی نیا اسلام، نیا قرآن، نئی سنت اور نئے احکام لائیں گے۔  
الفاظ یہ ہیں:

«شُمَّ يَقُومُ بِأَمْرٍ جَدِيدٍ وَكِتَابٌ جَدِيدٌ وَسُنْنَةً جَدِيدَةً عَلَى الْعَرَبِ»  
 ”پھر وہ نئی حکومت، نئی کتاب، نئی سنت اور نیا دین عرب میں نافذ کرے گا۔“  
 شیعی کتب میں اور بھی بہت کچھ لکھا ہوا ہے جس میں ان کے محققین خود الجھ کر رہے گئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ سب موهومہ اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو سو فیصد بے اصل ہیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان اور بھی جگہ جگہ فرق ہے مگر فی الحال یہ دس موٹے موٹے فرق بتانے ہی پر اتفاقاً کرتے ہیں۔  
 فرق سمجھنے والوں کے لئے یہ بھی کافی ہیں۔



## مبالغہ آمیز مناقب اہل بیت ﷺ

اہل بیت کرام ﷺ کی مدحت اور فضیلت بیان کرنا امر مستحسن اور خوش نصیبی ہے، لیکن وہ بیان کرنی چاہیے جو سندً ثابت ہو۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ مدحت و فضیلت بیان کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں، جس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کی انسانی اور رحمانی تمام تر تعریفیں اور فضیلیں جمع ہو کر اہل بیت الہبار ﷺ میں سموجی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تو امت کو خود اپنی بے جا اور مبالغہ آمیز مدح سے منع فرمایا ہے، مگر لوگوں نے ہر بات پاس ہی سے گھرنی ہے۔ اور اپنا الگ ہی جھٹھ اور عقیدہ بنانا ہے انھیں اللہ اور رسول ﷺ کے ارشادات و فرمودات سے کیا علاقہ؟ وہ تو وہی کریں گے جو اللہ تعالیٰ کو مرغوب نہ ہو، رسول اکرم ﷺ کو محجوب نہ ہو، خود پختجن اور اہل بیت کرام ﷺ جس سے بیزار اور تنفر ہوں۔ اور جو علی مرتضی، حسن، حسین اور فاطمہ ؑ کے اسوہ و طریقہ کے خلاف ہو۔ انسان کو رحمان بنا دینا مسلمان کا شیوه نہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کا دستور ہے۔ اور سچا مسلمان وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام پر اہتمام اور شوق و محبت سے چلتا اور پختجن و اہل بیت ﷺ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ پختجن و اہل بیت ﷺ کا راستہ کوئی قرآن و سنت سے جدا نہ تھا، یقیناً ان کا راستہ بھی وہی تھا جو قرآن میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ أَنَّ هَذَا صَرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ۔

"یہ میرا سید حارستہ ہے پس تم اسی کی پیروی کرو۔"<sup>۱</sup>

وہ راستہ قرآن کا تھا، حدیث کا تھا، اسلام کا تھا، توحید و سنت کا تھا۔ جملہ صحابہ و اہل بیت ﷺ کا اور ائمہ کرام رض کا تھا۔

صحابہ و اہل بیت ﷺ کے مناقب کا جا بجا قرآن و حدیث میں ذکر ملتا ہے اور اس کثرت سے ملتا ہے کہ ان کی فضیلت میں کسی کو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مبالغہ آمیزی کی آخر ضرورت کیا تھی؟ جائے تجب ہے کہ اہل بیت اطہار ﷺ کے فضائل گھر گھر کر بیان کیے گئے، اور اس سلسلے میں معمولی غلوتیں انتہائی غلوت سے کام لیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کی ہونا کیوں سے بے نیاز ہو کر من مانی تفسیر کرنے اور احادیث وضع کرنے سے بھی دریغ نہ کیا گیا۔ مثلاً کہا گیا کہ ارشاد قرآنی: «وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَنًا صَرِيرًا»<sup>۲</sup> سے مراد حضرت علی رض ہیں، اور «وَقَدَّيْلَهُ بِذِلْجٍ عَظِيمٍ»<sup>۳</sup> میں "ذِلْج عظیم" سے مراد حضرت حسین رض ہیں۔ اور «وَمَا أَتَتْكُمُ الرَّسُولُ»<sup>۴</sup> سے مراد خلافت علی رض ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی کہا گیا کہ آیت: «مَنْ يُطِعِ اللَّهَ»<sup>۵</sup> میں "فِي ولَايَةِ عَلِيٍّ" کے الفاظ بھی تھے، اسی طرح آیت: «نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا»<sup>۶</sup> میں "فِي عَلَيٍّ" کے الفاظ بھی تھے، اور "نُورًا مُبِينًا" <sup>۷</sup> سے پہلے بھی علی رض کا نام تھا اور یہاں تک کہہ دیا کہ بہت سی آیات جن میں اہل بیت کے مناقب کا ذکر ہے، وہ قرآن سے نکال دی گئیں۔<sup>۸</sup> غرض یہی بڑی اور عجیب و غریب باتیں کی گئیں کہ جنہیں سن اور

<sup>۱</sup> الانعام، 6: 153. <sup>۲</sup> بنی اسرائیل، 17: 80. <sup>۳</sup> الصافات، 37: 107. <sup>۴</sup> الحشر، 59: 7.

<sup>۵</sup> النساء، 4: 69، 13 وغیره. <sup>۶</sup> البقرة، 2: 23. <sup>۷</sup> النساء، 4: 174. <sup>۸</sup> دیکھیے الشیعہ والسنہ،

ص: 109 وما بعدها.

پڑھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

قرآن مجید میں تحریف کے علاوہ احادیث میں بھی وضع و اختراع سے کام لیا گیا، مثلاً کہا گیا کہ: جو آدم علیہ السلام جیسا علم، نوح علیہ السلام جیسا تقویٰ، ابراہیم علیہ السلام جیسا حلم، موسیٰ علیہ السلام جیسا رعب، عیسیٰ علیہ السلام جیسی عبادت دیکھنا چاہے تو وہ حضرت علی بن ابی طالب کو دیکھ لے۔“ حضرت علی کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے یہ حدیث تراشی گئی:

”حبت علی بن ابی طالب ایک ایسی نیکی ہے جس کی موجودگی میں کوئی برائی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“ نیز حضرت علی بن ابی طالب اگر مدد نہ کرتے تو آدم علیہ السلام کی توبہ قبول نہ ہوتی، نوح علیہ السلام کا سفینہ گnarے نہ لگتا، ابراہیم علیہ السلام کی آگ بخندی نہ ہوتی، یوسف علیہ السلام چاہ کنغان سے باہر نہ آتے، یعقوب علیہ السلام کی بیانی نہ لوٹی، وغیرہ۔“

یہ حدیث بھی تراشی گئی: ”میں علم کا ترازو ہوں، علی بن ابی طالب کے دونوں پلڑے، حسن حسین بن ابی طالب اس کی رسیاں اور فاطمہ بنت ابی طالب اور پرکی پکڑنے والی رہی ہے۔“

اور یہ بھی: ”میں اور علی اللہ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔“ اور یہ بھی کہ ”جنت میں ہر درخت کے پتے پر چیجن کے نام لکھے ہوئے ہیں۔“ اور یہ بھی کہ ”جب آنحضرت مصطفیٰ علیہ السلام جنت کی خوبصورگی کا چلتے تو حضرت فاطمہ بنت ابی طالب کو سونگھ لیتے۔ اور وہی (جنت کی خوبصورگی) آپ بنت ابی طالب سے آ جاتی۔“

کہاں تک تحریر کریں، کیونکہ یہ سلسلہ ہزاروں کی تعداد تک پہنچتا ہے۔ اگر ان کا احاطہ کریں تو الگ ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔

اس میں شبہ نہیں کہ قصاص اور ظُعاظ وغیرہ نے بھی یہ مشغله اختیار کیا، مگر عقیدت کیشان اہل بیت ﷺ ان سب پر بازی لے گئے، کوئی ان کی ہوا کو بھی نہ پہنچ سکا۔

کسی بزرگ کی فضیلت و منقبت بیان کرتے وقت ہر قسم کی رنگ آمیزی، حاشیہ آرائی اور مبالغہ و غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کسی کا مرتبہ حد سے گھٹانا چاہیے نہ حد سے بڑھانا

چاہیے، وہی بیان کرنا چاہیے جو حقیقت پر منی ہو، حضرات اہل بیت ﷺ کی وہی شان کافی اور بہت ہے، جو اللہ اور رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے، وہی شان صحیح اور صحیح ہے، اسی کو بیان کرنا چاہیے، مبالغہ آمیزی سے کلیتاً اجتناب کرنا چاہیے۔ لیکن اس کے لیے قرآن و حدیث کے مطالعہ کی خاصی ضرورت ہے، اس کے بغیر منزل ملننا ناممکن اور محال ہے۔

قرآن مجید کی صحیح تفسیر وہی ہے، جو خود قرآن نے بیان کی یا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ اور اس کا مفہوم خلافتے راشدین، صحابہ و اہل بیت ﷺ نے معین فرمایا۔ ایسی تفسیر یکسر غیر معتبر ہوگی جو نہ کورہ تفسیر سے متصادم ہو، کیونکہ جس رب نے حضور ﷺ کو قرآن دیا، اس رب نے آپ ﷺ کو اس کا مفہوم بھی سمجھایا اور رب تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کا بھی اہتمام فرمایا، اور انہم محدثین یعنی علماء کو پیدا فرمایا، جنہوں نے حدیث کے اصول اور اسماء الرجال و جرح و تعدیل کے قواعد مرتب کیے کہ جن کی بدولت سارا مسئلہ آسان ہو گیا، چنانچہ آج ہم حدیث کی باقاعدہ درجہ بندی کر سکتے ہیں اور صحیح و غلط کو چھانت سکتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ فن محنت چاہتا ہے بہت محنت، اس لیے اور زیادہ لوگ محنت سے گھرا تے ہیں..... خوب یاد رکھیے! ہر بات کو پرکھنے کا اصل معیار محض قرآن و حدیث ہے، یہی اسلام ہے، اور اسی میں حق و صداقت مضمرا ہے۔ جو اس سے دور رہا سمجھ لجیے وہ اللہ سے دور، نبی سے دور، قرآن سے دور، حدیث سے دور، صحابہ و اہلبیت ﷺ سے غرض سب سے دور رہا۔ اللہ ہمیں ایسی ڈوریوں سے دور رکھے۔ اپنا اور اپنے حبیب پاک ﷺ کا صحیح قرب عطا فرمائے۔ آمین۔



## اہل تشیع اور ان کی اقسام

مذہب شیعہ بھی فرقہ بندی سے خالی نہیں اور اس کے فرقوں اور عقائد میں کہیں جزوی اور کہیں فروعی اور کہیں اصولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں شیعوں کی چند اقسام اور ان کے مختصر عقائد درج کیے جاتے ہیں:

### ۱ امامیہ

یہ ”اشناعشیری“ کہلاتے ہیں اور بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان ائمہ میں سے ہر ایک معصوم اور قطعی بے گناہ ہے اور ہر ایک کی امامت برحق ہے۔ باقی تمام مدعیان امامت باطل ہیں۔ اور ان کے بقول یہ آیت: **إِنَّ جَائِلَ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةٌ**<sup>①</sup> کے یہ معنی ہیں کہ علی عليه السلام اور ان کی اولاد ہی مستحق خلافت ہے۔

### ۲ زیدیہ

یہ فرقہ زید بن علی، زین العابدین بن حسین عليه السلام اور زید کی اولاد کو امام مانتا ہے۔ مگر زین العابدین کو امام تسلیم نہیں کرتا، زید یہ کی بھی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو زید بن زین العابدین کی اولاد کے لیے نی ”زید“ کے مطیع ہیں۔ دوسرے وہ جو زید بن زین العابدین کی اولاد کے لیے نی ”زید“ کے پیرو ہیں۔ تیسرا وہ جو زید بن موسے کاظم کی اولاد کے قبیع ہیں۔ اور چوتھے وہ جو زید جو اد بن حسن ثعلبی کی اولاد کو حق مانتے ہیں۔

① البقرة: 30

**[3] اسماعیلیتہ**

یہ لوگ اسماعیل بن جعفر صادق رض کی امامت کے معتقد ہیں اور ان کے بعد کسی کو امام تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امام جعفر کے بعد ہر دور میں سات امام قیامت تک آتے رہیں گے۔ خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن، لیکن پاک و ہند میں جو شیعہ "اسماعیلی" کہلاتے ہیں، ان کو "آغا خانی" بھی کہتے ہیں، ایک آغا خان کے بعد دوسرا آغا خان ان کا پیشوں بن جاتا ہے، یہ لوگ جد اصحاب قلعۃ الموت حسن بن صباح کے معتقد ہیں۔ اس کے بارے میں لکھا ہے: کَانَ مِنْ كَبَارِ الزَّانِدَةَ "یہ بڑے زندیقوں میں سے تھا" <sup>①</sup> اور ان کا مذہبی مرکز ایران ہے۔

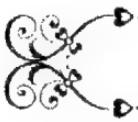
**[4] تفضلی**

یہ فرقہ باقی عقائد تو دوسرے شیعوں کے سے رکھتا ہے، مگر (اللہ کا شکر ہے) اصحاب شلاش یعنی ابو بکر، عمر، عثمان رض کا شامم نہیں یعنی انھیں برا بھلانہیں کہتا۔

**[5] محوی**

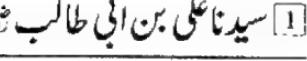
افغانستان اور صوبہ خیبر کے قبائلوں میں شیعوں کی ایک جماعت "محوی" کہلاتی ہے، کیونکہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ، حضرت علی رض، حضرت حسن رض، حضرت حسین رض اور حضرت فاطمہ رض کی قبریں بنا کر پھر یہ کہہ کر منادیتے ہیں کہ "تم سے زیید کا مقابلہ بھی نہیں ہو سکا۔" یہ لوگ اس طرح کے کام ایام محرم میں کرتے ہیں، علاوہ بریں کچھ اور اقسام بھی ہیں جن کا تذکرہ باعث طوالت ہے جو تک کیا جاتا ہے۔

① میزان الاعتدال: 1/500.



 بارہ امام

اہل تشیع جن دوازدہ (12) ائمہ سادات کی "برحق" امامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے سوا اور کوئی امام نہیں ہے۔ ان کے نام اور مختصر حالات ذیل میں ملاحظہ کیجیے:



**۱ سیدنا علی بن ابی طالب ﷺ**

بیت اللہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ 36 ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ 19 رمضان 40ھ کو زخمی ہو کر 21 رمضان 40ھ کو رحلت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی اور داماد تھے، آپ ﷺ کا ہر عمل کتاب و سنت کے مطابق تھا۔ آپ ﷺ بے حد مقتنی، عبادت گزار اور صابر و شاکر تھے۔ "الكافی" کے مطابق آپ نے میں حج کئے۔ اسی لیے امام امتیقین مشہور تھے۔<sup>①</sup>

حضرت علی ﷺ کے مناقب احادیث میں بکثرت وارد ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آپ ﷺ کی قدر و منزلت کس قدر تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے خیر کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر خیر فتح فرمائیں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں، حدیث کے مطابق وہ علیٰ مرتضیٰ ہے تھے۔ ان کے مفصل حالات اور کارنامے آپ

ہماری الگ زیر ترتیب کتاب ”خلفاء راشدین حنفیون“ میں پڑھیں گے۔ ان شاء اللہ۔

## [2] سیدنا حسن بن علیؑ

حضرت علی مرتضیؑ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ 3 ہجری میں آپ کی ولادت اور 48 ہجری میں زہر سے وفات ہوئی۔ بہت عبادت گزار، شب زندہ دار، صاحب دانش اور عامل قرآن و سنت تھے۔ کئی حدیثوں کے روایی ہیں۔ شکل و صورت میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے۔ بڑے تحمل مزاج اور صابر و شاکر تھے۔

آپ حنفی میں بہت مشہور تھے۔ بڑے تجھی اوزنم دل تھے۔ آپ نے کئی حج کئے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصی دعا بھی فرمائی تھی:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَحِبُّهُ فَأَحِبُّهُ»

”اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، لہذا تو بھی اس سے محبت فرمائے۔“<sup>①</sup>

اور ایک دفعہ آپ ﷺ منبر پر تشریف لائے تو فرمایا:

”إِنَّ ابْنَى هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهُ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِتَّيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ“

”یہ میرا فرزند سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو

بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔“<sup>②</sup>

آپ ﷺ کچھ احادیث کے بھی روایی ہیں۔ جو متفرق کتب میں آئی ہیں۔ آپ کی اولاد میں بارہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔

بیٹوں میں سے میدان کر بلائیں عمر، قاسم اور عبد اللہ بن عثمان شہید کر دیے گئے تھے۔ اور آپ کی نسل چار بیٹوں سے جاری ہوئی تھی، یعنی زید، حسن شنی، حسین الاژم اور

<sup>①</sup> صحیح البخاری، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حدیث: 3849. <sup>②</sup> صحیح البخاری، حدیث: 3846.

بادہ امام

457

عمر بیشتر۔ مگر حسین اور عمر بیشتر کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب دنیا میں زید اور حسن شیخ بیشتر کی اولاد باقی ہے۔

### 3 سیدنا حسین علیہ السلام

زیرِ نظر کتاب میں آپ ﷺ کی مکمل سیرت مرقوم ہے۔ آپ سیدنا حسن علیہ السلام سے بہت مشابہ تھے۔ ممتاز خصوصیات رکھتے تھے۔ عامل قرآن و سنت تھے۔ آپ ﷺ کی شرافت و نجابت اور کیفیات عبادت کوں نہیں جانتا؟ ”الاستیعاب“ میں ہے۔ مصعب الزیبری سے روایت ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام نے پھیس جح پا پیادہ کئے۔

صحیح بخاری (حدیث: 3747) میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا» (اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرماء۔ اسی طرح سنن ترمذی کی مشہور روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے خوشخبری دی گئی ہے:

«إِنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَينَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

”حضرت فاطمۃ الرَّضیا علیہ السلام خواتین جنت کی سردار ہیں۔ اور حسن و حسین علیہما السلام نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔“<sup>(2)</sup>

### 4 سیدنا زین العابدین علیہ السلام

سیدنا حسین علیہ السلام کے لخت جگر ہیں۔ 38ھ میں تولد ہوئے۔ 95ھ میں بعمر 57 سال انتقال فرمایا۔ اصلی نام علی ہے، بکثرت عبادت کرنے کی وجہ سے لقب

① تہذیب التہذیب: 2/295-301. ② جامع ترمذی، المناقب، حدیث: 3781.

بادہ بام  
بیکری

458

”زین العابدین“ سے مشہور ہوئے۔ ان کو علی عابد بھی کہا جاتا ہے۔<sup>①</sup>

انھیں بھی بہت فضیلت حاصل ہے، ان کے بارے میں ائمہ اسلام کی آراء ملاحظہ ہوں:

﴿امام علی بن سعید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں﴾

«هو أَفْضَلُ هاشِمِيٍّ رأَيْتُهُ فِي الْمَدِينَةِ يَقُولُ يَا هَلِ الْعَرَاقِ  
أَحَبُّنَا حُبُّ الْإِسْلَامِ وَلَا تَحْبُّنَا حُبُّ الْأَصْنَامِ فَمَا بَرَحَ بَنَاهُ  
حُبُّكُمْ حَتَّى صَارَ عَارًا عَلَيْنَا»

”آپ ہاشمی خاندان کے متاز چشم و چراغ ہیں۔ میں نے انھیں مدینہ منورہ میں دیکھا، آپ فرمائے تھے: ”اے اہل عراق تم ہمارے ساتھ اسلامی تعلیمات کے تحت محبت رکھو۔ اور اصنام کی طرح ہماری محبت (پرستش) سے باز رہو۔ تمہاری محبت ہم پر بد نماداغ بن جائے گی۔“<sup>②</sup>

﴿امام محمد بن شہاب زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں﴾

«لَمْ أَرْ هاشِمِيًّا أَفْضَلَ مِنْ عَلَى بْنِ حَسِينٍ»

”میں نے علی بن حسین (یعنی سیدنا زین العابدین) سے افضل کسی ہاشمی کو نہ پایا۔“<sup>③</sup>

﴿امام محمد بن عثمان ذہبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں﴾

«وَكَانَ لَهُ حَلَالَةٌ عَجِيبَةٌ وَحَقٌّ لَهُ وَاللَّهُ فَقْدَ كَانَ أَهْلَ الْإِلَامَةِ  
الْعَظِيمَ لِشَرْفِهِ وَسَوْدَدَهِ وَعِلْمِهِ.....»

”آپ کو عجیب عز و شرف حاصل تھا۔ اور آپ اس کے حق دار تھے۔ اور آپ

<sup>①</sup> طبقات ابن سعد: 5/211-222. <sup>②</sup> طبقات ابن سعد: 5/214. <sup>③</sup> صفة الصفة:

99/ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی دار المعرفة بیروت 1079.

اپنے شرف، سیادت، علم، ملیٰ درد اور کمال ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے امامتِ عظیمی کے قبضے دار تھے۔“

امام ابو حازم مدینہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”آپ ثقہ، قابل اعتماد اور کثیر الحدیث تھے بڑے نقیس، مقنی اور عالی مرتبہ انسان تھے۔“

سیدنا زین العابدین کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں کے ساتھ جاری و باقی ہے یعنی محمد باقر، عبد اللہ الباهر، زید الشہید، عمر اور شرف، حسین الاصغر، علی الاصغر رض، اور دو بیٹیاں خدیجہ اور ام کلشوم رض تھیں۔

بقول امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آپ تابعین میں بہت زیادہ علم و تدبیر رکھتے اور علوم دینیہ قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ میں ماہر کامل تھے۔

### 5 سیدنا باقر رحمۃ اللہ علیہ

آپ علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ 57ھ میں ولادت اور 114ھ میں وفات ہوئی۔ نہایت عالم و عامل، زاہد و عابد، عاشق کلام اللہ اور شیدائے کلام الرسول تھے۔ ابو جعفر کنیت اور محمد باقر نام ہے۔<sup>①</sup>

ان کے متعلق ائمہ دین کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

امام محمد سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

»کان کثیر العلم و الحدیث«

”آپ بڑے عالم اور حدیث کے شناور تھے۔“

بعد ایک اور امام فرماتے ہیں:

① طبقات ابن سعد: 320-324

«هو أحد من جمع العلم والفقه والديانة»

”آپ ان عظیم لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے علم، فقہ اور دین کو جمع کیا ہے۔“

﴿امام ذَصْنِي خَلَقَهُ فَرَمَّاتَهُ ہیں﴾

«وَلَقَدْ كَانَ أَبُو جعْفَرُ إِمامًا مُجتَهِدًا، تَالِيَا لِكِتَابِ اللَّهِ كَبِيرًا

الشَّان ..... لِمَا تَجَمَّعَ فِيهِ مِنْ صَفَاتِ الْكَمَالِ»

”آپ امام، مجتهد، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے بڑی شان کے حامل

تھے۔ آپ میں صفات کمال جمع تھیں۔“<sup>①</sup>

## 6 سیدنا جعفر بن حسن

حضرت امام محمد باقرؑ کے نور نظر ہیں۔ 83ھ میں پیدائش اور 148ھ میں رحلت ہوئی۔ پابندی عبادات میں مشہور زمانہ تھے۔ حیات عزیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اشاعت کے لیے وقف تھی۔ بڑے عالم، عابد اور متقدی بزرگ تھے، کنیت ابو عبد اللہ اور پورا نام جعفر صادق ہے۔ نامی گرامی علماء و مشائخ فقهاء و ائمہ آپ کے تلامذہ ہیں۔

آپ کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: «ما رأيت افقهه من جعفر بن محمد» ”میں نے جعفر بن محمد الصادق سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔“

﴿امام ابو حاتم رضا رضی اللہ عنہ کہتے ہیں﴾

«ثَقَةٌ لَا يُسْأَلُ عَنْ مُثْلِهِ»

<sup>①</sup> سیر أعلام النبلاء: 4/402. <sup>②</sup> تهذیب التهذیب: 2/103-105.

”آپ ثقہ ہیں، آپ جیسے آدمی کے بارے میں پوچھنا درست نہیں۔“

﴿ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ﴾

«الامام الصادق شیخ بنی هاشم أبو عبد اللہ القرشی الهاشمی»

”امام صادق، بنی هاشم کے اہم بزرگ ہیں۔ کنیت ابو عبد اللہ القرشی ہاشمی ہے۔“<sup>①</sup>

﴿ عبد الجبار بن عباس ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے اور واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ سیدنا جعفر صادق ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا :

”تم اپنے شہر کے اچھے لوگ ہو۔ تم وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ جس شخص نے یہ کہا کہ میں (جعفر صادق) مفترض الطاعۃ (واجب الطاعۃ) امام ہوں، میں اس سے لتعلق ہوں اور جس شخص نے میرے متعلق یہ بات اڑائی کہ میں ابو بکر اور عمر بن الخطاب سے لتعلق ہوں میرا اس سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔“

معلوم ہوا یہ امام بزرگ سب لوگوں کے مشترک امام و بزرگ اور محض قرآن و سنت کے عامل و حاصل تھے۔ اللہ ہمیں سب ائمہ دین کی محبت عطا کرے۔ آمین۔ ان کی نسل پانچ فرزندوں سے جاری ہے، موسیٰ کاظم، اسماعیل، علی المرضی، محمد المامون، اسحاق رضا.

## ۷ سیدنا موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے ولد ہیں۔ 129ھ میں پیدا اور 183ھ میں بعهد ہارون، زندان بغداد میں فوت ہوئے۔ موسیٰ نام، ابو الحسین کنیت اور کاظم لقب تھا۔ بڑے

① سیر أعلام النبلاء: 1/404.

بارة امام

۴۶۲

زاهد، حنفی، فقیہ و مفتی تھے۔ برائی کا بدلہ نہ لیتے اور سب سے نیکی کرتے تھے۔ بے حد صابر و شاکر، قانون و حلمیم تھے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کا پابندی سے درس دیتے تھے۔ بازاروں میں کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور تلقین کرتے کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کی اطاعت کے بغیر کسی کی نجات نہ ہوگی۔<sup>①</sup>

### 8 سیدنا رضا ﷺ

سیدنا موسیٰ کاظم ﷺ کے نور جسم تھے۔ ولادت 148ھ اور رحلت 203ھجری میں ہوئی۔ نام علی رضا اور کنیت آپ کی بھی ابو الحسن ہے۔ اپنے عہد میں سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ سمجھی سمجھتے جاتے تھے۔ آپ کو خلافت پر بٹھایا گیا اور آپ کا سکر جاری کیا گیا۔<sup>②</sup>

### 9 سیدنا نقی ﷺ

سیدنا علی رضا کے نور دیدہ ہیں۔ 195ھ میں پیدا ہوئے 220ھ میں انقال فرمایا، نام محمد جواد، کنیت ابو جعفر ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کی صاحبزادی ام فضل ان کے نکاح میں تھیں۔ آپ نے صرف 25 سال عمر پائی، مگر تھوڑی عمر میں بہت کچھ حاصل کر لیا۔ اور صغری ہی میں ان کے علم و فضل کا چرچا ہو گیا۔ بہت پرہیز گار تھے۔ پورا قرآن مجید اور چار ہزار حدیثیں از بر تھیں جس سے ان کے شغف بالقرآن والحدیث کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔<sup>③</sup>

### 10 سیدنا نقی ﷺ

سیدنا نقی کے نور عین ہیں۔ نام علی ہادی، کنیت ابو الحسن، لقب نقی، زکی، عسکری

<sup>①</sup> تهذیب التهذیب: 10/339-340. <sup>②</sup> تهذیب التهذیب: 7/387-389. <sup>③</sup> اعلام الوری بـ علام الهدی، ص: 344، 355. رحمة للعالمين: 2/122.

بارہ امام

463

ہے۔ بہت خوبصورت، واعظ خوش بیان، خطیب شیریں مقال تھے۔ 214 ہجری میں ولادت اور 254 ہ میں رحلت ہوئی۔<sup>①</sup>

## 11 سیدنا حسن عسکری

سیدنا نقیؑ کے جگر گوشہ ہیں۔ 232 ہ میں پیدا ہوئے اور 260 ہ میں وفات پائی۔ نام حسن زکی، کنیت ابو محمد، لقب عسکری ہے۔ 28 سال عمر پائی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ اور دس سال کی عمر میں درس حدیث میں بیٹھے اور ہزار ہادیثیں یاد کر لیں۔ نیک سیرت، نیک خواہ، خوشرو، عالم و فاضل، عفیف و خلیق، حلیم و کریم متواضع اور سخی تھے۔<sup>②</sup>

## 12 سیدنا مہدیؑ

255 ہ میں تولد ہوئے۔ سیدنا حسن عسکری کے فرزند ہیں۔ محمد مہدی نام ہے۔ شیعہ کے اعتقاد میں آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور قرب قیامت ظاہر ہوں گے۔ شیعہ حضرات ان کے منتظر بیٹھے ہیں۔ اور اسی لیے ان کو قائم، جدت، غائب، خاتم وغیرہ کہتے ہیں۔ لیکن مستند تاریخوں سے ثابت ہے کہ آپ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ شادی شدہ تھے۔ اولاد ہوئی۔ علم و فضل زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ بادشاہ کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ اسی لیے کسی کو ان کی تاریخ وفات پتہ نہیں۔ آپ کی بابت طرح طرح کے جھوٹے افسانے گھر لیے گئے۔<sup>③</sup>

<sup>①</sup> البداية والنهاية: 11/15۔ رحمة للعالمين: 2/122۔ <sup>②</sup> أعلام الورى بعلام المهدى: 367-380، ورحمة للعالمين: 2/123۔

<sup>③</sup> بارہویں امام کے متعلق علامہ احسان الہی ظہیرؑ لکھتے ہیں: ”ان کا پیدا ہونا ہی ثابت نہیں۔“ الشیعة والستة، ص: 69۔

یہ سب امام بڑے اونچے مرتبہ پر فائز تھے۔ زندگی بھر قرآن و سنت کے عامل و حامل رہے اور لوگوں کو بھی قرآن و سنت ہی کی دعوت دیتے رہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ لیکن یاد رکھئے! یہ شیعہ تھے نہ انہوں نے شیعہ مذہب کی بنیاد کھلی، نہ شیعہ مذہب کا پرچار کیا۔ نہ اس مذہب کی فقہ مرتب کی۔ یہ سب کے سب داعی، رسول اکرم ﷺ کے مطیع و قیع، محبت و جانثار، نرم دل، قرآن و سنت کے حامل و عامل اور بڑے مقنی تھے۔ اہلسنت کے تمام طبقات شیعہ مذہب سے اختلاف رکھتے ہیں جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں۔ لیکن یہ ان ائمہ سے اختلاف نہیں رکھتے۔ البتہ ان کی باہت وضع کردہ جھوٹے افسانوں کو نہیں مانتے۔ اور ان کے نام پر قرآن و سنت سے متصادم احکام، خود ساختہ فقہ اور گھڑے ہوئے مسائل کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان ائمہؑ نے اپنی الگ فقہ بنائی، نہ اس کی بنارکھی، نہ لوگوں کو ادھر بلایا، ان کا الگ کوئی مذہب یا فرقہ یا گروہ نہ تھا۔ یہ صرف قرآن و سنت پیش کرتے اور انھی دونوں روں کا پرچار کرتے تھے۔ وہ شیعہ مذہب نہیں رکھتے تھے، وہ شیعیت کے داعی و مبلغ تھے، ہمارے سب کے بزرگ اور امام تھے۔ انہوں نے اپنی تبلیغی و دینی مساعی سے قرآن و حدیث کا راستہ واضح فرمایا۔ ہمیں صرف اللہ اور اس کے رسول برحق ﷺ کی طرف بلایا۔



## دعوتِ فکر

ان دوازدہ یعنی 12 ائمہ کرام صلوات اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ حالات پڑھیے۔ اور غور سے پڑھیے، آپ کو یہی نظر آئے گا کہ ان بزرگوں کی مقدس زندگیاں قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کے احیاء و بقاء، تبلیغ و اشاعت، اتباع قرآن و سنت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے وقف تھیں۔ ان کا ایک ایک لمحہ حیات، اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محترم ﷺ کے احکام کی تعلیل میں صرف ہوتا تھا۔ ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک کام قرآن و حدیث کے تابع تھا۔ اور خداوند قدوس نے انہیں بدعاویت و مدد ہات اور شرک و ضلالت کی تردید و مکنذیب کے لیے مامور فرمایا تھا۔ ان کا عقیدہ اور مسلک بالکل وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت اور اصحاب نبی اللہ کا تھا۔ جیسا کہ آپ مطالعہ کرچکے ہیں۔ لیکن ان کے نام نہاد معتقدین ان اکابرین کا نام تو بہت لیتے ہیں مگر ان کے عمل و طریق کے خلاف چل کر پختگیں پاک، اہل بیت اطہار اور پارہ اماموں کی فرمانبرداری اور پیروی جو کہ حقیقی محبت کی علامت ہے، سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ائمہ صلوات اللہ علیہ وسلم صرف شیعہ کے ائمہ نہیں اہلسنت کے بھی ائمہ ہیں۔ انھیں شیعہ نہب کے بانی یا حامی یا مبلغ کہنا صحیح نہیں۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہوئے ان ائمہ کرام صلوات اللہ علیہ وسلم کو ہمارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ جہالت میں گرفتار ہیں۔ ان ائمہ کو نہایت عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے..... جن لوگوں نے ان ائمہ کے بارے میں غلط قصے

کہانیاں منسوب کیے اور قرآن و سنت کے مخالف مسائل گھر کران کے ذمے لگادیے اور انھیں خدائی صفات تفویض کی ہوئی ہیں وہ مجرم ہیں۔ ائمہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ ان کی تعلیمات شریعت کے خلاف نہیں تھیں بلکہ مطابق تھیں۔ وہ خلفائے راشدین صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق خلقاء جانتے تھے۔ صحیح سند کے ساتھ اہل تشیع کا کوئی ایک بنیادی مسئلہ بھی ان سے ثابت نہیں۔ ان کی اذان، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج غرض جملہ مسائل وہی تھے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہوئے، وہ تمام صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام بجالاتے اور انھی کے طریق و تعامل کو اچاگر کرتے تھے۔ قرآن کریم کو اللہ کی پچی کتاب جانتے تھے۔ انہیں خلفائے راشدین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور قرآن مجید کی صداقت کا پورا یقین تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے۔ ان کی اذان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ اہلسنت کے مطابق تھا۔ وہ اصلی اہلسنت تھے۔ یہ ہمیں پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ انہوں نے ہرگز کسی الگ شریعت اور فرقہ کی بنیاد نہیں رکھی۔

کاش! ان سے نام کی محبت رکھنے والے دوست ان کے درست حالات پڑھیں اور ان کی اطاعت کر کے اپنی زندگی کو جنت کا نمونہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سب ائمہ دین اور اولیائے کاملین صلی اللہ علیہ وسلم کی پچی محبت، صحیح عزت و تکریم اور پچی عقیدت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور شیعہ سنی سب کو قرآن و سنت کے ایک پلیٹ فارم پر جمع فرمائے۔  
(آمین ثم آمین)



## حضرت حسینؑ کی ازواج و اولاد

حضرت امام الشہداءؑ کی یہ سیرت ناکمل رہے گی اگر اس میں آپؑ کی ازواج و اولاد کا ذکر نہ کیا جائے۔ حضرت حسینؑ کی تکانی تکاہ کیے۔ جن کا ثبوت مل سکا ہے وہ یہ ہیں:

### ۱ رباب کلبیہ بنت امراء القیس

ان کے والد عیسائی تھے۔ جو حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد میں مسلمان ہوئے، رباب کے بطن سے حضرت عبداللہ اور حضرت سیکنہ پیدا ہوئیں۔

### ۲ لیلی بنت ابی مرہ

یہ علی اصغر کی والدہ تھیں۔ وہ علی اصغر جنہوں نے چھ ماہ کی عمر میں کربلا میں حضرت حسینؑ کے ہاتھوں میں شہادت پائی۔

### ۳ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبد اللہ

یہ امام حسنؑ کی بیوہ تھیں۔ ان سے فاطمہ صفری پیدا ہوئیں۔

### ۴ شہر بانو یا شاہ زنان

فارسی الاصل تھیں۔ امام علی زین العابدین کی والدہ یہی تھیں اور علی اکبر بھی انہی

468

۶. حضرت حسینؑ کی ازدواج اولاد  
سے پیدا ہوئے۔

### ۵ عائشہ بنت خلیفہ

ان کی اولاد ثابت نہیں۔

### ۶ حضسه بنت عبد الرحمن

یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پوتی تھیں۔ یہوہ ہو کہ حضرت حسینؑ کے نکاح  
میں آئیں۔ اولاد کا ثبوت نہیں۔

### ۷ عاتکہ بنت زید بن عمرو

یعنی بار بیوہ ہو کر آپؐ کے عقد میں آئیں، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

### ۸ قصاعیہ

ان سے جعفر پیدا ہوئے اور شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے۔

### ۹ غزالہ

یہ بھی بے اولاد رہیں۔<sup>①</sup>

اسی طرح اور بھی چند نکاح ثابت ہیں مگر ان کی تفصیل اور ازدواج کے نام معلوم نہیں  
ہو سکے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔



## حضرت حسین (علیہ السلام) غیروں کی نظر میں

### 1 پنڈت گوبند بلخی پنچھ (سابقہ وزیر داخلہ) ہندوستان

حضرت حسین (علیہ السلام) کی ذات اس خلمت اور تاریکی میں ایک منارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شہادت انسانیت کو درسِ بصیرت دیتی رہے گی اور اس کو وحشیانہ قوت اور بیکیت کے مقابلہ میں ثباتِ قدم عطا فرمائے گی۔

جب بھی انسان کے لیے ان لافاری خوبیوں کے تحفظ کا موقع آئے گا جو انسانی تمدن کا جزو لا ینیف ہیں اس وقت یہی شہادت اسے ٹھڈی دل دشواریوں کا مقابلہ کرنے کی تاب و طاقت دے گی۔

### 2 دستوء کی خسرو و مہار کنور (پیشوائے اعظم پارسی)

اگر شہید اعظم حسین (علیہ السلام) کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق، مذہب اور صداقت سے نا آشارتی۔ دنیا شہداء کی معنوں ہے، جنہوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی۔ حضرت حسین (علیہ السلام) ان شہداء کے سردار ہیں، جنہوں نے انسانیت کی خدمت کے لیے جان دی، ہم کو ان کی یاد اپنے عمل سے منانا چاہیے اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہیے۔

### 3 سوامی کل جکانند مسافر

حضرت حسین (علیہ السلام) کی طرف دنیا کے اس جذب و کشش کا سبب کیا ہے؟ بات یہ

۶۰ حضرت حسینؑ غیروں کی نظر میں

۴۷۰

ہے کہ کشش دوچیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک حسن، دوسرا احسان، حضرت حسینؑ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ حسن سے مراد یہاں اخلاق ہے جو حسن صورت سے زیادہ جاذب ہے، آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ دشمنوں کو بھی آپ میں کوئی برائی دکھائی نہیں دیتی۔ (لیکن آپؑ میں دونوں حسن اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپؑ حسینؑ تین بھی تھے اور بلند ترین اخلاق کے مالک بھی تھے۔ فاروقی)

آپ کا احسان! اس کا کیا پوچھنا، حضرت حسین غریب نہ تھے، مگر ان کا پیسہ غریبوں پر صرف ہوتا تھا، وہ خود فاقہ کرتے تھے رانیاں گھر میں چکی پیشی تھیں، اور بچے بھوکے سوتے تھے، مگر پلک کے مفاد کا پیسہ وہ اپنے ذاتی مصرف میں نہیں لاتے تھے، انہوں نے میدان کر بلایا میں چار سبق دیے:

① اے لوگو! تم سب بھائی بھائی ہو۔

② او نجیق کی کوئی تفریق نہیں، ان تفریقوں کو مٹا دو۔

③ سچائی کے راستے پر مرتے وقت تک قائم رہو۔

④ ظالم کے ظلم کا مقابلہ کرو، یہاں تک کہ اس کے تختے کو الٹ دو، دنیا اگر ہماری اس تعلیم پر عمل کرے، تو کوئی وجہ نہیں کہ تمام جھگڑے بکھیرے ختم نہ ہو جائیں۔

تمام مصیبتیں اس لیے ہیں کہ ایک دوسرے کو پست اور تغیر سمجھا جاتا ہے، چھوٹ چھات کا خیال چھایا ہوا ہے۔

۴ ڈاکٹر جواہر لال روشنی، ایم ایل اے

حضرت حسینؑ جیسے بہادر کسی ایک مذہب اور کسی ایک ملک کے ہیر و نہیں سمجھے جاسکتے۔ میدان کر بلایا میں حسینؑ اور ان کے رفقاء کی قربانیاں اور وہ بلند مقاصد جن کے لیے انہوں نے اپنی جانیں دیں، موجودہ زمانے کی مہارزان سے سبق حاصل کر

حضرت حسینؑ غیروں کی نظر میں  
سکتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے ملک کا ہر آدمی کر بلکہ تاریخ کے ایک ایک ورق کا مطالعہ کرے گا۔ اور حضرت حسینؑ کی قربانیوں کی تقلید اپنے ملک کے مفاہ کے لیے کرے گا۔

### ۵ پروفیسر آتمارام ایم اے (ہوشیار پوری)

حضرت حسینؑ جسے میں خارج عقیدت پیش کر رہا ہوں، اپنی منفرد شخصیت، اپنی اولویت، اپنے بلند اور پاکیزہ مقاصد، اپنے کردار اور اپنی ہمت و حوصلہ کی وجہ سے تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ عالم میں بنے نظیر ہیئت کا مالک ہے۔

### ۶ مسٹر جیس کارکرن مصنف ”تاریخ چین“

دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی شخص ایسے گزرے ہیں جن کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں۔

بہادری میں اول درجہ کا مرتبہ حضرت حسین بن علیؑ کا ہے۔ کیونکہ میدان کر بلکہ میں ریت پر تفتگی اور گرگٹی کی حالت میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو، اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے گا جو تاریخ سے واقع نہیں۔

### ۷ مسٹر آر تھر، این و سٹن، سی آئی اے

حضرت حسینؑ میں صبر و استقلال، زور اخلاق کے وہ اعلیٰ جواہر اور کمالات موجود تھے جو عام انسانوں میں نہیں پائے جاتے، اس لیے حسینؑ کی ذات خود ایک مجھہ ہے۔ حسین کی بہادری اور شجاعت کی مثال شاید ہی دنیا کبھی پیش کر سکے۔ اقوام عالم کی تاریخ کبھی کوئی ایسا سورما پیش نہ کر سکی جو ہزاروں سے یکہ و تنہا لڑا، اور

۶۰۔ حضرت حسین رض غیروں کی نظر میں

بہ رضا و رغبت مرنے (شہادت پیش کرنے) پر تیار ہو گیا ہو۔

**۸** سردار کرتار سنگھ، ایم اے، ایل ایل، بی (ایڈو و کیٹ ہائی کورٹ) پیارہ

بظاہر ہر مسلمان غریب ہے لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) مسلمان سب سے زیادہ امیر ہے، کیونکہ حضرت حسین رض جسمی شخصیت اسے ورثے میں ملی ہے، اگر آپ حسین رض کو بھول جائیں تو اس کا نتیجہ نقصان ہی نقصان ہو گا۔

حضرت محمد ﷺ سے پہلے دنیا اس نکتہ سے نآشنا اور بیگانہ محض تھی، جذبہ شہادت مسلمانوں نے دنیا کے سامنے پیش ہی نہیں کیا بلکہ اسے عملی جامہ پہنانا یا اور اس سلسلے میں بہترین نمونہ شہادت کر بلایا ہے۔

حضرت حسین رض اپنی قربانی اور شہادت سے انھیں زندہ کر دیا اور ان پر ہدایت کی مہر لگادی، حضرت حسین رض نے جو قلعہ تیار کیا ہے، اسے کوئی گرانہ نہیں سکتا، کیونکہ یہ قلعہ پھر چونے سے نہیں بلکہ انسانی زندگی اور خون سے تیار کیا گیا، حضرت حسین رض زمانہ کی سیاسی باتوں کے بغض شناس تھے، کربلا کے میدان میں حضرت حسین رض نے جو حربے استعمال کیے وہ انصاف، پریم (پیار و محبت) اور قربانی ہیں، حسین کا کیرکیٹر برتو بala ہے۔ حضرت حسین رض انصاف، پریم اور قربانی کا دیوتا ہیں۔

**۹** مہاراجہ جگجیت سنگھ بہادر والی کپور تحلیہ

انسانی تاریخ میں شہیدوں کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اور شہداء چاہے وہ کسی ملک و قوم کے ہوں ہر مذہب و قوم کے لیے قابل عزت ہیں، کوئی پابند اصول ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ شہید کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانے کے لیے رہنا ہیں۔ بلکہ شہیدوں کی روشن مثالیں ہر فرد و بشر کے لیے سبق آموز ہیں، اور اسی نقطہ نظر سے حضرت حسین رض کی شہادت کے واقعات ساری دنیا کے لئے قابل مطالعہ ہیں۔

473

حضرت حسینؑ غیروں کی نظر میں

مجھے یقین ہے کہ حضرت حسینؑ کی شجاعت کی یاد تازہ رکھنے کے لیے سکھ، ہندو، عیسائی دل سے شامل ہوں گے۔ میرا یہ پیغام معمولی یارسی نہیں بلکہ میرے خیالات کا صحیح عکس ہے۔

### 10 سردار نژاد ایم اے (پروفیسر لدھیانہ کائی)

سکھ قوم کی روایات ہمیشہ سے بہادری اور شجاعت سے وابستہ رہی ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ دوسرے مذاہب کے بہادروں کی عزت نہ کریں۔ حضرت حسینؑ کی عزت کرنا تو سکھوں کے قریب لازمی امر ہے۔ انھوں نے کربلا کے میدان میں اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کی ہمراہی میں مذہبی دل لشکر کا جس پا مردی سے مقابلہ کیا، اور بڑی سے بڑی مشکل کو جس طرح ہنس کھیل کر برداشت کیا اس نے ان کا مرتبہ اس قدر بلند کر دیا ہے کہ وہ بہادرانِ عالم میں ممتاز جگہ پر فائز ہیں۔

### 11 سی ایس رنگار (سابق ایم ایل اے)

اگر حضرت حسینؑ کی زندگی اور قربانی کا مقصد اعلیٰ کو سمجھ لیا جائے تو ہر ہندو، شیعہ، سنی اور ہر انگریز بالکل اس نتیجہ پر پہنچ گا کہ پست سیاست حضرت حسینؑ کی نظر میں بے کار تھی، اپنے دشمن کی فوج میں تفرقہ اندازی یا پھوٹ ڈالنے کی کوشش کا خیال ہی ان کے دماغ میں نہ تھا۔ وہ تو اپنے ہی ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ ”تم متفرق ہو جاؤ اور میرے ساتھ اپنی جان نہ دو۔“ مگر ان کے مٹھی بھر اصحاب باوفا کے قدموں کو جبکش نہ ہوئی اور انھوں نے اپنی زندگی کے آخری سانسون تک ان کا ساتھ دیا، موت کی تنجی اور حیات کی شیرینی بھی ان کو اپنے آقا سے جدا نہ کر سکی۔

## [12] پروفیسر رحوپتی سہائے فراق گورکھپوری

سیدنا حضرت امام حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کیے جانے کی چیز ہے۔ ایسے الفاظ کا استعمال آسان نہیں جو ان کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں۔

یوں تو ان کی سیرت، روحانیت اور آنسوؤں کی سب سے زیادہ تابناک روشنی کر بلا (کرب و بلا) کے اندر چمکتی دکھائی دیتی ہے، لیکن جو لوگ حسین کے واقعہ کر بلا سے پہلے کی زندگی سے واقف ہیں، ان کے لیے اس زندگی کی بے داغ اور استوار پاکیزگی، اس کی بشریت، اس کا خلوص اور وقار، صداقت کی چٹان اور سخت امتحان کے مقابلے کی طاقت، یہ باقی نہیں ہیں کہ بلا لحاظ نہ ہب و ملت ہر فرد خارج عقیدت پیش کرتا ہے۔

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ  
چونچ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ  
انسان کو بیدار تو ہونے دو  
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

مجھے جیسے گنہگار انسان کے لیے حضرت حسینؑ کے اخلاقی کمالات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانا غالباً اپنی قابلیت سے بڑھ کر جرأت آزمائی کے متراffد ہو گا۔ حضرت حسینؑ دنیا کے بڑے سے بڑے خدار سیدہ رشیبوں اور شہیدوں کے ہم پلہ ہیں۔ حضرت حسینؑ کا نام اور ان کا کام، ان کی زندگی، موت اور شہادت کے واقعات ان نسلوں کی روحوں کو بیدار کریں گے جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر دہلوی [13]

گلشنِ صدق و صفا کا لالہ رنگیں حسینؑ

تشہ کامی بے کسی غربت فریب دشمناں  
نوک نخجیر بارش پیکاں بلائے خونچکاں  
ہے دم شمشیر سے بھی تیز تر راہ جہاں  
ہر قدم اب مرحلہ ہے ہر نفس اک امتحان  
زندگی پھر اہل دل کی اور آسانی طلب  
یہ وہ ہے ہے جس کا ہر قطرہ ہے قربانی طلب

فطرتِ آدم کو کر دیتی ہے قربانی بلند  
دل پر کھل جاتی ہے اس کے نور سے ہر راہ بند  
مہرو مہار سے ہوتے ہیں اس کی خاک پاسے ارجمند  
ہے فرشتوں کے گلوئے پاک میں اس کی کمند

سرودہ جس میں ذوق قربانی ہو جھک سکتا نہیں  
ٹنکوں سے بڑھتا ہوا سیلا بُرک سکتا نہیں

گلشنِ صدق و صفا کا لالہ رنگیں حسینؑ  
شمع عالم، مشعلِ دنیا، چراغِ دیں، حسینؑ  
سر سے پاتک سُرخی افسانہ خوینیں حسینؑ  
جس پہ شاہوں کی خوشی قرباں، وہ غمگین حسینؑ

مطلع نور مہ پروین ہے پیشانی تری  
بانج لیتی ہے ہر اک مذهب سے قربانی تری

جادہ عالم میں ہے رہبر ترا نقش قدم  
سایہ داں ہے تیرا پرورش گاہ ارم  
بادہ ہستی سے تیری ہے کیف و کم  
انٹھ نہیں سکتا تیرے آگے سر لوح و قلم

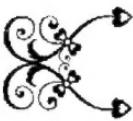
تو نے بخشی ہے وہ رفت ایک مشت خاک کو  
جو بایں سرکردگی حاصل نہیں افلک کو

ساتھی بزمِ حقیقت نفر ساز مجاز  
ناز کے آئینہ روشن میں تصویر نیاز  
دیدہ حق میں، دل آگہ، نگاہ پاکباز  
رونق شاہ عجم زینت صبح ججاز

تو نے بخشی ہر دل مردہ کو وہ شمع حیات  
جس کے پتو سے چمک انھی جیں کائنات



الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتَمَّ الصُّلُحَاتُ.



## مصادر و مراجع



- |                          |  |
|--------------------------|--|
| 16- تاريخ الخلفاء        | 1- ابن خلkan                             |
| 17- تاريخ بغداد          | 2- أعلام الورى <sup>1</sup> بأعلام الهدى |
| 18- تاريخ الخلفاء        | 3- انساب الاشراف بلاذري                  |
| 19- تاريخ الشهداء        | 4- اتمام الوفاء                          |
| 20- تاريخ طبرى           | 5- احكام شریعت                           |
| 21- تاريخ كبر            | 6- اصول کانی                             |
| 22- تعریف داری           | 7- الاستیعاب                             |
| 23- تهذیب التهذیب        | 8- الإمامة والسياسة                      |
| 24- تهذیب تاريخ دمشق     | 9- البداية والنهاية                      |
| 25- جامع الترمذى         | 10- الخلافة في الاسلام                   |
| 26- جلاء العيون          | 11- الذیل على طبقات الحنابلہ             |
| 27- حسین فیثا سب کا      | 12- السنن الکبری للبیهقی                 |
| 28- خلاصة المصائب        | 13- الشیعة والسنۃ                        |
| 29- دلائل النبوة للبیهقی | 14- الإصابة                              |
| 30- رحمة للعالمين        | 15- تاريخ الاسلام للذهبي                 |

## مصادر و مراجع

478

- |                          |   |
|--------------------------|---|
| 50- طراز مذهب مظفرى      | 31- رسالہ اعتقاد یعنی اردو شرح احسن الفوائد |
| 51- عرفان شریعت          | 32- سنن ابن ماجہ                            |
| 52- فتح الباری           | 33- سنن أبي داود                            |
| 53- فروع کافی            | 34- سنن نسائی                               |
| 54- کنز العمل            | 35- سوانح عمری، حضرت حسین                   |
| 55- الكامل لا بن اثیر    | 36- سیدنا معاویہ <small>رض</small>          |
| 56- المنتظم لا بن الجوزی | 37- سیر اعلام النبلاء                       |
| 57- مأثر الآثار          | 38- سیر الصحابة                             |
| 58- مستدرک حاکم          | 39- سیرت شہید کربلا                         |
| 59- مجمع الزوائد         | 40- سیرة الخلفاء                            |
| 60- مشکوٰۃ المصایب       | 41- شعب الایمان بیهقی                       |
| 61- منهاج السنة          | 42- شہادت حسین ابوالکلام آزاد               |
| 62- منهاج السنة          | 43- صحيح ابن حبان                           |
| 63- موطأ امام مالک       | 44- صحيح البخاری                            |
| 64- میزان الاعتدال       | 45- صحيح مسلم                               |
| 65- ناسخ التواریخ        | 46- طبرانی فی الكبير                        |
| 66- نهج الاحزان          | 47- طبقات ابن سعد                           |
| 67- وفیات الأعیان        | 48- طبقات ابن سعد                           |
| 68- هشی آف اسلام         | 49- طبقات الحنابله                          |



Made with Xodo PDF Reader and Editor

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# بیہت حسین

سیدنا حسین رض نے حضرت محمد ﷺ سے دینی زندگی کے آداب سمجھے۔ سیدہ عائشہ رض سے قرآن کریم پڑھا، سیدنا علی رض سے شجاعت اور اپنی عظیم ماں سیدہ فاطمہ رض سے حیثیت کا سبق حاصل کیا۔ ان کی بیہت و تفصیل پر ہمارے علمائے کرام نے بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ شیعہ کتب فکر کے سکالرز نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ سارا المزیج پڑھ جائیے۔ اس کے پڑھنے سے بس بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسین رض صرف کربلا کے حسین تھے۔ ..... زیرِ نظر کتاب کے موافق مولانا محمد ادریس فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسلوب کے وہ پہلے سکالر ہیں جنہوں نے اصل حقائق کا کھوچ رکایا۔ شہادت حسین رض کو دشت کربلا کے نکالا اور ایک عالمی حقیقت بنایا۔ انہوں نے اس کتاب میں قاتلان حسین رض کے چہرے بے نقاب کیے ہیں اور کربلا کا مظہر کھینچا ہے کہ حسین رض کربلا کے ریگزار میں اکیلے کھڑے تھے۔ ان کے سامنے خالموں کی ہزاروں تلواریں چک رہی تھیں مگر وہ ان تلواروں کو پرچما بیوں سے بھی زیادہ حریر اور ناقابل توجہ رکھتے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ سیاسی نظام کے محافظ تھے۔ وہ سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رض کے خون پینے سے بچنے ہوئے باعث خلافت و شورائیت کی جگہ بادشاہت کی کاشت برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے بھائی خلافت کے لئے اپنی جان کی پازی لکا دی۔ ..... یہ کتاب تمام فرزندان اسلام کو دعوت دیتی ہے کہ قرآن و سنت کے مابین رحمت میں اکٹھے ہو جاؤ۔ البی بیت رض کی طرح تمام صحابہ کرام رض کا احترام کرو۔ ایمان اور اعمال صالح کا مجسمہ بن جاؤ۔ اور اپنی تفہیم کردار سے شرک، بدعت اور مغربی تہذیب کو ملیا میت کر دو۔

جو مسلمان یہ کام کرے گا وہی آج کے دور کا حسین کہا جے گا۔